نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۴

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ۴ ۶۲۵

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، احمد سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- ۱۴۰۱ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ ۴۱۲۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد سبیل چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۲۵۳ جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہداد پور :- مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ضروری نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پائیں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

فہرست مضامین معارف القرآن جلد چہارم

مشتمل بر ــــ پارہ (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵)

سورۂ ہود ـ یوسف ـ رعد ـ ابراہیم ـ حجر ـ نحل ـ بنی اسرائیل ـ کہف

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۹۰	**تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام**	

تفسیر سورۃ الرعد ۱۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۳	اختتام سورۂ اسراء	۵۵۸
	تفسیر سورۂ کہف	۵۵۹
۲۷۴	رابطہ اور مناسبت	۵۶۰
۲۷۵	فائدہ	۵۶۲
۲۷۶	آغاز سورت، تمجید بر انزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید و رسالت الخ	۵۶۳
۲۷۷	ذکر اجمالی قصۂ اصحاب کہف	۵۶۶
۲۷۸	اصحاب کہف و رقیم	۵۶۷
۲۷۹	اصحاب کہف کا قصہ	۵۶۹
۲۸۰	تفصیل قصۂ اصحاب کہف	۵۷۵
۲۸۱	تتمۂ قصۂ مذکورہ	۵۸۳
۲۸۲	ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ	۵۸۶
۲۸۳	ذکر اختلاف اہل کتاب دربارۂ شمار اصحاب کہف	۵۸۸
۲۸۴	مقام اصحاب کہف	۵۹۰
۲۸۵	حکم تلاوت قرآن و ملازمت صحبت درویشان و فقراء پریشان	۵۹۲
۲۸۶	مسئلہ	۵۹۷
۲۸۷	بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال	۶۰۱
۲۸۸	فائدہ ۔ حکایت	۶۰۳
۲۸۹	فائدہ	۶۰۴
۲۹۰	دنیا کے فنا و زوال کی ایک مثال	۶۰۶
۲۹۱	غرور و تکبر کا مآل و انجام	۶۱۳
۲۹۲	قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام	۶۱۸

کتابت: غلام شبیر

اور عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے کان اللّٰہ ولم یکن شیء غیرہ یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی، اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تاکہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خداوند کی قدرت کو دیکھ کر اس کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔

فلاسفہ اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام نظام مادہ کی تدریجی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں، بالکلیہ اعدام محض نہیں کر سکتے۔

جواب یہ ہے کہ آپ کی اس دلیل سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ واقع میں ایسا ہونا ناممکن اور محال ہے بے شک ایک چیز آپ نے نہیں دیکھی اور آپ کی قدرت سے باہر ہے مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔

بلکہ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آئندہ چل کر بھی اس پر قدرت نہ ہو گی۔ ممکن ہے کہ یہ امر آج آپ کی قدرت سے خارج ہو اور آئندہ چل کر آپ اس پر قادر ہو جائیں۔ جیسے گراموفون اور ٹیلیفون اور تار برقی کی ایجادات دو سو سال پیشتر قدرت انسانی سے خارج تھیں اور اب ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں۔ فرض کرو کہ کسی چیز کو معدوم محض ہوتا ہوا نہ دیکھنے پر محال کہنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کو مشرق یا مغرب سے نکالنا آپ کی قدرت میں نہیں تو کیا اس سے یہ کہنا لازم آیا کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں، بے شک یہ امر آپ کی قدرت سے خارج ہے مگر جس قادر مطلق نے اس کو وجود عطا کیا ہے اس کو قدرت ہے کہ چاہے مشرق سے نکالے یا مغرب سے نکالے اس کی قدرت کے اعتبار سے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی فقیر یا مزدور سے جو دن بھر میں کمال مشقت و محنت سے ایک ایک روپیہ کماتا ہو یہ کہے کہ تجھ کو دس لاکھ روپیہ مل جائے گا تو اس کو ناممکن اور محال سمجھے گا۔ اور تعجب نہیں کہ اسکے کمال ہونے پر کوئی قبول ہی نہ کرے بلکہ مجنون سمجھے۔

لیکن دانا یہ سمجھتا ہے کہ یہ امر فقط محال عادی ہے ناممکن نہیں بلکہ مستبعد اور اچنبھا ہے یعنی عجیب معلوم ہوتا ہے دائرۂ امکان سے باہر نہیں البتہ محال وہ ہے کہ جس کا باطل ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہو جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور مستبعد وہ ہے کہ جو ظاہر کے لحاظ سے عجیب اور غریب نظر آئے۔

آج کل کے سائنسدان محال اور مستبعد میں فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے ہر محال عدم محض سے کسی چیز کا وجود میں آنا اور نیست سے ہست ہونا قطعاً محال نہیں البتہ مستبعد اور اچنبھے کی بات ہے آپکے پاس اسکے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اور ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا آپ ذرا ہوش میں آیئے اور بتلایئے کہ نہ دیکھنے سے یا نہ کر سکنے سے کسی چیز کا محال ہونا کیسے ثابت ہوا۔ اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا ناممکن اور محال ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ ان باتوں سے آپ کا کم نظر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

ابطال قدامت مادہ

اے عمیدان فلسفہ و سائنس آپ اگرچہ مادہ کو قدیم اور اسکے ذراتِ بعیدہ کی حرکت کو قدیم مانتے ہیں لیکن تبدیل صورت کے تو قائل ہیں کہ صورتیں بدلتی رہتی ہیں جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صورتوں کے حادثات ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور صورت کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت تو معدوم اور زائل ہو گئی اور جدید صورت موجود ہو کر مادہ کو لاحق ہو گئی تو اب سوال یہ ہے کہ جب اجسام مادیہ میں صورت و شکل کی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آپ یہ بتلائیں کہ اس اول بدل کے وقت اور دوسری صورت کے آنے کے وقت پہلی صورت اور شکل بھی اسی جسم میں باقی رہی یا بالکل زائل اور معدوم اور فنا ہو گئی۔ یا کسی دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو گئی۔ پہلی شق بداہۃً باطل ہے اس لیے کہ ایک محل میں ایک ہی وقت میں دو متضاد شکلوں کا جمع ہونا عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ موم کے گولہ کو ایک شمع بنا لیا جائے تو اس میں باوجود مستطیل ہونے کے شکل مستدیر بھی باقی رہے اور علی ہذا تیسری شق بھی بداہۃً باطل ہے ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ اس جسم کی پہلی صورت زائل ہو کر کسی دوسرے جسم کو جا کر نہیں لگ گئی۔ اب دوسری صورت متعین ہو گئی کہ تبدیلی کے وقت پہلی صورت و شکل بالکل زائل اور معدوم ہو گئی۔ اور عدم میں چلی گئی۔ لہٰذا اب دوسری شکل و صورت کے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عدم محض سے وجود میں آئی یعنی پہلے نیست تھی اب ہست ہو گئی پس ہر لحظہ صورتوں کی تبدیلی سے نیست سے ہست ہونے کا آپ نے مشاہدہ کر لیا۔ یہ تو آپکی قدرت کا حال ہوا کہ آپ صورتوں اور شکلوں میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہیں تو سمجھ لو کہ خداوند قدیر آسمان و زمین اور شمس و قمر جیسے اجسام کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے اور خداوند ذوالجلال اپنی قدرت کاملہ کے اعتبار سے ہر جوہر و عرض کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ صورت حادث ہے اور نیست سے ہست ہوتی ہے تو اس سے مادہ کا حادث ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ صورت مادہ کیلئے لازم ہے مادہ بغیر صورت کے موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ بغیر صورت کے مادہ کا وجود عقلاً محال ہے مادہ کا وجود ہمیشہ کسی صورت اور شکل ہی کے ساتھ ہو گا عقل اس صورت کا تصور کرنے سے قاصر ہے کہ یہ تصور کرے کہ مادہ پر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود تھا۔ اور اس کو کوئی صورت اور شکل حاصل نہ تھی اور جب مادہ بلا صورت کے موجود نہیں ہو سکتا تو مادہ کا قدیم ہونا باطل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وجود کسی حادث پر موقوف ہو گا وہ قدیم نہیں ہو سکتی بلکہ بلاشبہ حادث ہو گی بلکہ وہ تو حادث در حادث ہو گی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے

لے آپکی ناقص اور نا تمام قدرت اپنے دائرہ عمل میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔

کہ مادہ بغیر صورت کے موجود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وجود بالقوہ ہو گا ۔ اور وجود بالفعل نہ ہو گا اور وجود بالقوہ من وجہ عدم ہے اور من وجہ وجود ہے یعنی ناقص و ناتمام وجود ہے اور جس چیز کا وجود ناقص اور ناتمام ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہو سکتی ۔ اور بالفاظ دیگر وجود بالقوہ ایک استعداد اور قابلیت اور صلاحیت کا نام ہے جو ایک قسم کا فرضی وجود ہے حقیقی وجود نہیں لہذا ایسی فرضی اور موہوم حقیقت کا قدیم ہونا عقلاً محال ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝

البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح۔

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ

اور اگر ہم دیر لگا دیں ان سے عذاب کو ایک مدت گنی تک

لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اس کو ، سنتا ہے ! جس دن آوے گا ان پر ، نہ پھیرا جائے گا

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

ان سے اور الٹ پڑیگا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔

بحث دربارۂ بعث

قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ ... الی ... وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اس کی غرض وغایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت ۔ اور عمل کی جزا و سزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلفین کے ابتلاء و امتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر و نشر ضروری ہے لہذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ عذاب

بیان حال طبیعت انسانیہ در راحت و کلفت

قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ... الیٰ ... لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عذاب الٰہی سے ڈراتے تو کفار نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیتے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا۔ اب اس آیت میں طبیعت انسانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر ایک حال پر نہیں رہتی اگر عیش و آرام کے بعد ذرا تکلیف میں مبتلا ہوا تو ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد راحت پہنچتی ہے تو اترانے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت اور نعمت کا مزہ چکھا دیں اور پھر اس سے وہ اپنی نعمت چھین لیں تو وہ بے صبری کی وجہ سے آئندہ جناب باری کے لطف و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمت کو بھی بھول جاتا ہے اور جو نعمتیں اس حال میں اس کو حاصل ہیں ان کے شکر سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں بعد سختی کے اور ناداری کے بعد اس سختی کے جو اس کو پہنچی ہو جیسے بیماری اور محتاجی تو یہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو مجھ سے برائیاں گئیں یعنی مصیبتیں اور سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں اب آئندہ کی مجھے پرواہ نہیں سمجھتے یہ نادان انسان بڑا اترانے والا ہے نعمت کو دیکھ کر پھول جاتا ہے اور بڑا شیخی خورہ ہے نعمت دیکھ کر فخر کرنے لگتا ہے اور شکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اکثر انسانوں کی یہی حالت ہے کہ مصیبت میں بے صبر ہے اور نعمت میں ناشکرے مگر جو لوگ صابر اور نیک عمل ہیں ان کا یہ حال نہیں وہ مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور حصول نعمت کے وقت شکر سے کام لیتے ہیں غرض یہ کہ صابر اور شاکر کسی حال میں خدا سے غافل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے جو صبر و شکر سے موصوف ہوں گناہوں کی بخشش ہے اور بڑا اجر ہے صبر و شکر کی برکت سے گناہوں کی بخشش بھی ہو گی اور وہم و گمان سے بڑھ کر اجر اور ثواب بھی ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور تنگ ہو گا اس سے

صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ

تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر خزانہ یا آیا

جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اس کے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا

چیز پر ذمہ دار رکھنے والا کیا کہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو تو کہہ تم لے آؤ

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ

ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾

پکار سکو اللہ کے سوا، اگر ہو تم سچے -

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ

پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہا تو جان لو کہ یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے اور

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾

کوئی حاکم نہیں سوا اس کے پھر اب تم حکم مانتے ہو۔

بیان نوع دیگر از طعنہائے کفار نابکار و تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ... الیٰ ... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔

(ربط) اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے ذکر سے فرمایا جس کے ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کا موضوع دعوت توحید ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی جانب سے بشیر و نذیر ہیں۔ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ تم ناشائستہ اعمال سے توبہ کرو، بعد ازاں وہ لوگ قرآن کو سحر اور آپ کو ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان کی دوسری ناشائستہ اور طعن آمیز باتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اور احکام الٰہی کو خصوصاً قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ سے بیہودہ سوالات کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ کہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیں کبھی کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کو سامنے لاؤ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کے مانند سورتوں کی جگہ نکال دو اس قسم کی بیہودہ باتوں سے آپ تنگدل اور رنجیدہ ہوتے تھے اور یہاں تک کہ ایسے سوالوں کو کلام الٰہی سنانا اور وعظ و نصیحت کرنا بے سود ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں آپ کو تسلی دی کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں پر دل میں خیال نہ لائیں اور ان کے تعنت و عناد اور طعن و تشنیع سے تنگ دل ہو کر کسی حکم الٰہی کے بیان کو

ترک ذکریں بے شک انسان کا یہ امر طبعی ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے بلکہ اسکا مذاق اڑائے تو اسکے سامنے کیا کہے حق تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ انکی طرف نظر نہ کریں ہماری طرف نظر کریں اور نہایت کشادہ دلی سے کلام خداوندی کی آیتیں ان کو سناتے رہیں اور اگر انکا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن آپ کا افتراء کیا ہوا ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں افتراء کر لاؤ جب نہ بنا کر لاسکیں تو سمجھ لیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں۔

(یا لفاظ دیگر) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی ایک عظیم دلیل کا بیان ہے یعنی یہ قرآن آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب تمام فصحاء اور بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ کلام خداوندی اور وحی ربانی ہے اور جس پر اللہ کی وحی نازل ہو وہ اللہ کا نبی اور رسول ہے اور یہ کلام معجز نظام اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے اور اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا آپ انکی ہرزہ سرائیوں کی طرف التفات نہ کریں صبر اور استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ انجام دیتے رہیے۔

مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے لیے یہ شبہ نکالا کہ یہ قرآن سحر اور جادو ہے مگر وہ لوگ چونکہ اہل فصاحت وبلاغت تھے اور اہل زبان تھے اس لیے یہ شبہ ان پر کارگر نہ ہوا تو اب یہ بہانہ نکالا کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ قرآن یک آپ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی تو اہل زبان ہو اور ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہو بنا لاؤ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس شاید آپ ان کافروں کے تعنت اور عناد اور تمسخر کو دیکھ کر بعض ان چیزوں کا جو بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان مشرکین کو ناگوار ہیں جیسے بت پرستی کی مذمت، تو کیا آپ انکی ناگواری کی بنا پر ایسی باتوں کا بیان کرنا چھوڑ دیں گے کہ یہ نادان ان باتوں کا مذاق اڑائیں گے، انکے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بے سود ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ کا استفہام، استفہام انکاری ہے جس سے مقصود نفی اور ممانعت ہے یعنی انکے عناد کی وجہ سے ان باتوں کے بیان کو ترک نہ کریں اور انکی اس تکذیب اور عناد کی وجہ سے آپکا سینہ تنگ ہوتا ہے اور آپ کا دل گھٹتا ہے اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ غیب سے انکو خزانہ ملتا اور وہ لوگوں پر تقسیم کرتے اور لوگ انکا اتباع کرتے یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا جو ان کی نبوت کی گواہی دیتا تو اے ہمارے نبی آپ انکی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہو کر دعوت وتبلیغ میں کوئی کمی نہ کیجیے جز این نیست آپ صرف ڈرانے والے ہیں، آپ کے ذمہ تو صرف ڈرانا اور احکام خداوندی کا پہنچانا ہے انکی بد زبانی کی طرف التفات نہ کیجیے۔

در خیال جناب مصرا بر حالک
از مکان رد بنج و بے اقبال بے باک

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ بغیر تمہارے احمد مختار فرشتہ نہیں کہ آپ کے دین کو ضرر کرسکیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کارساز ہے، وہی ہر کام بنانے والا ہے۔ آپ اپنا کام اسی کے سپرد کر دیجئے جو شخص اپنا کام اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اللہ اس کا کام بنا دیتا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے اس کی حفاظت کرتا ہے کیا یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آپ نے خود بنا لیا ہے۔ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں بنی ہوئی اپنی طرف سے بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن آپ کا بنایا ہوا کلام ہے پس اگر وہ تمہارے کہنے پر نہ کر سکیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے جو علوم عجائب اور اسرار پر مشتمل ہے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو بتلاؤ اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟

ف | کسی جگہ دس سورتوں کے تحدی کا ذکر ہے اور کسی جگہ ایک سورت کی تحدی کا ذکر ہے تاکہ ہر طرح سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائے۔

دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر

اعجاز قرآن پر دلائل تو بے شمار ہیں جن پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند حروف ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) قرآن کریم اصول دین یعنی توحید و رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل اور زبور میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔

(۲) پھر یہ کہ قرآن کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ پر مشتمل ہے کہ جن کے جواب سے ہر زمانہ کے فلاسفہ اور دہریہ عاجز ہیں اور بڑے بڑے دہری اور ملحد ان دلائل کے سامنے لاجواب ہیں۔

(۳) حرام و حلال کی تفصیل کرتا ہے۔

(۴) قرآن کریم انبیاء سابقین کی نصیحتوں اور ان کے کلمات حکمت و موعظت کا جامع ہے۔

(۵) تحصیل معاش اور تحصیل معاد دین اور دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) گزشتہ امتوں کے عبرت انگیز واقعات بیان کرتا ہے اور آئندہ کے لیے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے گا۔

کے اعتبار سے کہ تمام اعمال باطل اور نابود تھے فی نفسہٖ انکے تمام اعمال باطل کسی شمار میں نہ تھے کیونکہ ایمان و اخلاص سے عاری تھے اور حبط نہیں مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ سے ان کے اعمال کفریہ اور شرکیہ مراد ہوں تو ایسے اعمال کا صورت اور حقیقت کے اعتبار سے باطل اور لغو ہونا ظاہر و باہر ہے ایسے اعمال کے متعلق فرمایا۔ کہ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اور گزشتہ آیت یعنی وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا۔ میں وہ اعمال مراد ہیں جو بظاہر خیر اور بھلائی کے ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی کافروں کے۔ ایسے اعمال قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ یعنی ان پر کوئی اُخروی ثواب نہ ملے گا البتہ یہ ممکن ہے کہ ان اعمال حسنہ کی بنا پر کافروں کے عذاب دوزخ میں تخفیف کر دی جائے جیسے ابو طالب کے حق میں آیا ہے کہ جہنم میں سب سے خفیف عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ ثواب ملنا اور چیز ہے اور عذاب میں تخفیف ہو جانا اور چیز ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں کہ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں ہے یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں یا منافقوں کے بارے میں یا اہل ریاء کے بارے میں ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر ہو یا منافق یا ریاکار جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں اسکا بدلہ انکو دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔ اور آخرت میں سوائے نار کے اور کچھ نہیں ملے گا لہٰذا انکو چاہیے کہ اپنی اس دنیاوی نیکی کے بھروسہ پر نہ رہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آخرت میں بھی ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ آخرت میں سوائے اخلاص کے کچھ کام نہ آئے گا۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہنچتی ہے

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ مُوسٰىٓ إِمَامًا وَّرَحْمَةً

اسکو گواہی اس سے اور پہلے اس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی

أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ

وہی لوگ مانتے ہیں اس کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں

فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ

میں سو آگ ہے وعدہ اسکا۔ سو تو مت رہ شبہ میں اس سے۔ یہ تحقیق ہے تیرے

مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ

رب کی طرف سے پر بہت سے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ

ظالم ہی اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ روبرو آویں گے

عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا

اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا

عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ

اپنے رب پر سن لو پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر جو

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ

روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ

ہیں آخرت سے منکر وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

میں بھاگ کر اور نہیں ان کو اللہ کے سوا

اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ

حمایتی دونا ہے ان کو عذاب نہ سکتے تھے سننا

السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اور نہ تھے دیکھتے وہی ہیں جو ہار بیٹھے

اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھتے تھے آپ ہی

أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ

(لاجرم) کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب - البتہ جو لوگ یقین

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ

لائے اور کیں نیکیاں اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

ہیں جنت کے لوگ وہ اس میں رہا کریں - مثال دونوں فرقوں

كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ

کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا - کیا برابر ہے

مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

دونوں کا حال ؟ پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے

اہلِ دُنیا اور اہلِ آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے نتائج اُخروی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ ... الیٰ ... هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔

(ربط) گذشتہ آیت میں اہلِ دنیا کا بیان تھا اب ان آیات میں اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کا موازنہ اور مقابلہ ہے اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مثال بیان کی کہ کافر تو مثل اندھے اور گونگے کے ہیں اور اہلِ ایمان مثل بینا اور شنوا کے ہیں دونوں کے اقوال اور افعال میں اور دونوں کے حال اور مآل میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح سمجھو کہ اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت برابر نہیں ہو سکتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہو جو اس کو راہ حق دکھلاوے بینہ سے صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے جس پر چل کر آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جائے اس کا مصداق دین اسلام ہے جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث صحیح کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی عہد الست یعنی توحید اور اقرار ربوبیت پر قائم رہتا ہے اور ہوشیار ہونے کے بعد ماں باپ کے ساتھ مل جاتا ہے اور علاوہ ازیں اس روشن دلیل

کہ جس کے پیچھے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی آتا ہے یعنی قرآن آتا ہے جو اس دلیل عقلی و فطری کی صحت پر گواہی دے بینہ سے مراد دین حق ہے جو دلیل عقلی و فطری اور براہین قاطعہ سے ثابت ہے اور شاہد ربانی (گواہ) سے قرآن مجید مراد ہے یعنی قرآن کریم کا اعجاز اور اسکے بے مثال علوم و معارف، دین اسلام کی حقانیت کے گواہ ہیں پس کیا ایسا شخص جو دلیل عقلی اور دلیل نقلی پر قائم ہو یعنی ایسے صاف اور روشن راہ پر گامزن ہو جسکا صاف اور روشن ہونا دلیل وجدانی سے ثابت ہو اور پھر اسکے بعد دلیل ربانی یعنی وحی آسمانی بھی اسکی صحت کا شاہد اور گواہ ہو تو کیا ایسا شخص اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے کہ جس کی ہمت فقط حیات دنیا اور اس کی زینت پر مقصور ہو۔ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اور اس روشن دلیل کا ایک تتمہ قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے یعنی توریت ہے درآنحالیکہ وہ کتاب موسیٰ اپنے زمانہ میں اہل دین کی مقتدا اور پیشوا تھی تمام انبیاء بنی اسرائیل اسی کا اتباع کرتے تھے اسکے موافق حکم دیتے تھے اور درآنحالیکہ وہ کتاب موسیٰ اہل ایمان کے لیے سامان رحمت تھی کہ اسکے اتباع کی برکت سے رحمت نازل ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ توریت اپنے زمانہ میں امام اور رحمت تھی اور توریت کے بعد اب یہ کتاب یعنی یہ قرآن امام اور رحمت ہے اسکے اتباع اور اقتداء سے اللہ کی رحمت ملے گی۔ مقصود یہ ہے کہ دین اسلام ایک طریق مستقیم ہے جسکا مستقیم ہونا دلیل عقلی اور فطری سے ثابت ہے پھر اسکی صحت پر قرآن کریم شاہد ہے اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان کتاب توریت بھی اس کی شاہد ہے پس منجانب اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کے طریق مستقیم ہونے کا ایک شاہد تو قرآن کریم ہے اور دوسرا شاہد موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے۔ جس نے نزول قرآن کی خبر دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی اور آپ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی نزول قرآن اور نبی امی کے ظہور کی بشارت اس میں موجود ہے اور پھر توریت کے بعد زبور اور انجیل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی جس کو علماء بنی اسرائیل توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۷ ج ۹)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں شاہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے اس لیے کہ آپ کی صورت اور آپ کی سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ یہ دین حق ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شاہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مراد ہے۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

---

۱ اشارہ اس طرف ہے کہ اَفَمَنْ كَانَ کی خبر محذوف ہے جو یہ ہے۔

۲ قال ابو اسحاق الزجاج والمعنى ومن قبله كتاب موسى لان النبي صلى الله عليه وسلم موصوف فى كتاب موسى يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل اهـ

آپ کے اخلاق و عادات اور معجزات اور آپ کا چہرۂ انور سب اس بات کے شاہد اور گواہ ہیں کہ جو دین آپ لیکر آئے ہیں وہ بالکل سچا ہے اس لیے کہ یہ چہرۂ انور سچے کا چہرہ ہے جھوٹے کا چہرہ نہیں شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ گواہی پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس دین کا نور اور مزہ پاتا ہے اور قرآن کی حلاوت آتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ بینہ سے روشن دلیل اور صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے یا بالفاظ دیگر اس سے دین صحیح یعنی دین اسلام مراد ہے جس کی صحت دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہے اور اس کی صحت و صداقت پر دو شاہد عدل موجود ہیں ایک قرآن کریم دوسرے توریت و انجیل پس ایسے دین کے حسن و جمال میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ۔ سے وہ مومنین مخلصین مراد ہیں جو اس دین حق پر قائم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ دین اسلام ایک نور عقل اور نور فطرت اور نور بصیرت ہے عجیب قسم کا ایک نور ہے اور دو دلیلیں اس کے شاہد اور مؤید ہیں ایک نور قرآن اور ایک نور توراۃ اس طرح یہ دین نُورٌ عَلٰى نُورٍ کا مصداق بن گیا۔ دین اسلام کیا ہے ایک مجموعۂ انوار ہے تو کیا جو شخص ایسے منور اور روشن دین پر قائم ہو وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ میں گھرا ہوا ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو یعنی جو شخص دنیاوی لذات اور شہوات کا غلام بنا ہوا ہو اور سعادت اخرویہ سے محروم ہو وہ اہل نور اور اہل بصیرت کے مماثل اور مشابہ کہاں ہو سکتا ہے۔ دونوں میں بُعد المشرقین ہے ایسے ہی لوگ یعنی جو لوگ اصحاب بینہ ہیں مراد یہ ہے کہ جو لوگ عقل اور نقل اور نور برہانی اور نور یزدانی کے جامع ہیں اور توریت اور انجیل کے عالم اور فاضل ہیں اس قرآن پر یا اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور دو اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ یہ لوگ اصحاب بینہ ہیں اور عقل اور فطرت کے پیرو ہیں اور اہل بصیرت ہیں اس لیے حق کو قبول کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا یا اس نبی کے مرسل من اللہ ہونے کا انکار کرے تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے جو طرح طرح کے عذابوں سے بھرا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست اور مجوسی ہوں وغیرہ وغیرہ جب تک اس قرآن اور اس نبی کو نہ مانیں گے نجات نہیں پا سکتے سو اے مخاطب! تو اس قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ بلاشبہ یہ کتاب حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کسی کی بنائی ہوئی نہیں لیکن باوجود ان دلائل کے اکثر لوگ عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جس چیز کی صداقت دلائل قطعیہ سے واضح ہو چکی ہو اس کو نہ ماننا حماقت ہے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنا ہے۔

ظالموں کے حال اور مآل کا بیان

قال تعالیٰ ... اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ ظالموں اور افترا پردازوں کا حال اور مآل بیان فرماتے ہیں۔

عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

اپنے پاس سے پھر وہ تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی۔ کیا ہم لگادیں وہ تم کو۔ اور تم اس

كٰرِهُوْنَ ۝۲۸ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ

سے بیزار ہو۔ اور اے قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال، میری

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو۔

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۹

ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا

اور اے قوم! کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ

دھیان نہیں کرتے ہو۔ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ

اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ

خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ

بھلائی۔ اللہ بہتر جانے جو ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں

الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا

بے انصاف ہوں۔ بولے اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ إِنَّمَا

اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو، اگر تو سچا ہے۔ کہا لاوے گا

يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا

تو اس کو اللہ ہی، اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر اور نہ

يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ

کام کرے گی تم کو میری نصیحت جو میں چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں۔ اگر

اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾

اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بے راہ کرے۔ وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي

کیا کہتے ہیں؟ بنا لایا قرآن کو، تو کہہ اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾

اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو۔

قصۂ نوح علیہ السلام با قوم او

قال تعالیٰ: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ... الیٰ ... وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ۔

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ناممکن ہے جیسا کہ بینا اور نابینا اور شنوا اور بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے پس غور کرو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صدہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہو گئے یہ قصہ اگرچہ سورۂ یونس میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے

ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور
حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلت کا دارومدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع حق پر ہے جس غریب و
فقیر نے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ
موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہذا معلوم ہوا کہ اراذل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قادح
نہیں بلکہ یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول
کرنا تم پر حجت ہے یہ غرباء اور فقراء اگرچہ مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر
ہیں اور واقع میں یہ بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے
اس لئے تم کو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آرہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور
یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور تم کو دینا مجھے
ناگوار ہو۔ جزا اور اجرت کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اس نے مجھ سے
وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے
مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لئے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجت مند سب برابر ہیں
ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے
بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کھلا
بے غرض ہوگا۔ تم اور ہم دونوں بشر کے جنس سے ہیں اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں میری نظر صرف خدا پر ہے
مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی
کو دیکھ کر انہیں رذیل سمجھتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں انکو اپنے پاس سے نکال دوں تب
تم میرے پاس بیٹھو اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے
والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بناء پر ضعفاء مومنین اور غرباء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔
تحقیق یہ درویشان اہل اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن
انکے ایمان اور اعمال صالحہ سے انکی کرامت ظاہر ہوگی اور مومن کو دنیا و ما فیہا سے کہیں زیادہ دولت
ملے گی اور یہ دولت مند کافر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ولیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم
ہو کہ اپنے مال و دولت اور جاہ و منصب کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب
ہیں دل سے انکو حقیر و ذلیل اور زبان سے انکو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت
و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق ایمانی کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ
سے بغاوت اور قطع تعلق اور کفر کا نام ذلت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر ٭ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض و بالتقدیر تمہاری رعایت سے ان غرباء اور فقراء کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے بچا لے گا۔ غریب طالب حق کو دولتمند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جا سکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر خدانخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا پھر تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے۔ محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا اور ان فقراء مومنین کو ولایت و قرب کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اس قول کا اور بعض اقوال کا جواب دیا اور فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی بیشک میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسے تم عزت جانتے ہو یعنی مال و دولت کے خزانے اور میرے نہ ہونے کو خساست اور ذلت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک ہو میرے نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے میرے نزدیک عزت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا مفلس کو کاذب اور مال دار کو صادق سمجھتے ہو اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا نبی ہونا واجب سمجھتے ہو کیا یہ ممکن نہیں کہ بشر میں ملکوتی صفات اور معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ پتھر اور شجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات قدسیہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مومن ہیں تو ان کو بہتر بدلہ ملے گا جو تمام روئے زمین کی سلطنت اور اسکے خزانوں سے بہتر ہوگی بہرحال یہ لوگ ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے ہیں اس کے مطابق انکے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر اللہ تعالیٰ جانے اگر میں انکو نکال دوں تو بلا شبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بناء پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء کرام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لاجواب ہوگئے

تو وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم نے ہمارے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب
بحث تو چھوڑو، ہاں اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرایا کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے، اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اب آپ بحث کو چھوڑیے
اور عذاب لا دیجئے تو نوح علیہ السلام نے ان کو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔
باقی عذاب کا لانا وہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو اپنی مشیت کے مطابق لائے گا عذاب لائے گا جب اس
کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں
نے پوری کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے کہ جس پر میں تمہارے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سود مند
نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل ہی
میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے اور مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔
وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے مجھ کو بھیجا تم کو چاہیئے تھا کہ اس کے حکموں پر
چلتے مگر از راہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ
گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوح نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنا لیا ہے یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوح
آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری
ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے
قصہ کا تتمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ یہ قرآن
آپ خود بنا لاتے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوح کی کتاب اور صحیفے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس
سے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوح ذکر
فرمایا جہاں تک کے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے
تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی
قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف و معارف

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود ۔ نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

انبیاء کو اپنے ہمسر کے مدعی تھے اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ٭ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں پھر ان میں اور ان میں کیا فرق رہا۔

ایں ندانستند ایشاں از عمی ٭ ہست فرقے درمیاں بے منتہی

اندھے کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل ٭ لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل

دونوں قسم کے زنبور یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی جگہ سے پھولوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنک پیدا ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب ٭ زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو مینگنیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خوردند از یک آب خور ٭ آں یکے خالی و آں پُر از شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اور رس سے پُر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں ٭ فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس قسم کی سو ہزار نظیریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا ٭ واں خورد گردد ہمہ نور خدا

خدا کا نافرمان تو کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نور خدا یعنی معرفت اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد ٭ واں خورد زاید ہمہ نور احد

یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست ٭ آب تلخ و آب شیریں را صفاست

سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آب تلخ اور آب شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے جس کا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرام کو اپنے جیسا اور برابر سمجھا یہی ان

کہ یہ بے وقوفی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتۂ راہ کو کسی لق و دق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مان لوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اس کی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی ظاہری صورت و شکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ

اور حکم ہوا طرف نوحؑ کے اب ایمان نہیں لاوے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو تو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو کر رہے ہیں اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالموں کے واسطے یہ بے شک غرق ہوں گے اور وہ کشتی بناتا تھا اور جب گزرتے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو اب آگے جان لو گے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اس کو اور اترتا ہے اس پر عذاب

مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا

ہمیشہ کا یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم

احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

نے چڑھا لے اس میں ہر قسم سے جوڑا دوہرا اور اپنے گھر کے

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ

لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکی بات اور جو ایمان لایا اور ایمان لائے

مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖىهَا

تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے اور بولا سوار ہو اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا

وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ

بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان اور وہ لئے چلتی ہے

بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ

ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ

فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہو رہا تھا کنارے اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ

کہا میں جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچا لے گا مجھ کو پانی سے بولا

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے اور بیچ میں آ گئی

بھی دُعا اور التجا تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ لہٰذا نزولِ عذاب کے وقت بمقتضائے شفقت و رحمت کوئی دُعا و التجا نہ کریں کہ یہ پہلی دعا اور التجا کے خلاف ہو۔ ہماری بارگاہ سے ان ظالموں کی غرقابی کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی نہیں تھے اور کشتی بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے عرض کیا کہ اے خدا میں کس طرح کشتی بناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بتا دیں گے۔ پس بحکم خداوندی تیشہ لے کر لکڑی تراشنا شروع کی تو برابر ٹھیک ٹھیک چلی جاتی تھی، اور اس طرح وہ کشتی بناتے تھے اور ان کی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت جب ادھر کو گذرتی تو ان کے ساتھ تمسخر کرتی، اور یہ کہتی کہ اے نوحؑ پہلے تو تم پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشک بیابان میں کشتی تیار کر رہے ہو۔ اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے۔ تم مجنون ہو گئے ہو جو بغیر خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا۔ بلا ضرورت کس لیے کشتی بناتے ہو جہاں دور دور پانی کا نام و نشان نہ ہو وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے۔ ابن عطیہؒ کہتے ہیں اس سے پہلے قوم نے کشتی دیکھی بھی نہ تھی اور نہ اس کے استعمال کے طریقے سے واقف تھے اس لیے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اے نوحؑ تم اس کو کیا کرو گے۔ نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو وہ ہنستے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جا رہی ہے کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی اور نوح علیہ السلام اس بات پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں موت ان کے سر پر کھڑی ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ کس طرح زمین سے پانی اُبل پڑے گا اور یہی خشکی تری بن جائے گی اور ان کو غرق کر ڈالے گی۔ سو عنقریب جان لو گے کہ وہ کون ہے کہ جس پر دنیا میں ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کرے گا۔ یعنی غرق ہو گا جسے دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں اس پر ایک دائمی عذاب نازل ہو گا۔ جو کبھی اس سے دور نہ ہو گا۔ غرض یہ کہ اسی طرح سوال و جواب اور تمسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آ پہنچا اور اس کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا۔ یعنی اس میں سے پانی اُبلنے لگا جو مقدمۂ طوفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتا دی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی پھوٹنے لگے تو تم اہل ایمان کو لے کر کشتی پر سوار ہو جانا کذا قال الحسن و قالہ مجاہد و عطیۃ عن ابن عباسؓ۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳ ج ۹)

ابن جریرؒ اور دیگر محققین کا قول یہی ہے کہ تنور سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے جس سے خلاف عادت پانی ابلنے لگا اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تنور سے سطح زمین مراد ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ تنور سے ظاہری معنی مراد ہیں اس لیے کہ تنور کے یہی معنی حقیقی اور معروف و متبادر ہیں۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور جب لفظ حقیقت اور مجاز کے درمیان دائر ہو تو بالاجماع اس کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا کہ جب تنور سے پانی

کیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر غرق ہونے سے بچ جاؤں گا۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دے یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں جو بچاؤ ہو یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسباب عادیہ ظاہرہ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے وہ بے حکم خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے اللہ کی تقدیر کا حکم جاری ہو چکا ہے کہ اس عذاب سے بچنے کا کوئی نہیں۔

غرض یہ کہ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کا زور ہوا کی طرف بھی بڑھ گیا اور ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور اس طرح انکی گفتگو ختم ہوئی۔ بس ہو گیا وہ بیٹا غرق ہونے والوں میں سے اور کافروں کے ساتھ یہ بھی غرق ہوا۔

جمہور علماء اسلام اور اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ طوفان عام تھا تمام جہان پر آیا اور اسکے بعد دنیا میں صرف نوح علیہ السلام کی نسل جاری ہوئی اسکی دلیل قرآن کا ارشاد ہے۔

۱۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ۔ یعنی طوفان نوح کے بعد ہم نے صرف نوح کی اولاد کو باقی رکھا اور باقی سب کو غرق کر دیا۔ وہ جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے صرف انہوں نے نجات پائی اور آئندہ کو جو نسل چلی وہ نوح علیہ السلام کی اولاد سے چلی اسی وجہ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں۔

۲۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ طوفان تمام روئے زمین کے لیے تھا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طوفان صرف نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا۔ کیونکہ انکی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے یہ طوفان اسی خطہ تک محدود تھا جہاں ان کی قوم آباد تھی۔ عام نہ تھا۔ بعض شہر اس طوفان سے بچ گئے تھے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں آیا جس سے از سر نو دنیا کی آبادی کی ابتداء ہوئی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوح کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل قول کا اعتبار نہیں۔ دور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر جس وقت انکی قوم اور ان کی امت ہلاک ہو گئی۔ اہل زمین اور اہل جہان کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہان اور ساری دنیا تھی وہ موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی انکی امت تھی۔ اسی طرح تمام اہل زمین حضرت نوح کی قوم تھی مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا غرض یہ کہ تمام روئے زمین کی چیزیں غرق ہو گئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں انکے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سر نو آباد ہوئی۔ آج کل کے مورخین تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اتنی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا ہے اہل علم ان کو

درمیان میں یہاں تک اس طوفان کی آمد کا بیان تھا۔ اب اس کے خاتمہ کا بیان ہے کہ کفار نابکار غرق ہوگئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے جیسا کہ فرماتے ہیں اور جب اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۔ یہ سب غرق ہوگئے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی باقی نہ رہا — تو خداوند قدوس کی طرف سے زمین کو حکم دیا گیا کہ اے زمین تو اپنا پانی نگل جا اور آسمان کو یہ حکم دیا گیا کہ اے آسمان تو پانی برسانے سے رک جا بھلا کیا مجال تھی کہ آسمان اور زمین اس کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ زمین نے اپنا تمام پانی چوس لیا اور آسمان نے پانی برسانا بند کر دیا اور پانی کم کر دیا گیا۔ یعنی کہ خشک کر دیا گیا۔ اور قوم نوح کا قصہ تمام ہوا۔ اور جو کافر اور منکر تھے ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا۔ اور اہل ایمان نے نجات پائی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ جو موصل کے قریب واقع ہے اور یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ نوح علیہ السلام نے اللہ کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور کفار نابکار کو ان کو آخر غرق کیا اور منادی کر دی گئی کہ رحمت اور بخشش سے دوری ہو ظالم قوم کے لیے جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ بے انصافی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست و نابود کیا اور اپنی رحمت سے دور کیا۔

علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت عجیب اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے جن کو اہل علم اور اہل فن ہی ان اسرار و لطائف کو سمجھ سکتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے بیان سے صرف نظر کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوینده بود چوں حافظ و چوں اصمعی
در کلام ایزد بیچوں کہ وحی منزل است
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي
اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب! میرا بیٹا ہے
مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ
میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تیرا
أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ
حکم سب سے بہتر۔ فرمایا اے نوح! وہ نہیں تیرے گھر والوں میں

إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

اس کے کام ہیں ناکارہ، سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو

عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَ

معلوم نہیں، میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جاوے تو جاہلوں میں، بولا اے

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ

رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو

عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾

مجھ کو، اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں۔

دعائے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے نجات پسر خود و جواب باری تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ ..... الیٰ ..... أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

اور نوح علیہ السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے حسرت و لجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارا کہ شاید اس کی شانِ ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے پس عرض کیا کہ اے میرے رب تحقیق یہ میرا بیٹا جو بلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل و عیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلا شبہ تیرا وعدہ حق اور سچا ہے پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لیجئے اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں، آپ کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا اے نوح بیشک تیرا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے نہیں ہے جن کے بچانے کا ہم نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناخلف ہے اور سراپا ناکارہ ہے یعنی کافر ہے اور إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ۔ میں داخل ہے اور بجائے صلاح اور رشد کے فساد اور بدی کا ذریعہ ہے اور قرابت دینی ہے نہ کہ قرابت نسبی ہے اور ہم نے شروع ہی میں تم سے یہ کہہ دیا تھا کہ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۔ وہ اشارہ اسی کی طرف تھا، مگر تم کو کچھ خیال اور وہم تھا لیکن مقتضائے شفقت پدری تم کو اس کے عموم سے ذہول اور نسیان ہو گیا ہے تو جوش محبت میں یہ سوال کر بیٹھے پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو، تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا ایسی دعا مانگنی نادانی کی بات

ہے اللہ کی مرضی اور منشا کو دیکھ کر سوال کرنا چاہیے۔ نوح علیہ السلام نے بر بنائے نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا
کہ میرا بیٹا بچ سکے۔ یہی سبب ہے ان کے دعا فرمانے کا۔ اللہ تعالیٰ نے مطلع کر دیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں
نبی کے اصلی اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لا کر ان کی پیروی کی۔ اس بارگاہ میں جسمانی نسب کا اعتبار نہیں
بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔

امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کافر ہونے کی خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی
تو وہ یہ سوال نہ کرتے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ پسر نوحؑ کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔

(قول اول) وہ منافق تھا مگر نوح علیہ السلام کو اس کے نفاق کا علم نہ تھا۔ ظاہر کا اعتبار ہے اسکو مومن سمجھ کر
کافروں کے غرق کا معاملہ تو تھا ہی اور ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو جاؤ۔ یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا
تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ کا یہ مطلب ہے کہ جب تو کافر نہیں تو پھر ان کے ساتھ کیوں ہے۔ (تفسیر
کبیر صفحہ۔ جلد ۵) اسی قول کو امام قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۴۶ جلد ۹)

(قول دوم) نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ بیٹا کافر تھا مگر غرق ہونے سے پہلے اسکو یہ امید تھی
کہ شاید ہولناک نشانات کو دیکھ کر جو ہر شخص میں آ جاتے اور ایمان لے آتے اور حق جل شانہ سے اس عرض و معروض
رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ الخ کا منشا یہی ہو کہ اے پروردگار یہ میرا بیٹا اگرچہ اب ایمان کے حقوق
ثبوت نہیں لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ اسکو مومن کر سکتے ہیں تاکہ وہ بھی اس وعدہ حفاظت کا مورد اور مستحق بن سکے
اور نجات پا جائے۔ (تفسیر کبیر صفحہ۔ جلد ۵)

(قول سوم) شفقت پدری نے اس سوال اور استدعا پر آمادہ کیا ہو۔ اور یہ گمان کیا ہو کہ اللہ نے میرے گھر
والوں کے بچانے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں ظاہر میرا بیٹا داخل ہے اور اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ
کا استثناء مجمل اور مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹا اس میں داخل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر صفحہ
جلد ۵)

بہرحال نوح علیہ السلام کا یہ سوال شفقت پدری کی بنا پر تھا اور دعا کرتے وقت بیٹے کے کفر کا علم

ــه قال الامام القرطبی قوله ولا تكن مع الكافرين اى [illegible]
لانه كان عنده مؤمنا فى ظنه ولم يك نوح يقول لربه ان ابنى من اهلى
الا وذلك عنده كذلك اذ محال ان يسأل هلاك الكفار ثم يسأل فى انجاء بعضهم
وكان ابنه يسر الكفر ويظهر الايمان فاخبر الله تعالى نوحا بما هو
منفرد به من علم الغيوب اى علمت من حال ابنك ما لم تعلمه انت وقال الحسن
كان منافقا ولذلك استحل نوح ان ينادیه۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۴۶ جلد ۹)

حال معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالٰی نے بتلا دیا کہ وہ وَ مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ میں داخل ہے اور نصیحت فرما دی کہ مقربین کی شان شایان نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب نا آشناؤں جیسے بے ادب جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔

موسیا آداب دانان دیگر اند
سوختہ جانان روانان دیگر اند

نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار تحقیق میں تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔ نوح علیہ السلام کو یہ ڈر ہوا کہ لاعلمی میں ایسی بات کا سوال نہ کر بیٹھوں کہ جو تقدیر ازلی اور علم الٰہی اور منشاء خداوندی کے خلاف ہو اس لیے توبہ و استغفار کی۔ اور اے پروردگار اگر تو نے مجھے یہ ترک ادب نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ٹوٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا یہ خیال نہ ہوا تھا کہ لاعلمی میں جو درخواست کر گزرے تھے۔ جس پر عتاب آیا تو کانپ اٹھے اور گڑگڑانے لگے اور توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ مقربان را بیش بود حیرانی۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ

حکم ہوا اے نوح اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر

عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ

اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ والوں میں ہیں اور کتنے فرقوں کو فائدہ دیں گے ہم پھر پہنچے گا ان کو

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ

ہماری طرف سے دکھ کی مار۔ یہ بعض خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے

اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ

ہیں تیری طرف۔ ان کو جانتا نہ تھا تو اور نہ تیری قوم اس سے

قَبْلِ هٰذَا ۛ ؕ فَاصْبِرْ ۛ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

پہلے۔ سو تو صبر کر البتہ آخر بھلا ہے

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

ڈر والوں کا۔

خاتمۂ قصہ مشتمل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بر وحی نبوت

قال اللہ تعالیٰ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۔

(ارتباط) جب کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی اور پانی بھی اتر گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اے نوح اب کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلام اور سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور ان لوگوں پر نازل ہوں گی جو تیرے ہمراہیوں سے پیدا ہوں گے یعنی تیرے ہمراہیوں کی مسلمان اولاد پر بھی ہماری سلامتی اور برکتیں نازل ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہمراہیوں کی مسلمان نسل کو بھی اسی سلامتی اور برکت میں سے حصہ ملے گا۔ اور ان کی نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں چند روزہ بہرہ مند کریں گے یعنی موت کے وقت تک دنیا میں ان کو رہائیں بسائیں گے۔ پھر آخرت میں ان کو ہماری طرف سے دوزخ کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ تو أُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ سے کافر امتیں مراد ہیں کہ ان کو دنیا میں عیش و آرام دیں گے اور پھر آخرت میں کفر اور شرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑے جائیں گے اور آخرت میں صرف ایمان اور عمل صالح نفع دے گا نسب کام نہ دے گا جیسا کہ کنعان کو بغیر ایمان اور عمل صالح کے نسب سے کوئی نفع نہ ہوا غرض یہ کہ اول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

یہاں تک نوح علیہ السلام کا قصہ تمام ہوا اب اس قصہ کو ختم کر کے اس کے دو فائدے بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک امی کی زبان سے امم سابقہ کے ایسے مفصل اور صحیح واقعات کا بیان آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ دوم یہ کہ اس کی تسلی مقصود ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپ کا اور آپ کے رفقاء کا انجام بہتر ہوگا۔

یہ قصہ نوح منجملہ غیب کی خبروں کی ایک خبر ہے جس کو ہم بذریعہ وحی کے آپ پر نازل کرتے ہیں اس قصہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ اور کسی مخبر کی بذریعہ وحی اطلاع دینا یہ دلیل نبوت ہے۔ اور اگر اس واضح دلیل کے بعد بھی آپ کو نبی نہ مانیں تو آپ ان کی ایذاء اور تکلیف وہ باتوں پر صبر کیجئے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نیک انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو صبر کی برکت سے نیک انجام نصیب ہوا اسی طرح آپ بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ آپ کا اور آپ کے رفقاء کا انجام بھی بہتر ہوگا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا ان کا بھائی ہود۔ بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

کوئی تمہارا حاکم نہیں اس کے سوا۔ تم سب جھوٹ کہتے ہو۔

يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى

اے قوم! میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری، میری مزدوری اسی پر ہے

الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا

جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ اور اے قوم! گناہ بخشواؤ اپنے

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا

رب سے، پھر رجوع کرو اس کی طرف، چھوڑ دے تم پر آسمان کی دھاریں

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾

اور زیادہ دے تم کو زور پر زور، اور روگردانی نہ کرو گنہگار ہو کر۔

قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي

بولے اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے

آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن

اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہنے سے، اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے۔ ہم تو

نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي

یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھاکر نے بری طرح۔ بولا میں

أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔

مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾

اس کے سوا، سو برائی کرو میرے حق میں سب مل کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ

میں نے بھروسا کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنے

إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ

والا۔ مگر اسکے ہاتھ میں ہے چوٹی اسکی۔ بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ

مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ

پر۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو میں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا

بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ

تھا تم کو اور قائم مقام تمہارے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اسکا

شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ

کچھ۔ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان۔ اور جب پہنچا

أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ

ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر

مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ

سے اور بچا دیا انکو ایک گاڑھی مار سے۔ اور یہ تھے عاد

جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ

منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانے اسکے رسول اور مانا حکم

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

اُن کا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے ملی ان کو اس دنیا میں پھٹکار

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا

اور قیامت کے دن سن لو! عاد منکر ہوئے اپنے رب سے، سن لو پھٹکار

اسی پر بھروسہ کرتا ہے اسکو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ پس اگر اس بیان واضح کے بعد بھی تم صراط مستقیم سے روگردانی
کرو تو تمہارا ہی نقصان ہے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ضرر نہیں کیونکہ تحقیق میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا ہے جو دیکر
تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں بری الذمہ ہو گیا اور تم پر حجت پوری ہو گئی اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ
تمکو ہلاک کر دے گا اور تمہارا قصہ ختم کر دے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا جو
تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے۔ اور تم اس کفر اور اعراض سے خدا کا کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے اپنا
ہی کچھ بگاڑو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ہر چیز اسکے حفظ اور علم میں ہے جو کسی کے اتنی
چھوٹی بھی اسکو پہنچتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے
کہ حفاظت اللہ کا کام ہے اور یہ بت تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اسی اصرار اور عناد پر اڑے رہے
اس انتظار میں تھے کہ اب عذاب کا وقت آ پہنچا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں اور جب ہمارا حکم عذاب آ پہنچا تو ہم نے
ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے باد صرصر کے عذاب سے بچا لیا اور یہ نجات
دینا محض ہماری رحمت اور مہربانی کے سبب سے تھا اور وہ ایمان جو اس نجات کا ظاہری سبب بنا وہ
بھی ہماری توفیق اور عنایت سے تھا لہذا کسی کو اپنے نیک عمل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے اور ہم نے انکو سخت
عذاب یعنی آندھی سے بچا لیا۔ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات متواتر آندھی چلی جس نے انکے اعضا
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہود علیہ السلام کے ساتھی جو چار ہزار تک پہنچے تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

تاکہ لوگوں کو معلوم ہو [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اور انکی تمیز برابر کی۔

یہاں تک قوم عاد کا قصہ بیان ہوا۔ اب آگے اہل عرب کو خطاب کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور یہ
قوم جس پر عذاب نازل ہوا قوم عاد تھی۔ اور یہ انکے اجڑے ہوئے مکان اور انکی تباہی اور بربادی کے نشانات
دیکھو تمہارے سامنے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور
ہر سرکش اور عناد کرنے والے کے حکم کی پیروی کی خدا کے رسولوں کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھا اور
ظالموں اور سرکشوں کی پیروی کو اپنے لیے عزت جانا۔ ان لوگوں نے اگرچہ حضرت ہود علیہ السلام کا انکار کیا
مگر وہ درحقیقت تمام رسولوں کا انکار تھا کیونکہ تمام رسول رسالت میں باہم یکساں ہیں۔ اور توحید وغیرہ اور
اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اسلیے ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔
اور ان کے ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت
انکے پیچھے ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں لعنت کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ پس اے اہل عرب۔ تم ان
کے حال سے عبرت پکڑو۔ خبردار ہو جاؤ کہ قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ پھٹکار ہے قوم عاد کو جو
ہود کی قوم تھی۔ عاد دو قوموں کا نام ہے (اول) وہ کہ جن کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بت
پرست تھے اور نہایت قوی اور مہیب قد و قامت کے مغرور آدمی تھے۔ اسی قوم کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔

دوم: وہ عاد جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور شداد، مردود و مطرود۔ اور لقمان مقرب و مقبول وغیرہ اسی قوم میں گئے تھے اس قوم کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ قصہ عاد اولیٰ کا تھا۔ اب آئندہ رکوع میں عاد ثانیہ کا بیان کرتے ہیں۔

[illegible]

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ
اور ثمود کی طرف بھیجا انکا بھائی صالح۔ بولا اے قوم!

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ
بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اسکے سوا۔ اسی نے

أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ
بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو بخشواؤ اس سے

ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَٰصَٰلِحُ
اور اسکی طرف آؤ۔ تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنیوالا۔ بولے اے صالح!

قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ
تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے، تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں

مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا
جنکو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہمکو تو شبہ ہے اسمیں جس طرف تو بلاتا

إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ
ہے ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا۔ بولا اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي
گئی اپنے رب سے اور اس نے مجھ کو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد

مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ

کرے اللہ کے سامنے اگر اسکی بے حکمی کروں۔ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا۔ سوائے

تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا

نقصان۔ اور اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی۔ سو چھوڑ دو اس

تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

کو، کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھیڑو اسکو بری طرح تو پکڑے گا تم

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ

کو عذاب نزدیک کا۔ پھر اسکے پاؤں کاٹے، تب کہا، برت لو اپنے گھروں میں

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا

تین دن۔ یہ وعدہ ہے، جھوٹا نہ ہو گا۔ پھر جب

جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

پہنچا حکم ہمارا، بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو یقین لائے اسکے ساتھ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اپنی مہر کر کر۔ اور اس دن کی رسوائی سے۔ تحقیق تیرا رب وہی ہے

الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

زور آور زبردست۔ اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی رہتے نہ تھے

فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

ان میں۔ سن لو! ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے۔ سن لو! پھٹکار ہے ثمود کو۔

جمعرات، اور جمعہ اور گزار دو۔ اسکے بعد ہفتہ کے روز تم پر عذاب آئیگا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں۔ تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن انکے چہرے زرد ہوگئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا۔ پس جب وہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے انکو عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔ بیشک تیرا پروردگار وہی قوی اور غالب ہے۔ وہ دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے انکو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

"تین دن کے بعد جبرئیل نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ جس سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل سر کے بل مرے پڑے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا نتیجہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک و برباد ہوئی کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا

اور آ چکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا

وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب

رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ

دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں ان سے

خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾

ڈرا۔ وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ

اور اسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اسکو اسحق کی اور

مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ

اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی۔ بولی اے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی؟

وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ

اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا یہ تو ایک عجیب چیز

عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

ہے۔ وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی مہر ہے

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

اور برکتیں تم پر اے گھر والو! وہ ہے سراہا بڑائیوں والا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں۔ البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل

مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ يٰٓـاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

تھا رجوع رہنے والا۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال۔ وہ تو آ چکا

جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾

حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا۔

قصۂ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحٰق علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ... الیٰ ... عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ

ربط: اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا

ہے نہ بیٹا اور نہ ہو گا۔ غالباً آپ نے اس کو مذاق سمجھ کر تعجب سے ہنس پڑیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہؓ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سن کر حضرت سارہؓ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہؓ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جو اسحٰق نام کے ساتھ موسوم ہو گا اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کا نام اسحٰق ہے پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہو گا جس کا نام یعقوب ہے مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ بشارت اس طرف تھی کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہو گا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہؓ بولیں ہائے میری کمبختی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر نوے سال کی ہے اور میرا خاوند بھی بہت بوڑھا ہے جن کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے حضرت سارہؓ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہؓ کو تمنا تھی کہ مجھ کو بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہو گئیں اور اسی برس ہو گئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے سننے اور سمجھنے میں نہیں آتی۔ فرشتوں نے حضرت سارہؓ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے خدا کی قدرت کے لیے کسی آلہ کی اور اسکے فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے بچہ پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے آگے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے اے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات و کرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب کل تعجب ہے تمہارے حق میں یہ بشارت قابل تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے بیشک اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہے اور بزرگی والا ہے اسکے جود و کرم سے کوئی شے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے شکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطائف و معارف

۱۔ بعض علماء نے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۔ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل ذبیح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہ رجل بھی اسکے اہل بیت میں سے ہے اس لیے کہ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ یہ خطاب حضرت سارہؓ کو ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلۂ کلام۔ شان نزول کریمہ یعنی ازواج مطہرات کے بارے میں چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتضائے شفقت دیگر اہل بیت کو بھی کمبل اوڑھا کر اس دعا میں شامل فرمایا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع مذکر کا صیغہ رحمة الله وبركاته عليكم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں بھی خطاب جمع مذکر کے صیغے جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیے گئے۔

۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو اس طرف سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث شروع کر دی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیم کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوطؑ بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کر سکتے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے ان کی بیوی کے انکو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیں گے۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیم بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطاکاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ کی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث ہی۔ خدا ترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ لیکن آخر کار ملائکہ نے انکو حکم قضا و قدر سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ اے ابراہیم آپ اس بحث کو چھوڑ دیجیے یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آ پہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ان سے ہٹایا نہیں جا سکیگا حضرت ابراہیمؑ نے اپنی فطری رحم دلی کی بنا پر عذاب کی تاخیر کے بارے میں جو اصرار اور الحاح فرمایا اسکو حق تعالٰی نے بطور مبالغہ لفظ یجادلنا سے تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ اس خیال کو دل سے نکال دیجیے۔ انکے جرم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا

البتہ جو اہل ایمان ہیں تو اُن کو علیحدہ کر دیا جائیگا اسکے بعد عذاب نازل ہوگا تاکہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے ۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
اور جب پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس ، غمگین ہوا ان کے آنے سے اور تنگ
ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ
ہوا جی میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے ۔ اور آئی اس پاس قوم اسکی
يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
دوڑتی بے اختیار ۔ اور آگے سے کر رہے تھے برے کام ۔
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا
بولا اے قوم ! یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تمکو ان سے ۔ سو ڈرو
اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں
رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ
نیک راہ ۔ بولے تو تو جان چکا ہے ، ہم کو تیری بیٹیوں سے دعویٰ
حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ
نہیں ۔ اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں کہنے لگا کہیں مجھ کو تمہارے مقابلے
قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا
زور ہوتا ، یا جا بیٹھتا کسی مستحکم آسرے میں ۔ (مہمان) بولے اے لوط ! ہم
رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ
بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک ، سو لے نکل اپنے

مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ

گھر والوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر تیری عورت - بیشک

إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ

اس کو پہنچنا ہے جو ان کو پہنچے گا ان کے وعدے کا وقت ہے صبح

أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا

کیا صبح نہیں نزدیک - پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہم

عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ

نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائے اس پر پتھر کھنگر کے -

مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ

تہ بتہ - نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی

الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

ان ظالموں سے کچھ دور -

قصۂ لوط علیہ السلام و قوم او کہ تتمۂ قصۂ سابقہ است

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ ... الیٰ ... وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ

ربط: اوپر قصۂ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ختم ہوا اب ان کے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ یہ بستی حمص کے قریب تھی اور اس کے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جن کی کل آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ پہلے قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل

فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبرئیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبرئیل علیہ السلام باہر آئے اور سب کے اور انکے منہ پر اپنا پر مارا جس سے انکی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط کے مہمان جادوگر ہیں۔ بعد ازاں جبرئیل نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لیکر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اسے ساتھ نہ لیجانا وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچنے کا جو ان لوگوں کو پہنچنے والا ہے یہ حال سن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق انکے عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبرئیل نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔ رات پچھلی یا اخیر اس لئے کی گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اور اہل ایمان کے ساتھ بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب نیچے کر دیا اور نیچلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جڑ سے اکھیڑ کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھا لیا۔ اور آسمان کی طرف اونچا لے گئے اور وہاں جاکر انہیں الٹ دیا۔ اوپر کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دیا

غرض یہ کہ جبرئیل امین جنکی صفت قرآن میں شدید القویٰ آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر انکو اوپر سے نیچے پٹک دیا پھر ان پر کھنگر یعنی جھاواں کے پتھر برسائے (جھاواں وہ اینٹ کو کہتے ہیں جو جل جل کر آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک مسلسل گر رہے تھے یعنی پے در پے برس رہے تھے وہ پتھر ایسے تھے کہ تیرے رب کے یہاں سے نشان کئے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر ایک نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جدا اور ممتاز تھے (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۳ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۴ ج ۲ و تفسیر زاد المسیر ص ۱۳۶)

اہل مکہ کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں یہ لوگ ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو چاہیے کہ عبرت پکڑیں۔

۱؎ دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۱۵۷ ج ۴ و تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۹

تنبیہ یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب بولا اے قوم!

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا۔ اور

لَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَ

نہ گھٹاؤ ماپ اور تول میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ اور

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَا قَوْمِ

ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک گھیر لینے والے دن کی۔ اور اے

أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا

قوم! پورا کرو ماپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹا دو

النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾

لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی۔

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا

جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم یقین رکھتے اور میں

أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ

نہیں ہوں تم پر نگہبان۔ بولے اے شعیب! تیرے نماز پڑھنے

تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ

نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝۸۷

کرنا اپنے مالوں میں جو چاہیں۔ تو ہے بڑا باوقار نیک چلن۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

بولا اے قوم! دیکھو تو، اگر مجھ کو سوجھ پڑگئی اپنے رب کی

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَـنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ

طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے

اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا

آپ کروں، جو کام تم سے چھڑاؤں میں تو چاہتا ہوں سنوارنا جہاں تک ہو

اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

سکے۔ اور بن آتا ہے اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسا

وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۸۸ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ

کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ اور اے قوم! نہ کمائیو میری ضد کر کر یہ کہ پڑے

يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر یا قوم ہود پر

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝۸۹ وَ

یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں۔ اور

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ

گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اسی کی طرف رجوع لاؤ۔ البتہ میرا رب مہربان

وَّدُوْدٌ ۝۹۰ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

ہے محبت والا۔ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے

وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ

اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے۔ اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو

وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ

ہم پتھراؤ کرتے اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں۔ بولا اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ

عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ

تم پر زیادہ ہے اللہ سے۔ اور اس کو ڈال رکھا ہے تم نے پیٹھ پیچھے قرار دیکر۔ تحقیق میرے

رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٩٢﴾ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ

رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو۔ اور اے قوم! کام کیے جاؤ اپنی جگہ

إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ

میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لو گے کس پر آتا ہے عذاب

يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ

کہ اس کو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا

تاکتا ہوں۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو یقین لائے

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے پھر

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا

صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی نہ بسے تھے

فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾

ان میں۔ سن لو! پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی ثمود کو۔

قصۂ شعیب علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا .. الیٰ .. أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ

(ربط) یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے ان کا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب علیہ السلام یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کیل اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئیگا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیبؑ کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ کہ خیر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اس کی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اول مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا آپ آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اول اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کمی کرو تم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تونگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اس کا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی

کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تو گھٹنے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے
تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے
قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت
ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم
انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ناپ میں پیمانہ کو اوپر تک بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو
اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل وانصاف
کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔
ایک ہی بات کو تین مرتبہ دھرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس
میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔
ناپ تول میں ہر حقدار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس
زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کرکے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس
میں خیر وبرکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا
نگہبان نہیں کہ زبردستی تمکو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم ۔ تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰ
اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جنکو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان
کے ذمہ تھا شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جنکو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات
بھر نماز پڑھتے (روح البیان ص۱۶۸ ج۴)

قوم مردود کا جواب

قوم کے سردار بولے اے شعیب ہم نے تمہارا وعظ سن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے
ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جنکو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی
ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ انکی قوم انکو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخر
ان سے یہ کہتی یا تم اپنے مالوں میں سے حسب منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک
اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں
کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا انکا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے
ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال وحرام

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہوں اور تم کو بت پرستی اور کم تول اور ناپ میں کمی کرنے سے منع کروں یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور محبت و شفقت اور علم و حکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور رزق حلال وطیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں تو مجھ پر تم بے وقوفوں کی محض تقلید پر اتباع کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اس کے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میرا کام یہی نصیحت ادا کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخالفت و معاندت

اس موعظت حسنہ یا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور کہتے میری قوم تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو دنیا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ ان کو تباہ ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ دیکھو لوگ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑ دو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ مغفرت کرنے والوں پر اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے والوں سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

وَعِجْتُ الْمُتَّقِينَ ۔

قوم کا جواب

قوم کے لوگ جب شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دلپذیر کے جواب سے لاجواب ہوگئے تو ازراہ جہالت و عداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تو تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں کہ ہم اگر تجھ کو کوئی برائی پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں یا یہ مطلب ہے کہ قوم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع ہے۔

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور بے وقوفوں کا یہی دستور ہے کہ آیات بینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدۂ خداوندی پر مطمئن تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے انکی دھمکیوں کے جواب میں کہا اے میری قوم افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت و رسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت و شوکت میرے رجم سے تمہارے لیے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو بھی اسکے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ خوب یاد رکھو کہ عنقریب تمکو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تمکو جزا دے گا۔ بعد ازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوگئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین

نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائیگا اور بالآخر نا امید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ عنقریب تم جان لوگے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آنے کو ہے جو اس کو ذلیل و خوار کر دے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے جس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈراتا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آگیا کہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آ پہنچا تو ہم نے فقط اپنی مہربانی سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا ایک سخت آواز نے آ پکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔ جبرئیل امین نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کام تمام ہو گئے۔ پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سمجھ لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح یعنی قوم ثمود ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ایسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نیچے کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور بد عملی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہوگی۔

فائدہ یہاں قوم شعیب کا صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور سورۂ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے، عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى

اور ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر اور واضح سند دے کر۔ فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ

اور اس کے سرداروں پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات

فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فرعون کی کچھ نیک چال رکھنی۔ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ وَأُتْبِعُوا

پھر پہنچا دیگا انکو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی

فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾

اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے، برا انعام ہے جو ملا۔

قصۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا ... الی ... بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ۔

ربط: اب یہ ساتواں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے جو قصص اس سورت کا آخری قصہ ہے۔ جس میں یہ بتلایا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں سلطنت اور مال و دولت اور قوت و شوکت کچھ کام نہیں آتی معرفت حق کے اتباع میں ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دیکر بھیجا یعنی معجزات ظاہرہ دیکر بھیجا جو حق کی حجت تھا۔ اور معجزہ ید بیضاء دیکر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس باوجود ان معجزات کا ظہور اور براہین باہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر خدا کا اتباع نہ کیا بلکہ حکم فرعون کے تابع اور پیرو بنے اور فرعون کا کام درست نہ تھا اور جس طرح فرعون دنیا میں ان گمراہوں کا پیشرو بنا اسی طرح وہ قیامت کے دن اپنی قوم کا پیشوا ہوگا۔ اور اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سو ان کو آگ میں لے جا اتارے گا جیسا کہ وہ دنیا میں ان کے آگے تھا اور بحر قلزم میں لے جا کر انکو غرق کیا اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے آگے آگے ہوگا اور برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے گئے یعنی آتش دوزخ جس پر ان کو لا اتارا وہ بہت برا گھاٹ ہے لوگ گھاٹ پر اس امید پر اترتے ہیں کہ وہاں پیاس اور دھوپ کی گرمی دور ہوگی اور آرام و آسائش ملے گی مگر یہاں معاملہ برعکس ہوگا کہ وہاں پانی سے کلیجہ اور دل جل جائیں گے اور پیاس زیادہ ہو جائے گی اور زبان حلق پر لٹک پڑے گی اور اس دنیا میں اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی جیسے مغرور متکبر پر ہر شخص دنیا میں لعنت کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے لگی ہوگی تمام اہل محشر ان پر لعنت کریں گے۔ یہ کتنا برا عطیہ ہے جو انکو عطا کیا گیا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ان کے گلے کا ہار بنا دی گئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ

یہ تھوڑے سے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو، کوئی ان

وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

میں قائم ہے اور کوئی کٹ گئیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

کچھ کام نہ آئے ان کو ٹھاکر جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ

چیز میں جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔ اور نہیں بڑھایا

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ

ان کے حق میں سوا ہلاک کرنا۔ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا

الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہے ہیں، بیشک اس کی پکڑ دکھ دیتی ہے۔

تذکیر عواقب دنیویہ امم ظالمہ برائے عبرت

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ... الیٰ ... اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔

ربط: یہاں تک اُمم ظالمہ کے عبرتناک قصص کا بیان ہوا جن میں کفار کے شبہات اور انبیاء کرام کے جوابات کا ذکر تھا اب ان واقعات کے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ دیکھ لو کفر و تکذیب کا انجام باعتبار دنیا کے بھی برا ہے اور باعتبار آخرت کے بھی برا ہے جن لوگوں نے انبیاء کا مقابلہ کیا وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں ان آیات میں کفر و تکذیب کے دنیوی نتائج بیان کئے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور آئندہ آیت جن میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ میں کفر و تکذیب کے عذاب اخروی کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق اور صداقت

کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے عجیب و غریب واقعات کا بلا تعلیم و تعلم بیان کرنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس قسم کا علم بدون وحی الٰہی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ ساتوں جو ہلاک اور تباہ شدہ قصے جو ہم نے اس سورت میں بیان کیے ہیں، امم سابقہ اور قرون ماضیہ کی بستیوں کے چند قصے ہیں جن کو ہم تم سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو سنادیں اور لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ سو بعض بستیاں تو اب بھی ان میں کی باقی اور برقرار ہیں۔ اور بعض اجڑ چکی ہیں اور ان بستیوں کو جو ہم نے عذاب نازل کر کے برباد کیا، سو ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ولیکن انہوں نے کفر کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کر کے مستوجب عذاب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کو بے قصور ہلاک کر دیا ہو بلکہ اول ان کو نصیحت کی۔ اور نافرمانی کے بعد بھی ان کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ ان کو مہلت دی۔ جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ اور کسی طرح اپنے کفر اور عناد سے باز نہ آئے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا۔ سو جب تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا تو ان کے معبودوں نے جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کو کچھ نفع نہیں پہنچایا۔ یعنی ان کے معبود ان سے ہمارے عذاب کو نہ ہٹا سکے۔ اور ان کے معبودوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں اضافہ نہ کیا۔ یعنی یہ معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنے۔ اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ ظالم بستیوں کو ظلم اور معصیت کے جرم میں پکڑتا ہے۔ بے شک تیرے پروردگار کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے۔ صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ

اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے

ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ

وہ دن ہے جس دن میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے

مَّشْهُودٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿١٠٤﴾

دیکھنے کا اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کی گنتی کے لیے

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ

جس دن وہ آوے گا نہ بولے گا کوئی جاندار مگر اس کے حکم سے سو ان میں

شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ

کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ سو وہ لوگ جو بدبخت ہیں، سو آگ میں ہیں۔ ان کو

فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝١٠٦ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ

وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا۔ رہا کریں اس میں جب تک رہے

السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ

آسمان اور زمین، مگر جو چاہے تیرا رب۔ بیشک

رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝١٠٧ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا

تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے۔ اور وہ جو نیک بخت ہیں

فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

سو جنت میں ہیں، رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان زمین

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝١٠٨ فَلَا تَكُ

مگر جو چاہے تیرا رب۔ بخشش ہے بے انتہا۔ سو تو نہ رہ دھوکے

فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا

میں ان چیزوں سے جنکو پوجتے ہیں یہ لوگ۔ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی

يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا

جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادے اس سے پہلے، اور ہم

لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ

دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ

غَيْرَ مَنقُوصٍ ۝١٠٩

بن گھٹایا۔

تذکیر عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ... الی ... وَإِنَّا
لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ

ربط: گزشتہ آیات میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام اور دنیاوی ذلت اور رسوائی کی یاد دہانی تھی۔ اب اس آیت میں کفر و تکذیب کے اخروی انجام کا بیان ہے دنیوی ذلت و ہلاکت کے ذکر سے موعظت اور نصیحت مقصود ہے عقلمند کو چاہئے کہ پہلے سے اپنے انجام کو سوچ لے قیامت کا دن اللہ کی عدالت کا دن ہے جس میں سعداء اور اشقیاء کی جزا اور فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن سعداء فائز المرام ہوں گے اور اشقیاء خائب و خاسر ہوں گے۔

جاننا چاہئے کہ ان آیات میں حق جل شانہ نے اہل محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ایک سعداء اور ایک اشقیاء اور چونکہ مقام تخویف ہے اس لیے اشقیاء کے ذکر کو سعداء کے ذکر پر مقدم فرمایا۔ اور یہاں ایک تیسری قسم اور بھی ہے جن کے ذکر سے حق جل شانہ نے سکوت فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی یا وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس نہ حسنات ہوں گی اور نہ سیئات ہوں گی جیسے مجانین اور اطفال و صبیان سو یہ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے زیر مشیت ہے۔ قیامت کے دن اللہ جو چاہے گا وہ ان کے درمیان حکم کرے گا چونکہ اس قسم کا حکم زیر مشیت خداوندی مستور ہے اس لیے آیت میں اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ دو قسم کے ذکر کرنے سے تیسری قسم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دو قسموں کا حکم بتلا دیا تیسری قسم کا حکم مخفی رکھا۔ تحقیق مذ کی یہ دردناک گرفت اور پکڑیں ان قصص اور واقعات میں جو ہم نے بیان کیے ہیں عظیم عبرت ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ دنیا میں حق تعالیٰ کی پکڑ اس قدر الیم اور شدید ہے تو عالم جزا میں اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا دن وہ دن ہوگا جس میں اول دنیا سے لیکر آخر دنیا تک تمام لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر ہوں گے۔ اس دن یہ ممکن نہیں کہ کوئی غائب ہو جائے اور حاضر نہ ہو۔ اس دن سب حاضر ہوں گے اور اس کی ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ آخر وہ دن کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں تاخیر کرتے۔ اس دن میں مگر ایک شمار کی ہوئی مدت کے گزر جانے کے لیے جس کا علم سوائے ہمارے کسی کو نہیں۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کی مدت بظاہر اگرچہ طویل ہے مگر آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قلیل ہے اس لیے کہ دنیا کی مدت محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی مدت غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور محدود اور متناہی غیر محدود اور غیر متناہی کے مقابلہ میں بلاشبہ قلیل ہے جب وہ قیامت کا دن آپہنچے گا تو بغیر اجازت

کے استثناء سے شبہ ہوتا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے علماء کرام نے اس کے متعلق جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول یہ ہے کہ مَا بمعنی مَنْ ہے جیسے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اسی جگہ لفظ مَا بمعنی مَنْ ہے اور یہ استثناء باعتبار عُصاۃ موحدین یعنی گنہگار مسلمانوں کے اعتبار سے ہے یعنی دوزخ میں رہیں گے مگر جن کو خدا چاہے یعنی گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے بعد خدا تعالیٰ انبیاء کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ اور پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائیگا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہ جواب حبر امت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ وغیرہ سے منقول ہے (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۱۶۰ ج ۴) اور امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک یہی مختار ہے کہ یہ استثناء گنہگار مسلمانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے قطعاً یہ ثابت ہے کہ اہل توحید ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اگرچہ عاصی ہوں۔

یا یوں کہو کہ اشقیاء کی دو قسمیں ہیں ایک کافر اور دوسرے گنہگار مسلمان تو ایسے دونوں قسمیں شقی ہیں اور ابتداءً دونوں ہی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا مگر چند روز کے بعد گنہگار مسلمانوں کو جو من وجہ سعید اور من وجہ شقی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے یا کسی شفاعت سے جہنم سے نکالے جائیں گے اور پہلے قسم کے شقی یعنی کافر ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ ج ۲)

لہ اصل عبارت یہ ہے۔ قد اختلف المفسرون في المراد من هذا الاستثناء على اقوال كثيرة حكاها الشيخ ابو الفرج ابن الجوزي في كتابه زاد المسير وغيره من علماء التفسير ونقل كثيرا منها الامام ابو جعفر بن جرير رحمه الله في كتابه واختار هو ما نقله عن خالد بن معدان والضحاك وقتادة وابن سنان ورواه ابن ابي حاتم عن ابن عباس والحسن ايضا ان الاستثناء عائد على العصاة من اهل التوحيد ممن يخرجهم الله من النار بشفاعة الشافعين من الملائكة والنبيين والمؤمنين حتى يشفعون في اصحاب الكبائر ثم تاتي رحمة ارحم الراحمين فتخرج من النار من لم يعمل خيرا قط وقال يوما من الدهر لا اله الا الله كما وردت بذلك الاخبار الصحيحة المستفيضة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بمضمون ذلك من حديث انس وجابر وابي سعيد وابي هريرة وغيرهم من الصحابة رضي الله عنهم ولا يبقى بعد ذلك في النار الا من وجب عليه الخلود فيها ولا محيد له عنها وهذا عليه كثير من العلماء قديما وحديثا في تفسير هذه الآية الكريمة۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ جلد ۲)

اور رہ گئے وہ لوگ کہ جو سعید اور نیک بخت ہیں۔ سو وہ جنت میں ہوں گے اور ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے
جب تک آسمان و زمین قائم رہیں ہاں مگر جو تیرا پروردگار چاہے سو اس کی مشیت کا علم اسی کو ہے مگر اہل
جنت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ جنتیوں کو جنت میں اپنا عطاء غیر مجذوذ دینا ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ
جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگا یہ آیت سعداء اور اہل جنت کے متعلق ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔ سے اپنی مشیت کو بیان کیا اور اس آیت یعنی عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ میں یہ بتلایا کہ جنتیوں
کا جنت میں رہنا اللہ کی عطاء ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گی گزشتہ آیت اشقیاء کے
متعلق تھی۔ اور یہ آیت سعداء کے متعلق ہے اور دونوں جگہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا استثناء مذکور ہے اور
اہل جنت کے بارے میں جو استثناء مذکور ہے وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع
ہو جائیگا کیونکہ اس استثناء کے بعد خود اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے بقاء اور دوام کی تصریح فرمادی
ہے چنانچہ صراحۃً فرمادیا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ یعنی یہ احسان و نعمت کا کبھی انقطاع نہ ہوگا معلوم ہوا کہ اِلَّا مَا شَآءَ
رَبُّكَ ۔ کے استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ سعداء اور اشقیاء کا ثواب اور عذاب ابدی نہیں بلکہ یہ استثناء
محض اظہار قدرت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چاہے کرے جنت اور جہنم میں
کسی کا قیام اور خلود اور دوام بذات خود کوئی امر واجب نہیں بلکہ مشیت الٰہی کے سپرد ہے اشقیاء کے
بارے میں استثناء کو ذکر کر کے صرف اپنی مشیت کو بتلادیا کہ معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے مگر
صراحۃً اپنی مشیت کو بیان نہیں فرمایا ابہام کیا ہے اور محض اپنی مشیت سے آگاہ نہیں فرمایا کہ تیرا رب نے
کیا ارادہ ہے اور وہ انکے حق میں کیا چاہتا ہے مگر سعداء کے حق میں قول اظہار قدرت کے لیے اپنے
اپنی مشیت کا ذکر فرمایا یعنی اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ فرمایا بعد ازاں اس کے متصل عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ
کا لفظ ذکر کر کے اپنی مشیت کو بیان کر دیا کہ اہل جنت کے بارہ میں اللہ کی مشیت کیا ہے وہ یہ کہ جو
خلود اور دوام کی انکو بشارت دی گئی ہے وہ عطاء غیر مجذوذ ہے جو ان سے کبھی نہیں لی جائے گی
اور گزشتہ آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔ سے یہ تو بتلایا کہ دوزخیوں کا خلود اور دوام اس کی مشیت
پر ہے اور پھر کی تاکید کے لیے اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۔ فرمایا غرض یہ کہ

شَآءَ اللّٰہُ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی
فرمائش پر احقر ناچیز نے ایک رسالہ الدلیل القیم فی عدم فناء الجحیم کے نام سے عربی میں لکھا ہے جس میں ابن تیمیہ اور
ابن قیم کے تمام دلائل کا جواب دیا ہے اور قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے
اور یہی رسالہ احقر نے التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح جلد ششم باب صفۃ النار واہلہا کی حدیث اول کے
متعلق ملحق کر دیا ہے۔ اور علامہ زبیدی نے شرح بخاری مسمی بہ تحفۃ القاری میں کتاب الرقاق میں بھی اس مسئلہ پر مفصل
کلام کیا ہے اور میری نظر سے نہیں گزرا ہے اہل علم سے امید ہے کہ دیکھ کر اس ناچیز کو دعا دیں گے۔

سب

اِلَّا مَا شَاۤءَ رَبُّكَ کا استثناء اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ذکر فرمایا مگر جنت کی آیت میں استثناء
کے بعد اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں استثناء کے بعد عَطَاۤءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ
فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں البتہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ
لوگ ایسے ہیں کہ جو ارحم الراحمین کی رحمت سے اور انبیاء و مرسلین کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیے
جائیں گے اور وہ گناہگار مؤمنین یعنی گناہگار مسلمان ہوں گے اور ان کے علاوہ کفار و مشرکین کا عذاب دائمی
اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا جیسا کہ بے شمار آیات اور بے شمار اخبار اور آثار سے قطعی طور پر
ثابت ہے کہ کفار کا عذاب دائمی اور ابدی ہے۔ اور اسی پر صحابہؓ و تابعینؒ اور تمام سلفؒ اور خلف
کا اجماع ہے جس میں آج تک کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں البتہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ
میں بھی تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی ہے اور آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ہٹ کر
ایک موضوع یا نہایت درجہ ضعیف روایت کی آڑ لیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوزخ چند روز کے بعد فنا ہو جائے گی
اور کفار کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ اگر کافر و مشرک کی بھی نجات ہو سکتی ہے تو ایمان
اور اسلام کی کیا ضرورت رہی خوب مزہ سے کفر اور شرک کرو یہودی ہو یا نصرانی ہو یا دہری ہو اور دل کھول
کر جو چاہے فسق و فجور کرو توبہ کی بھی ضرورت نہیں امید لگائے رکھو کہ دوزخ پر ایک دن ایسا آئیگا کہ دوزخ
خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس کے دروازے کھڑکھڑایا کریں گے کہتے ہیں کہ یہ[1]
مضمون عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں آیا ہے۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے
میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض موضوع بھی نہ ہو تو اس کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ہم پیشتر کے شروع
میں ہم ان آیات اور احادیث کو بیان کر چکے ہیں جن سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ کفار کا عذاب دائمی
اور ابدی ہے تو ایک ضعیف و موضوع روایت کو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں
پیش کرنا علمی امانت و دیانت کے صریح خلاف ہے اور علی ہذا ابن قیم نے جن صحابہ اور تابعین کے چند نام
جو نقل کیے ہیں، کسی روایت میں صحیح نہیں اور صریح بھی نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس حدیث کو
اور ان آثار کو بھی تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب وہ ہے جو علماء کرام اور محدثین عظام نے بیان کیا ہے کہ
اس حدیث میں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے کہ جس میں گناہگار مسلمان رکھے جائیں گے اور جب انبیاءؑ اور
ملائکہؑ کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں
گے تو جہنم کا یہ طبقہ خالی رہ جائے گا اور جہنم کے جو طبقے کفار کے لیے ہیں وہ بدستور بھرے رہیں گے
اور ان میں سے کوئی کافر نہیں نکل سکے گا۔ (تفسیر مظہریؒ صفحہ ۵۵ ج ۵)

---

[1] قال الامام السبکیؒ معنی قول ابن مسعودؓ و ابی ہریرۃؓ لیاتین علی جہنم لیس فیہا احد عند اہل السنۃ ان ثبت ان لا یبقی فیہا احد من اہل الایمان

اور معاذ اللہ حاشا وکلا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوزخ کسی وقت کافروں اور مشرکوں سے خالی ہو جائے گی اور خود توبہ کرو اگر بغیر ایمان اور اسلام کے اور باوجود کفر و شرک کے عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرام کی بعثت اور کفار کی ہلاکت سے کیا فائدہ ہوا۔ اگر ہر ایک کافر کا عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتا ہے تو پھر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی کہ انبیاء کو کافروں کے مقابلہ میں مبعوث فرمایا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان میں سے کسی کو طوفان سے ہلاک کیا اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو بندر اور سور بنایا وغیرہ وغیرہ یہ سب بیکار اور بے نتیجہ تھا نجات کافر کے عقیدہ سے تو تمام شرائع وحی کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان پر رکھے آمین۔ اور اس زمانے کے آزاد اور بے لگام مصنفین کے فریب اور فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔

پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب معبود باطل اور بااختیار کا فرق واضح ہو گیا تو آپ ان معبودوں کے باطل ہونے میں شک نہ کیجئے جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں۔ بظاہر یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر درحقیقت خطاب امت سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کی گمراہی میں شک نہ کرو نہیں عبادت کرتے یہ لوگ مگر جیسے کہ ان کے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ان کی پرستش کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ بھی بلا دلیل باطل کے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ بت پرستی اور گمراہی ان کو باپ دادا سے بطور میراث ملی ہے اور بے شک ہم ان کو عذاب سے ان کا پورا حصہ دینے والے ہیں جس میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی یا کم و کاست ان کے جرم کے مطابق ان کو عذاب دیں گے۔

موعظت حسنہ

امام بلخیؒ سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی نرمی دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا۔ چہارم دنیا سے نفرت۔ پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔ اور شقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں۔

اول دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دنیا کی رغبت۔ چہارم آرزو کا زیادہ ہونا۔ پنجم بے حیائی۔

۱؎ و اما خلودهم الكفار فمسئلة ثابتة بالكتاب و قد ذكرناه في تفسير قوله تعالى [illegible] ذلك بأن فيها اختلافا منها في حق [illegible] من الاهواء من اهل القبلة و عليه اكثر المفسرين [illegible] الاحقاب [illegible] غير متناهية (تفسير مظهري صفحہ [illegible] جلد [illegible]) وكذا في تفسير البغوي وتفسير الخازن و فتح الباري ص [illegible] جلد ۱۱۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور

لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ

اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے تو فیصلہ ہو جاتا

وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا

ان میں اور انکو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا۔ اور جتنے لوگ ہیں جب

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾

وقت آیا پورا دیگا تیرا رب انکو انکے کیے۔ اس کو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ

سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور مت جھکو انکی طرف جو ظالم

ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ

ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار

أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ

پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے اور کھڑی کر نماز دونوں سرے

النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ

دن کے اور کچھ ٹکڑوں رات کے البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں

السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١٤﴾ وَاصْبِرْ فَإِنَّ

برائیوں کو۔ یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔ اور ٹھہرا رہ البتہ

أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا

سے جو ہم نے بچا لیے ان میں۔ اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جس میں

فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

عیش پایا اور تھے گناہگار۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ

بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں۔ اور اگر چاہتا

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ

تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں

مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ

اختلاف میں۔ مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی

خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

واسطے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

اُمَمِ سابقہ کی ہلاکت کے سببِ قریب اور سببِ بعید کا بیان

قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ ۔۔ الی ۔۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ذریعہ پچھلی امتوں کا حال ذکر کر کے بتلانا تھا کہ ان کی ہلاکت کے دو سبب ہیں ایک سبب قریب اور ایک سبب بعید اور بالفاظ دیگر ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی، سبب ظاہری تو یہ تھا کہ شہوات نفسانی اور حظوظ شہوانی کے پیرو بن گئے۔ اور شرک کی معصیت میں غرق ہو گئے اور علما اور

یہ مطیعین قلیل اور مغلوب تھے انکا وعظ اور پند کی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرنے والے جو معدودے چند تھے وہ تو عذاب سے محفوظ رہے اور باقی قوم جو غرق معصیت تھی وہ
سب تباہ ہو گئی۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ اگر ایک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے
تھے سو آپ بچ گئے۔ اور سبب باطنی یہ تھا کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت یہی تھی کہ سب
لوگ ایک راہ پر نہ چلیں بلکہ مختلف رہیں کچھ ایمان لائیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اور کچھ کفر کریں جن پر اللہ کا قہر نازل
ہو۔ الغرض ظاہری معصیت اور انکا فسق و فجور ان کی ہلاکت کا سبب ظاہری تھا۔ اور قضاء و قدر اور مشیت
خداوندی اسکا سبب باطنی تھا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیوں نہ
ہوئے پہلی امتوں میں سے جن کو ہم نے نافرمانی اور سرکشی کے باعث ہلاک کیا ایسے ذی رائے اور صاحب
عقل لوگ جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے یعنی کفر و معصیت کرنے سے منع کرتے تاکہ ان پر عذاب
نہ آئے لیکن تھوڑے سے لوگ ایسے تھے جو لوگوں کو کفر اور شرک اور برے اعمال سے منع کرتے تھے مگر وہ مغلوب
تھے قوم کے لوگ انکا کہنا نہیں مانتے تھے قوم میں سے ہم نے انکو عذاب سے بچا لیا کیونکہ یہ قلیل افراد
لوگوں کو کفر اور شرک اور معصیت کے شر اور فساد سے منع کرتے تھے۔ یہ تو عذاب سے بچ گئے اور باقی
قوم تباہ ہو گئی اور جو لوگ ظالم تھے وہ اسی راہ کو تھامے رہے جس میں عیش و عشرت کا سامان تھا یعنی وہ لذات
و شہوات کے پیچھے دوڑ پڑے اور عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے اور تھے یہ لوگ بڑے ہی مجرم۔ شاہ صاحب
فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ گذشتہ قرنوں میں ایسے باقیات اہل خیر کیوں نہ ہوئے کہ جو لوگوں کو شر اور
اور منکرات سے منع کرتے۔ ہاں ایسے لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنے عذاب سے بچا
لیا لہذا اللہ نے اس امت کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ کما قال تعالیٰ وَلْتَكُنْ
مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الآیۃ۔ پھر فرمایا کہ ظالم معاصی پر مصر رہے اور انہوں
نے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ ناگہاں ان پر عذاب آ گیا۔ آگے فرماتے ہیں اور نہیں ہے۔ تیرا
پروردگار کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ یعنی بلاوجہ اور بلا جرم انکو ہلاک کرے اور درآنحالیکہ وہاں
کے باشندے نیکوکار ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی بلا جرم ہلاک نہیں کرتا۔ درآنحالیکہ وہاں کے باشندے
اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں نیکی کو رواج دیتے ہوں اور ظلم اور فساد کو روکتے ہوں
یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہوں تو محض عقیدہ کے سبب ایسی حالت میں کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا
اللہ تعالیٰ کا عذاب اسی وقت ظالم پر آتا ہے۔ ترتیب مصلح پر نہیں آتا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَ
لَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ الآیۃ آیت کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
(دیکھو زاد المسیر ص ۱۶۱ ج ۴) اور ابن جریر یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے اور مطلب
یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا درآنحالیکہ وہاں کے باشندوں کے
باہمی معاملات درست ہوں محض شرک کی وجہ سے کسی بستی پر ایسا عذاب نہیں آتا کہ جس سے بستی بالکل

تباہ ہو جائے، بلکہ عذاب اسی وقت آتا ہے کہ جب لوگ باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے لگیں، پس جن قوموں پر عذاب نازل ہوا وہ محض شرک کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ انبیاء کرامؑ کی تکذیب اور تمسخر اور قتل ناحق اور ایذا رسانی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی وجہ سے آیا اللہ تعالیٰ اپنے حق میں چشم پوشی کرتا ہے اور حقوق العباد میں سختی کرتا ہے اور کفر اور شرک پر جو عذاب شدید و الیم ہوگا وہ آخرت میں ہوگا۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت کا یہی مطلب اختیار کیا جس کو ہم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا اور جلال الدین سیوطیؒ نے جلالین میں اور قاضی ثناء اللہؒ نے بھی تفسیر مظہری صفحہ ۱۱۳ ج ۵ میں اسی تفسیر کو اختیار کیا اور شاہ عبدالقادرؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا اور ابن عطیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا اسی لیے ہمارے نزدیک یہی راجح قول اول ہے اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی جرم اور ظلم نہیں اور ایمان سے بڑھ کر کوئی صلاح اور خیر نہیں، عذاب کی اصل علت کفر اور شرک ہے اور نجات کا سبب اصلی ایمان اور اتباع شریعت ہے

اور اسے نبیؐ! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی دین پر کر دیتا، لیکن اللہ کی حکمت تکوینی اس کی مقتضی نہیں کہ سب کو ایک ہی راہ پر ڈال دے۔ تکوین عالم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اس کی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ دونوں ہی کا ظہور ہو، اس لیے مظاہر کا اختلاف ہونا ضروری ہوا پس جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جود و نوال کا مظہر بنایا اور دوزخ کو اور اہل کفر کو صفت جلال اور شان قہر کا مظہر بنایا ہے

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است ÷ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اور لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ کوئی دین حق کو قبول کرے گا اور کوئی نہیں۔ مگر جس پر تیرا پروردگار رحم کرے، اس کو اختلاف سے محفوظ رکھے گا اور دین حق اور صراط مستقیم پر لگا دے گا اور اسی اختلاف اور رحمت کے لیے لوگوں کو پیدا کیا یعنی بعض کو دوزخ کے لیے اور بعض کو جنت کے لیے اور اسی اختلاف کے لیے پیدا کرنے کی وجہ سے تیرے پروردگار کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے بھر دوں گا۔ تاکہ مظہر میں بھی اس کی صفت غضب ظاہر ہو۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا

اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے

نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَ

جس سے ثابت کریں تیرا دل اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات اور

مَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو۔

تنبیہ بر بعض حکمتہائے حکایت قصص مذکورہ

قال اللہ تعالیٰ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ ... الیٰ ... وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ
(ربط) گذشتہ آیت میں واقعات ہلاکت کے وقوع کی علت اور حکمت بیان کی کہ یہ واقعات ہلاکت
کیوں پیش آئے۔ اب اس آیت میں ان قصص اور واقعات کے حکایت اور ذکر کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے
ہیں اور اعادہ و تکرار گذشتہ آیت میں محض عذاب کے وقوع کی علت اور حکمت کا بیان تھا اور اس آیت میں
نفس حکایت کی علت اور حکمت کا بیان ہے جس کا حاصل تقویت قلب اور موعظت و نصیحت اور عبرت
ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم رسولوں کی خبروں میں سے تم پر ہر قسم کی خبر بیان کرتے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام
کے وہ حالات جو انکو امتوں سے رسالت اور قوم کی سرکشی اور ایذا رسانی اور بالآخر ان کی ہلاکت کے گزرے
ہیں ہم تجھ کو ان واقعات میں سے کچھ سناتے ہیں دو فائدوں کے لیے (اول) یہ کہ تیرے دل کو تقویت پہنچائے
کہ انکو سن کر آپ کو تسکین اور اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ میں انبیاء کرام کو یہ حالات پیش آتے
اور انبیاء نے ان جاہلوں کی ہلاکت اور اذیت پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر انبیاء اور ان کے متبعین تو کامیاب
باقی اور انکے دشمن عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو گئے اور (دوسرا) فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے
ضمن میں حق آپکے سامنے آگیا کہ حق ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً ضعیف اور ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا
قوی اور جوان ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو زمین پر پچھاڑ دیتا ہے اور دین کو باطل کی ذلت
کا تماشا دکھاتا ہے اور ان واقعات میں اہل ایمان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے نصیحت تو یہ ہے کہ تم بھی
میں ایسا نہ کریں۔ اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور پناہ مانگیں کہ اے
اللہ تو ہم کو ان تباہ کاروں کے راستے سے دور رکھنا۔

وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ
اور کہہ دے ان کو جو یقین نہیں کرتے کام کیے
مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوا إِنَّا
جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔ اور راہ دیکھو ہم بھی
مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
راہ دیکھتے ہیں۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ

اور اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا، سو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ رکھ

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور تیرا رب بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو

خاتمہ سورت مشتمل بر تہدید عدم قبول ذکریٰ و موعظت

قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ... الیٰ ... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اس سورت میں حق کی حقیقت خوب واضح ہو گئی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت اور تذکیر۔ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حق آ گیا اور حجت پوری ہو گئی اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی اسی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ عنقریب تم کو اپنے عمل کا نتیجہ مل جائے گا اور اے نبی آپ ان کے عناد سے دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے۔ پھر سورت کو اللہ کے کمال علم اور کمال تربیت کے بیان پر ختم کیا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ باوجود ان براہین قاطعہ کے ایمان نہیں لاتے اور گزشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا اس کی پرواہ نہیں کرتے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا اور نتیجہ کا منتظر رہو اور تحقیق ہم بھی نتیجہ کے منتظر ہیں۔ عنقریب حق اور باطل سامنے آ جائے گا۔ مگر وہ نتیجہ فی الحال پوشیدہ ہے چند روز کے بعد پردۂ غیب سے نمودار ہو گا اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب پوشیدہ باتیں آسمانوں کی اور زمین کی یعنی اللہ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے آسمان اور زمین کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خفی اور جلی، معدوم اور موجود اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کام رجوع ہے یعنی دنیا اور آخرت کے تمام امور کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس کے نتیجہ اور فیصلہ کا منتظر رہنا ضروری ہے۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور تمام امور کا مرجع اور منتہیٰ ہے تو آپ ہمہ تن اللہ کی عبادت میں لگے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیے اور اسی پر بھروسہ کر کے اسی راہ استقامت سے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور تیرا پروردگار تم سب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں تمہارا اخلاص اور ان کا کفر و نفاق سب اس کے علم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کفار اور منافقین

کی عبادت سے وابستہ رہو، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ تورات کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور تورات کا خاتمہ وہ ہے جو سورۂ ہود کا خاتمہ ہے یعنی وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الیٰ آخر السورۃ
اخرجہ ابن جریر وغیرہ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۵ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۶ ج ۲)

والحمد للہ اولاً و آخراً و باطناً و ظاہراً ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ و ذریاتہ اجمعین وسلم کثیراً و علینا معہم یا ارحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین و یا اجود الاجودین آمین آمین یا رب العالمین

الحمد للہ کہ آج بروز شنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ کو بوقت ۷ بجے دن کے سورۂ ہود کی تفسیر سے فراغت ہوئی اور اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَيَا رَبِّ ارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى دِيْنِكَ وَسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. آمِيْن يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

معاف کر دیا اور کوئی شکوہ نہ کیا بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ
لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۔ اذهبوا انتم الطلقاء اور یوسف علیہ السلام کی
طرح آپ نے بھی طلقاء و قریش کو فاتحین میں سے بطور تالیف قلب سو سو اونٹ عطا کیے تاکہ اسلام کی محبت
و الفت پیدا ہو بالفت و محبت ہو جائے الاحسان یستعبد الانسان۔ احسان انسان کو غلام بنا دیتا
ہے اور یوسف علیہ السلام کی سنت کا اتباع ہو جائے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے
ساتھ سلوک اور احسان کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک
اور احسان فرمائیں۔

نیز اس قصہ سے یوسف علیہ السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت اور نزاہت کو بیان کرنا
ہے کہ باوجود قوت شباب کے کس درجہ عورتوں کے کید سے محفوظ رہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے
کہ انبیاء کرام کی عصمت اور عفت اور طہارت ایسی ہوتی ہے کہ کسی حال میں نفس اور شیطان کا ان پر
بس نہیں چلتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب ابلیس لعین راندۂ درگاہ ہوا تو یہ کہا فَبِعِزَّتِكَ
لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۔ یعنی قسم ہے تیری عزت کی
کہ میں بنی آدم کے اغواء میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص اور برگزیدہ بندے ہیں
ان کو نہیں بہکا سکوں گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس امر کی تصدیق فرما دی۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ
عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۔ بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ معلوم ہوا کہ عباد مخلصین
پر نفس اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور نفس اور شیطان کے اثر سے محفوظ اور مامون رہنے کا نام ہی
عصمت ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ کل انبیاء معصوم ہیں اس لیے کہ کل انبیاء بنص قرآنی عباد مخلصین ہیں جو شیطان
کے اغواء سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی منجملہ خدا کے عباد مخلصین میں سے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے كَذٰلِكَ
لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۔ نیز جس طرح حضرت
نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔
کما قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا
أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هٰذَا ۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی انباء الغیب
میں سے ہے اللہ کی وحی سے اس کا بیان کرنا بھی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی اور آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں اس قصہ میں آپ کی تسلی بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح بھائیوں کی ایذاء رسانی
پر صبر کیجئے اور جادۂ حق پر قائم اور مستقیم رہیے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

شانِ نزول

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم کو کوئی قصہ سنائیں اس پر یہ قصہ نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہود نے مشرکین کے ذریعے امتحاناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ملک مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کی تھی کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے پہنچے اسکے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ عجیب و غریب بصائر و عبر پر مشتمل ہے اور اس بات کا جواب ہے کہ بنی اسرائیل شام سے چل کر کس طرح مصر میں آباد ہوئے۔
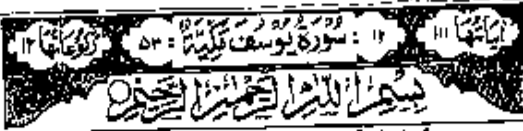
سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ — آیاتہا ۱۱۱ — رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

عربی زبان کا، تاکہ تم سمجھو۔ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

بہتر بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن۔

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳

اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں۔

حقانیتِ قرآن حکیم و تمہید قصہ

قال اللہ تعالیٰ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ .. الیٰ .. لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۔

(ربط) اس سورت کا آغاز سورۂ یونس کے آغاز سے مشابہ ہے قرآن کریم کے ذکر سے احسن

قصہ کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

الٓرٰ یہ متشابہات میں سے ہے سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں جمہور کے نزدیک راجح اور مختار قول یہی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات۔ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔ سوائے رسول کے کسی کو مرتبہ نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔ مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتی ہے جس نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے اہل عرب تم اس کے مطالب اور معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکو اور تم پر حجت تمام ہو جائے ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جو ہم نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے بذریعہ وحی تجھ پر نازل کیا ہے اس کے ذریعے تجھ کو بہترین قصہ سناتے ہیں۔ اور تحقیق آپ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔ آپ کو اس قصہ کی خبر نہ تھی اور اس قصہ کو احسن القصص یعنی بہترین قصہ اس لیے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرتیں اور حکمتیں ہیں اور نکات ہیں اور اس میں بادشاہوں سے غلاموں تک مردوں اور عورتوں کے مکر و فریب کا اور دشمنوں کے ایذا پر صبر کا اور قدرت کے وقت عفو اور جود و کرم کا بیان ہے اور حاسد اور محسود کے انجام کا بیان ہے حسد کا انجام نقصان اور خذلان ہے اور صبر مفتاح الفرج ہے اور عفت و پاکدامنی موجب عزت و رفعت ہے سورۂ ہود کے ختم پر صبر اور استقامت کا ذکر تھا اس قصہ کو ذکر کر کے بتلا دیا کہ صبر اور استقامت ایسا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیابت الجب اور امرأۃ العزیز کی تہمت اور جیلخانہ کی مصیبت اور باپ کی مفارقت وغیرہ وغیرہ پر کس طرح صبر کیا۔

نیز یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ آپ وحی الٰہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپ نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجمل تھے اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معنی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ میں نے دیکھے

أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي

گیارہ تارے اور سورج اور چاند، دیکھے میرے تئیں

سَاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ

سجدہ کرتے۔ کہا اے بیٹے مت بیان کر خواب اپنا

عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

اپنے بھائیوں پاس پھر وہ بنا دیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

انسان کا صریح دشمن ۔ اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ

اور سکھا دے گا تجھ کو ٹھکانے لگانا باتوں کی اور پورا کرے گا

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے

عَلٰٓي اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ

تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے ابراہیم اور اسحٰق پر البتہ

رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا ۔

آغاز قصہ رؤیائے صالحہ وصادقہ

قال تعالیٰ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ ... الیٰ ... اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔

(ربط) اب یہاں سے احسن القصص کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی ابتداء ایک رؤیائے صالحہ سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے تحقیق میں نے خواب میں دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں گیارہ ستاروں سے یوسف علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور سورج اور چاند سے ان کے باپ اور خالہ مراد ہیں اور سجدہ سے یہ مراد ہے کہ سب ایک دن ان کے آگے جھکیں گے بالجملہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کی رفعت شان اور علو مرتبہ پر دال ہے۔ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ

خواب کی تعبیر سمجھ گئے اور ڈرے کہ یوسف کے بھائی سن لیں گے تو درپے حسد ہو جائیں گے اس لیے یعقوب علیہ السلام نے از راہ شفقت فرمایا اے میرے چھوٹے بیٹے تو اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ کیونکہ وہ سنتے ہی اس کی تعبیر سمجھ جائیں گے کہ یہ خواب یوسف کی منزلت عالی کی اور بھائیوں کے خضوع کی نشانی ہے پس یہ خواب سن کر تجھ سے حسد کریں گے اور تیری ایذا رسانی کے لیے کوئی حیلہ اور فریب کریں گے تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اذا موقع ملے تو رشک اور حسد کا وسوسہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر و فریب پر آمادہ کرتا ہے اور حسد کی آگ دل میں بھڑکاتا ہے اور جس طرح خدا نے تجھے خواب کے ذریعہ عزت اور رفعت اور برگزیدگی کی بشارت دی ہے اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ بنائے گا یعنی عزتیں اور درجات عالیہ تجھ کو عطا کرے گا۔ جن میں تیری سعی اور کوشش کو دخل نہ ہوگا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھلائے گا تاکہ تو خوابوں کے ذریعے اشارات غیبیہ اور پیش آنے والے واقعات کو سمجھ سکے اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دیگر بھی تم پر اور خاندان یعقوب پر اپنے انعام کو کامل کرے یعنی دنیا و آخرت کی ایسی بھلائیاں تم کو عطا کرے جو تام اور کامل ہوں اور ان میں کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسا کہ اس سے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر انعام کامل کر چکا ہے اس مقام پر یعقوب علیہ السلام نے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کا ذکر کیا اور تواضعاً اپنا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے یعنی جو جس لائق ہے وہی اس کو دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آباء و اجداد کی طرح تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

فائدہ پہلی شریعتوں میں بطور تحیت و سلام سجدۂ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہو گیا۔

خواب کی حقیقت

رؤیا کے معنی خواب کے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔

(اول حدیث نفس) جس کا لفظی ترجمہ دل کی باتیں ہیں۔ انسان دن میں جس کام میں مشغول اور منہمک ہو رات کو بھی خواب میں اسکو وہی چیزیں نظر آتی ہیں جیسا کہ عاشق کو خواب میں طرح طرح سے اپنا معشوق ہی دکھلائی دیتا ہے اور بھوکے کو خواب میں گوشت کے ٹکڑے نظر آتے ہیں جیسے جس کی دھن ہوتی ہے اسے خواب میں اسی حال ہی کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

(دوم اضغاث احلام) جس کا لفظی ترجمہ "خواب پریشان" ہے نفس اور شیطان کے القاء سے جو چیزیں خواب میں دکھائی دیں وہ اضغاث احلام ہیں اور احتلام بھی اسی قبیل سے ہے خواب کی یہ دو قسمیں فاسد ہیں ان کی کوئی تاویل اور تعبیر نہیں۔

(خواب کی تیسری قسم) رؤیائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو وساوس شیطانی اور مزاحم نفسانی سے پاک ہو ایسا ہی خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث

کیں رؤیائے صالحہ اور جزو نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القاء ربانی ہوتا ہے اور گویا یہ خبر الٰہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور حضرات اولیاء اللہ عموماً اسی خواب کو مبشرات نہیں فرماتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اسی عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صور مثالیہ کے ذریعے ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف بر رنگ تمثیل وتشبیہ اشارہ اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستارے سجدہ کرتے ہوئے دکھلائے گئے بر رنگ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

اور چونکہ حضرات انبیاء کے نفوس قدسیہ نفس اور شیطان اور وہم اور خیال کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا خواب وحی قطعی اور معصوم عن الخطاء ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۔ اور اولیاء چونکہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کا خواب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وحی نبوت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کے مطابق رؤیا کا صلاح اور صدق ہوگا اور عوام المسلمین چونکہ کدورات نفسانیہ اور ظلمات باطنیہ میں مبتلا رہتے ہیں ان کا خواب کبھی صادق ہوتا ہے اور کبھی کاذب۔

خلاصہ کلام یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک حدیث نفسانی اور دوسرے حدیث شیطانی موسوم اضغاث اور تیسری رؤیائے حقانی وربانی کی دو قسمیں ... تیسری قسم وہی رؤیائے حقانی ہے جسکو حدیث میں رؤیائے صالحہ اور رؤیائے صادقہ کہا گیا ہے۔ (دیکھو اشارات المرام من عبارات الامام ص ۔۔۔)

تعبیر خواب

اور تعبیر خواب کبھی تو الہام یزدانی اور القاء ربانی سے ہوتی ہے جیسا کہ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ میں تعبیر سے وہ تعبیر مراد ہے جو تعلیم ربانی اور القاء رحمانی سے ہو ایسی تعبیر قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اور کبھی خواب کی تعبیر عقل سلیم اور خداداد فہم وفراست سے ہوتی ہے اس میں کبھی خطاء اور لغزش بھی ہو جاتی ہے۔

بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ رؤیا (خواب) محض ایک خیال باطل ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں اس لیے کہ نوم ادراک کی ضد ہے حالت نوم میں ادراک عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ جس طرح حالت بیداری میں دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں اسی طرح وہ اپنی قدرت کاملہ سے حالت خواب سونے والے کے دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں حواس ظاہری ادراک اور احساس کی علت تامہ نہیں اصل علت حق جل شانہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اسکی مشیت اور اسکی تخلیق ہے اور اسکی قدرت ومشیت کے اعتبار سے حالت نوم اور یقظہ سب

برابر ہیں یہ حواس ظاہرہ جو اسی کی مخلوق ہیں ادراک ظاہری کی علامتیں ہیں جو محض علامت کے درجہ میں ہیں علت کے درجہ میں نہیں۔

یونان کے نادانوں نے ایک ظاہری علامت کو جو اسی کی پیدا کردہ تھی اس کو ادراک کی علت تامہ سمجھ لیا اور خواب کی حالت میں جب انکو ادراک کی کوئی ظاہری علامت نظر نہ آئی تو خواب کی حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا کہ خواب کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ ایک وہمی اور خیالی چیز ہے خوب سمجھ لو کہ خواب تو بلاشبہ ایک حقیقت واقعہ ہے مگر اسکا انکار، وہ وہم فاسد اور خیال کاسد ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ﴿٧﴾

البتہ ہیں یوسف کے مذکور میں اور بھائیوں کے، نشانیاں پوچھنے والوں کو۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا

جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨﴾

اور ہم قوت کے لوگ ہیں، البتہ ہمارا باپ خطا میں ہے صریح۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر توجہ

أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾ قَالَ

تمہارے باپ کی اور ہو رہو اس کے پیچھے نیک لوگ۔ بولا ایک

قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ

بولنے والا ان میں مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینک دو اس کو گمنام

الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿١٠﴾

کنوئیں میں کہ اٹھا لے جاوے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا

بولے اے باپ! کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

اسکے تو خیرخواہ ہیں۔ بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کو کہ کچھ چر چگ آوے اور کھیلے

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا

اور ہم تو اسکے نگہبان ہیں۔ بولا مجھکو غم ہوتا ہے کہ تم اسکو لیکر جاؤ

بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ

اس کو اور ڈرتا ہوں کہ کہیں کھا جاوے اسکو بھیڑیا اور تم اس سے

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت کی

اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا

تو تو ہم نے سب کچھ گنوایا۔ پھر جب لیکر چلے اسکو اور متفق ہوئے

اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے اشارہ کیا اسکو

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ

کہ تو جتاوے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے۔ اور آئے

اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا

اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے۔ کہنے لگے اے باپ! ہم لگے دوڑنے

نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ

آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا

الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

بھیڑیا۔ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں

وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ۔ بولا: کوئی نہیں بلکہ بنا لی ہے

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات۔ اب صبر ہی بہتر ہے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں

عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا

اس بات پر جو تم بتاتے ہو۔ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنہارا

وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ

اس نے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَ

اور چھپا لیا اس کو تجارت کا مال سمجھ کر۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور

شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ

بیچ آئے اس کو ناقص مول کو گنتی کی کئی چاندیاں اور ہو رہے تھے

مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

اس سے بیزار۔

معاملہ برادران یوسف علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ الیٰ ۔ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

بے شک یوسف اور اسکے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو

اس قصہ کو دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اس کی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر تخت سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاتی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور انکا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کوئی خدمت پوری طرح انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے متصور ہے لہذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا انکو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارہ میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسف کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اسکو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے تو طفولیت کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہذا فائدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارہ میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ

یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ محض حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت وصدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عصمت بھی انکے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ انکی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بشری حسن و جمال کی جنس سے نہ تھا جیسے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ کلام نکلا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اہل جنت کے حسن و جمال کی جنس سے تھا اور حور و غلمان کے حسن و جمال کی قسم سے تھا غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اخروی حسن و جمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا اسی لیے یعقوب علیہ السلام انکی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن و جمال یعنی علم و حکمت اور ان کی بے مثال عصمت و عفت اور نور نبوت وصدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی انکی طرح انکے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ آپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجابت کے جو آثار یوسف اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس

مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ

اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى

کہ اس کو سکھاویں کچھ کل بٹھانی باتوں کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنے

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا

کام میں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ اور جب

بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى

پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ

ہم نیکی والوں کو ۔ اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا

نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتاب کر ۔ کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

خدا کی پناہ ! وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو البتہ بھلا نہیں پاتے

الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ

جو لوگ بے انصاف ہیں ۔ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا

رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ

یہ کہ دیکھتا قدرت اپنے رب کی ، یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہٹا دیں اس سے برائی اور

الْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا

بے حیائی ۔ البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندوں میں ۔ اور دونوں دوڑے

الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا

دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اسکا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے

لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا

خاوند سے دروازے کے پاس ، بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی

إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي

مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار ۔ یوسف بولا اسی نے خواہش کی

عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ

مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنا جی ، اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے

قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ

اسکا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے

الْكٰذِبِينَ ﴿۲۶﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

جھوٹا ۔ اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا پیچھے سے تو

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهُ

یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے ۔ پھر جب دیکھا عزیز نے کرتہ

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ

اسکا پھٹا پیچھے سے کہا بے شک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا ۔ البتہ تمہارا فریب

عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِي

بڑا ہے ۔ یوسف جانے دے یہ مذکور ۔ اور عورت تو بخشوا اپنا

ہو جا اور سمجھے کہ زنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور شوہر پر بھی ظلم ہے۔

ناظرین کرام نے ان آیات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اگر زلیخا پر فطرت بشری اور نفس امارہ کا غلبہ تھا تو یوسف علیہ السلام پر خداداد علم و حکمت اور بجبلّہ عصمت و نزاہت کا غلبہ تھا، خود بھی اس برائی سے محفوظ ہیں اور اس کو بھی وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ زلیخا نے تو جال ہی بچھا ڈالا ہے تو گھبرا کر معاذ اللہ کہا اور اللہ کی پناہ میں داخل ہو گئے اور جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا، اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اور پھر یہ فرمایا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دلائل ہوشمندی کی یہ ترتیب بھی یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے دلائل کی یہ ترتیب ثابت درجہ محقق ہے اب آگے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عفت کا بیان ہے اور البتہ تحقیق فکر کی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی۔ اور یوسف علیہ السلام نے فکر کی اس کے دفع کرنے کی اور اپنے سے ہٹانے کی اور وہاں سے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کی۔ اگر یوسفؑ نے اپنے پروردگار کی دلیل اور حجت کو اور اپنے رب کریم کی عظمت اور کبریائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ایسے وقت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل تھا کیونکہ اسباب اور دواعی سب موجود تھے اور مانع کوئی موجود نہ تھا مگر جس نے خدا کی حجت اور دلیل کو دیکھ لیا ہو زنا اور بدکاری کی قباحت اور شناعت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو اور خدا کی عظمت اور جلال اس کے سامنے ہو وہ نفس اور شیطان کے جال میں کہاں پھنس سکتا ہے جس پر خدا کی دلیل اور برہان سے زنا کی حرمت اور شناعت منکشف ہو جائے وہ ایسے کام سے متنفر اور بیزار ہو کر اسی طرح بھاگتا ہے بلکہ اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو اپنی برہان دکھلائی اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں یعنی جو برائی اور بے حیائی یوسفؑ کے پاس آنا چاہتی ہے ہم اس کو یوسفؑ کے قریب بھی نہ آنے دیں تاکہ اس کے دامن عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ لگ جائے کیونکہ وہ بلاشبہ ہمارے ان معصوم اور مخلص بندوں میں سے ہیں جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اس آیت میں شیطان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس کے لیے خدا تعالیٰ کے عباد مخلصین کا اغوا ممکن نہ ہوگا اور یوسف علیہ السلام بھی خدا کے مخلصین میں سے ہیں مصطلحات قرآن میں عباد مخلصین سے مراد انبیاء کرام ہیں [illegible]
الخ میں باقی رہا جیسا کہ فرمایا وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ
ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب
علیہم السلام کے حق میں ہے اور زیر تفسیر آیت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں الغرض حق تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام

ﻪ اشارہ اس طرف ہے کہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے، کہ امرأت العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور ہَمّ بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھا ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی، امرأت العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف صدیق کو اسکے دفعیہ کا فکر تھا حق جل شانہٗ نے امرأۃ العزیز کے ہَمّ کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ وَ لَقَدْ هَمَّا کہ دونوں نے قصد اور ارادہ کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا قصد اور ارادہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ۔ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور اپنی مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ کا کید اور مکر کافروں کے کید و مکر سے مختلف اور جدا تھا دونوں مکر اور کید ایک قسم کے نہ تھے اسی طرح یہاں سمجھو کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے اپنے مطلب کی فکر کی اور یوسف علیہ السلام نے اسکے مقابلہ اور دفع کی فکر کی ہے ہر ایک کا ہَمّ دوسرے سے مختلف اور جدا تھا۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ روحانی اور کشفی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے قصہ میں یہ فرمایا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا اور اس ہَمّ کی کوئی تعیین نہیں فرمائی بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا۔

نعم صدقت لكن فی اللفظ دون المعنی فانها همت بی لتعدل علی ما كانت ارادت منی وهممت انا بها لا قهرها بالدفع عن ذلك فالاشتراك فی طلب القهر منی و منها۔

ہاں تو نے سچ کہا لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اپنے مطلب پر مجبور کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اسکے دفع کرنے میں غالب آجاؤں پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور مطلب الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امرأۃ العزیز نے اقرار کیا اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اور میرے قصہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ اَنَا رَاوَدْتُّهَا عَنْ نَّفْسِهَا۔ اور یہ فرمایا کہ میں نے اس کا ارادہ کیا تو اللہ نے مجھے اپنی برہان دکھلائی۔ (ملخص۔ الیواقیت والجواہر ص ۱۲۳ جلد ۲)

لہٰذا انبیاء کرام سے اگر ذرا سی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک لفظ توبہ استغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

امام رازیؒ تفسیر کبیرؒ میں فرماتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں کا ہم اور قصد ایک ہی قسم کا ہو لہٰذا ضروری ہوا کہ ہر ایک کے ہم کو اس کے قصد پر محمول کیا جائے جو اس کے مناسب ہو پس عورت کے لائق یہ ہے کہ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ میں اس کے قصد کو تحصیل لذت پر محمول کیا جائے اور وَهَمَّ بِهَا میں خدا کے برگزیدہ بندہ کے ہم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دفع معصیت کے ہم پر محمول کیا جائے۔ لہٰذا وَهَمَّ بِهَا کے معنی یہ ہوں گے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۳ ج ۵) اور اسی کے قریب قریب ابن انباریؒ کا قول ہے جس کو ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر رک گئے کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخا ان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۲۰۳ جلد ۴)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ کا جواب مقدم ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے مگر چونکہ انہوں نے خدا کی برہان کو دیکھ لیا تھا اس لیے ارادہ بھی نہیں کیا جیسا کہ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا میں جواب لولا مقدم ہے اور اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا میں بھی لَوْلَآ کا جواب مقدم ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہم کے معنی قصد اور ارادہ کے نہیں مگر محض میلان طبعی کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت دل میں بے اختیار رجحان آیا مگر انہوں نے خدا کی برہان دیکھ کر اس پر عمل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بالکلیہ محفوظ رکھا۔

جیسے روزہ دار کو گرمی میں بے اختیار پانی کا خیال آجاتا ہے مگر وہ پانی پیتا نہیں اسی طرح سمجھو کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں اگر ایسا خیال آیا تو وہ خیال محض غیر اختیاری خطرہ کے درجہ میں تھا عزم کے درجہ میں نہ تھا اس لیے کہ انبیاء کرام اس بات سے قطعاً معصوم ہیں کہ وہ معصیت کا عزم کریں اور اسی قول کو عامہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (زاد المسیر ص ۲۰۳ ج ۴)

اور بعض مفسرین نے جو اس بارہ میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق و سباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور ان کی کمال عفت و عصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب و تردید کے لیے کافی ہیں۔

ؒ قال الامام الرازی انه علیه السلام هم بدفعها عن نفسه و منعها عن ذلک القبیح لان الهم هو القصد فیجب ان یحمل فی حق کل احد علی القصد الذی یلیق به فاللائق بالمرأة القصد الی تحصیل اللذة والتنعم والتمتع واللائق بالرسول المبعوث الی الخلق القصد الی زجر العاصی عن معصیته والامر بالمعروف والنهی عن المنکر (تفسیر کبیر ص ۱۲۳ جلد ۵)

شہادت ربّ العالمین

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا ۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔

شہادت ابلیس لعین

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

الغرض یہ دس آیتیں ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کی شاہد ہیں اب ان دس شہادتوں کے بعد ان کی نزاہت و عصمت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ (تفسیر کبیر ص [illegible] جلد ۵)

ذکر الطاف و عنایات خداوندی

علاوہ ازیں حق جل شانہ نے اس قصہ میں یوسف علیہ السلام پر جن خصوصی عنایات و الطاف کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی دس سے کم نہیں مثلاً (۱) رؤیائے صادقہ (۲) اور اجتباء (۳) اور علم تاویل (۴) اور اتمام نعمت (۵) اور تمکین زمین مصر (۶) اور عطائے علم و حکمت احسان کا (۷) عباد محسنین (۸) اور عباد مخلصین (۹) اور صالحین میں سے ہونا (۱۰) اور شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا میں ایک شیرخوار بچہ کا شہادت دینا۔ فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ یہ دس امور بھی اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا ہم تک نہیں فرمایا۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا

اس شاہد اور گواہ کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کوئی مرد دانشمند تھا اور زلیخا کا رشتہ دار تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گہوارہ کا شیرخوار بچہ تھا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارہ میں ایک صریح حدیث آئی ہے جس کو احمد اور ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچپن میں چار افراد نے کلام کیا۔ اول فرزند ماشطہ دختر فرعون۔ دوم یوسف کی سچائی کا گواہ

موسوم بجریج، صاحب قبر، پاک کی گود میں دودھ پینے والا بچہ۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اور اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ اور حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ اور ضحاکؒ اور ہلال بن یسافؒ وغیرہم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۷۳ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۴ جلد ۲)

خود سیاق کلام بھی اسی کو ترجیح دیتا ہے کہ وہ شاہد ایک شیرخوار بچہ تھا اور عورت کے قریبی رشتہ داروں میں تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کو گویا کر دیا تاکہ یوسفؑ کی براءت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ

اور کہنے لگیں کئی عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے

فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ

اپنے غلام سے اس کے جی کو فریفتہ ہو گئی اس کی محبت میں، ہم تو دیکھتے ہیں وہ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

بہکی ہے صریح، پھر جب سنا اس نے ان کا فریب بلا بھیجا

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ

ان کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ

مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا

میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ ان کے سامنے پھر جب

رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ

دیکھا اس کو دہشت میں آ گئیں اس سے اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں حاشا للہ

لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

نہیں ہے یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ

بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجھ کو اس کے واسطے اور میں نے

رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ

چاہا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا اور اگر

يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

نہ کریگا جو میں اس کو کہتی ہوں البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بے عزت۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَ

یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور

اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ

اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں ان کی طرف اور ہو جاؤں

مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ

بے عقل۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے

كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ

ان کا فریب البتہ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ پھر یوں سوجھا لوگوں

مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

کو وہ نشانیاں دیکھنے کے بعد کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت۔

قصۂ دعوت زلیخا زنانِ مصر را مشتمل بر عفت و عصمت یوسف

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ ... الی ... لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۔

ارتباط: گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جب عزیز مصر پر یہ واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں اور یہ سب اس کی بیوی کا خود ساختہ مکر و فریب ہے تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا کہ اے یوسف اس بات سے درگزر کرو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرو اور بیوی سے کہا کہ وَاسْتَغْفِرِيْ تک

لِذَنْۢبِكِ ۔ کہ یوسفؑ سے اپنے قصور کی معافی مانگ ۔

عزیز مصر کا مقصود یہ تھا کہ یہ قصہ پوشیدہ رہے اور اس کا چرچا نہ ہو مگر "نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا"۔ آخر یہ خبر شائع ہو گئی اور رفتہ رفتہ شہر کی بیگمات میں اس کا تذکرہ ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے ۔ زلیخا کو جب یہ خبر ہوئی کہ زنان مصر میرے بارہ میں یہ کہتی ہیں تو اس نے عورتوں کی دعوت کر کے سب کو بلا بھیجا تاکہ یہ بھی ایک مرتبہ یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھیں اور مجھ کو معذور سمجھیں

محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

حق جل شانہٗ نے پچھلے واقعہ میں ایک شیر خوار بچہ کی گواہی سے یوسف علیہ السلام کی براءت اور پاکدامنی ظاہر فرمائی اس کے بعد اب دوسرا واقعہ زنان مصر کی دعوت کا پیش آیا۔ اس واقعہ میں عزیز مصر کی بیوی نے سب کے سامنے کھلا صاف اعتراف کیا کہ یوسفؑ کی مراودت اور طلب میری طرف سے تھی اور یوسفؑ اس بارہ میں بالکل معصوم ہے ۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۔ شیر خوار بچہ کی شہادت کے بعد زنان مصر کی دعوت کا واقعہ قضا و قدر سے ان کی براءت کی مزید شہادت بن گیا کہ خود زلیخا نے اعتراف و اقرار کیا کہ یوسفؑ اس معاملہ میں بالکل بری اور بے قصور ہے اور جس عورت نے خود ابتداء میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا، مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اب اخیر میں اسی عورت نے سب عورتوں کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی ان کو پھسلانا چاہا تھا مگر یہ تو فرشتہ کی طرح معصوم نکلا ۔ فَاسْتَعْصَمَ ۔ عزیز مصر کی بیوی کا مقصود تو دعوت سے رفع ملامت و ندامت تھا مگر قضا و قدر نے اس کو یوسف صدیق کی مزید براءت و نزاہت کا ذریعہ بنا دیا اور ایسا ذریعہ بنایا کہ حجت پوری ہو گئی اور زلیخا نے سب کے سامنے صاف لفظوں میں اعتراف حقیقت کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں اور شہر مصر میں بسنے والی چند عورتوں نے یہ بات کہی کہ عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کو اس کے نفس اور اس کی عفت اور نیکی سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کرے تحقیق اس کی محبت نے اس کے دل میں جگہ کر لی یعنی اس غلام کی محبت اس عورت کے شغاف قلب یعنی پردۂ دل کے اندر پہنچ گئی ہے بیشک ہم اس کو کھلی گمراہی کے اندر دیکھتے ہیں یعنی عزیز جیسے شوہر کو چھوڑ کر اپنے زر خرید غلام پر فریفتہ ہو، کھلی نادانی ہے آخر وہ کیسا خوبصورت ہے جس پر وہ اس قدر مبتلا ہو گئی ہے ۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کے مکر و فریب اور مکر آمیز باتوں کو سنا تو اس نے بھی ان کے ساتھ مکر و فریب کیا کہ دعوت کے بہانہ سے ان عورتوں کو بلا بھیجا ۔ زنان مصر کو زلیخا کو ملامت کرنا یہ مکر تھا کیونکہ ان عورتوں نے یوسفؑ کے حسن و جمال کی خبر سنی تو چاہا کہ یوسفؑ کو دیکھیں اس لیے زلیخا کو یہ طعنہ دیا تاکہ اس حیلہ اور بہانہ سے یوسفؑ کو دیکھنا نصیب ہو زلیخا نے جب ان کی ملامت سنی تو اس نے چاہا کہ اپنی معذوری ان پر ظاہر کرے اس لیے دعوت کے حیلہ سے ان کو مدعو کیا اور ان کے لیے مسندیں اور تکیے لگائے قسم قسم کے فرش اور تکیوں سے مجلس کو آراستہ کیا اور قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات تیار کئے اور گوشت کے پارچوں اور پھلوں کے کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی مصر میں یہ دستور

أَرٰىنِيْٓ أَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ إِنِّيْٓ أَرٰىنِيْٓ أَحْمِلُ

دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑ رہا ہوں شراب۔ اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا

فَوْقَ رَأْسِيْ خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيْلِهٖ ۖ

ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے۔ بتا ہم کو اس کی تعبیر

إِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ

ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔ بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا

تُرْزَقٰنِهٖٓ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيْلِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّأْتِيَكُمَا ۚ

جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے۔

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۚ إِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اس قوم کا

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا

مَا كَانَ لَنَآ أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ

ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ

فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ

لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے رفیقو قید خانہ کے! بھلا کئی معبود

ع

مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا

جدا جدا بہتر ہے یا اللہ اکیلا زبردست۔ کچھ نہیں

تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ

پوجتے ہو سوا اس کے، مگر نام ہیں کہ رکھ لیے ہیں تم نے

وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا

اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے اس کی کوئی سند۔ حکومت نہیں ہے کسی کی

لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

سوا اللہ کے۔ اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی ہے دین سیدھا

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَا صَاحِبَيِ

پر بہت لوگ نہیں جانتے۔ اے رفیقو!

السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا

قید خانے کے! ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلاوے گا اپنے خاوند کو شراب، اور دوسرا

الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِ ۚ قُضِيَ

جو ہے سو سولی چڑھے گا، پھر کھاویں گے جانور اس کے سر میں سے۔ فیصل ہوا

الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِي

کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔ اور کہہ دیا اس کو جس کو

ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ

اٹکل کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کریو اپنے خاوند پاس۔ سو بھلا دیا

الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾

اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہا قید میں کئی برس۔

قصۂ یوسف علیہ السلام با ساقی و خباز در جیل خانہ بر تبلیغ و دعوت و اظہار نبوت

قال اللہ تعالیٰ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ... الیٰ ... فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ

ربط: گزشتہ آیات میں یوسف علیہ السلام کی دعا رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ اور اس کی قبولیت و استجابت کا ذکر ہے یہ دعا یہ درخواست تھی کہ اے پروردگار ایسے زنانخانہ اور محل سرا سے تو جیل بہتر ہے بالآخر چند روز میں یوسف علیہ السلام کی دعا حسب قبول ہوئی کہ زنان خانہ سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے گئے اب وقت آیا کہ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ کا ظہور ہو کہ جیل خانہ میں پہنچ کر لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بھی دیں اور ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دیں اور خداداد معجزہ اور کرامت کو ان پر ظاہر کریں تاکہ قبول حق میں معین اور مددگار ہو۔ ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلیل نبوت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا۔ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا تاکہ دلیل نبوت بیان کرنے کے بعد ان کو توحید اور ملت ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دے سکیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور جوان جیل خانہ میں داخل ہوئے ان دو جوانوں میں سے ایک بادشاہ کا نانبائی تھا اور دوسرا ساقی یعنی شراب پلانے والا۔ یہ دونوں بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی تہمت میں ماخوذ تھے مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لیے دونوں جیل بھیج دیئے گئے چونکہ جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام کے حسن خلق اور مروت اور صدق و امانت اور زہد و ذکر اور عبادت کی شہرت ہو چکی تھی اور سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڑے عابد و زاہد ہیں اور خوابوں کی تعبیر بھی خوب بتاتے ہیں اس لیے جب یہ دونوں قیدی جیل خانہ میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرویدہ اور دلدادہ ہو گئے ان میں سے ایک نے یعنی ساقی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے یعنی نانبائی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیں۔ تحقیق ہم آپ کو نیکوکاروں میں دیکھتے ہیں یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ موصوف پاتے ہیں اور چونکہ ایک کے خواب کی تعبیر منحوس تھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے صراحت تعبیر دینے سے اعراض فرمایا اور یہ سمجھا کہ ایک دن مرنے والا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اول

نہیں ہیں بجز چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ دیئے ہیں، حقیقت میں یہ معبود نہیں مگر اگر تم محض ناموں کی پرستش کرتے ہو تم نے ان بتوں کا نام معبود رکھ لیا محض نام رکھ لینے سے کوئی شئے معبود نہیں ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے معبود ہونے کے بارہ میں کوئی حجت نازل نہیں کی بلا دلیل تم نے ان بتوں کو اور کواکب کو اپنا حاکم خود ٹھہرا لیا ہے تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی، حکم صرف اللہ کے اور کسی کا نہیں چلتا اور اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اسی حکم پر عمل کرو یہی توحید سیدھا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں اس لئے وہ کج راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

تعبیرِ خواب

یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثبات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آقا کو حسب دستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائیگا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائیگا اور دوسرا یعنی نانبائی مجرم قرار دیا جا کر سولی دیا جائیگا پھر پرندے اس کے سر سے گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہا کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کر رہے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصلہ ہو چکا وہ امر جس میں تم دریافت کرتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یہی ہوگا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکم قضا و قدر ہے جو کسی حیلہ بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تین دن میں ایک بڑی ضیافت ہوئی اور دونوں مجرم دونوں جیل خانہ سے بلائے گئے اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں ان کو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساقی سے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بیگناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے

بگو حسرت اندر زندان غریبے ٭ ز عدل شاہ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساقی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساقی کو شاہی تقرب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہ کو یوسف صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لئے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلط کر دیا مدت تک اس کو یوسف کا ذکر کرنا یاد نہ آیا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیقین کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے لئے ایک ظاہری سبب پر نظر کرے۔ اسکو زیبا یہی تھا کہ مجرد حق مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اسکے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اول و آخر ملا کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام تفویض و توکل کی تکمیل ہو گئی مخلوق سے

دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

نکتہ اسباب ظاہرہ سے غرض محمود کے لیے استعانت اور استمداد بلا شبہ جائز ہے عصمت کے منافی نہیں مگر نبی اور صدیق کے لیے اعلیٰ اور افضل یہ تھا کہ اسباب ظاہرہ سے اعراض کرتے چونکہ حضرت یوسف کی یہ تدبیر اسباب ظاہرہ غیر نادرہ سے تھی اس لیے عتاب آیا اور بطور تنبیہ و تادیب العزیز یہ سات سال قید خانہ میں رہے یوسف علیہ السلام نے کسی جنبی عورت کا ارتکاب نہیں کیا جو عصمت کے منافی ہوتا البتہ مخلصین اور مقربین کے لیے جس درجہ کا صبر اور توکل مناسب تھا اس میں خدا کی [illegible] اس کی تکمیل کے لیے تنبیہ کردی گئی کہ صدیقین کے لیے اسباب ظاہرہ کا ترک اولیٰ ہے۔ دیکھو کلید مثنوی تا ... از شرح دفتر ششم ص ۲۲۲

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

اور کہا بادشاہ نے میں (خواب) دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی

يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

ان کو کھاتی ہیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور

وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُءْيَاىَ

دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب

اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ

کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے۔ بولے یہ اڑتے خواب ہیں

وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ

اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں۔ اور بولا

الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ

وہ جو بچا تھا ان دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو

بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو۔ جا کر کہا یوسف اے سچے!

أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

حکم دے ہم کو اس خواب میں، سات گائیں موٹی ان کو کھا دیں سات

عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ

دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی:

لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ

کہ میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید ان کو معلوم ہو۔ کہا

تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ

تم کھیتی کرو گے سات برس لگ کر، سو جو کاٹو اس

فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ

کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو۔ پھر

يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا

آویں گے اس کے پیچھے سات برس سختی کے کہ کھا جاویں جو

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾

رکھا تم نے ان کے واسطے، مگر تھوڑا جو روک رکھو گے۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ

پھر آوے گا اس پیچھے ایک برس اس میں مینہ پاویں گے

النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

لوگ اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

کرواں گا تم مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دے دو۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اس نے جیل خانہ میں جا کر یوسف علیہ السلام سے کہا اے یوسف اے صدیق یعنی مجسم صدق جس سے بیرنگ صدق اور سچائی آپکی ہر حرکت میں تجربہ کئے ہوئے ہے "یعنی آپکا ظاہر و باطن صدق سے لبریز ہے جو بات آپکی زبان سے نکلی ہے وہ سچ ہوئی ہے اور جو پوری ہوتی ہے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں مگر سات دبلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور ان کے علاوہ دوسری سات بالیں خشک ہیں جو ان سات سبز پر لپٹ کر انکو بھی خشک کر دیتی ہیں یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے آپ اسکی تعبیر بتلا دیجئے تاکہ یہ تعبیر لیکر لوگوں کے پاس جاؤں اور امید ہے کہ وہ تعبیر سن کر تیرے مرتبہ اور فضیلت اور رتبہ کو جان لیں گے اور امید ہے کہ وہ مجھے بلائیں گے۔ یوسف صدیق نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ قرار عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی کرو گے یہ سات برس موٹی گائیں اور سات ہری بالیں ہیں اور اسکے بعد سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیں قحط اور خشک سالی کے سات سال ہیں جو گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کو کھا جائیں گے۔ تورات کی تعبیر و تفسیر بین ہے اس لیے قرآنی گائیوں سے زمین کی کاشت کی جاتی ہے اور پھر اس سے کھیتی اور بالیں نمودار ہوتی ہیں۔

اور پھر اس تعبیر کے بعد اس آنے والے قحط کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی اور کہا پس جو کھیتی تم کاٹو اس کو بالوں ہی میں چھوڑ دو تاکہ اسکو گھن یا کیڑا نہ لگ جائے یعنی غلہ کو صاف نہ کرو اور دانوں کو نہ نکالو بلکہ بالوں ہی میں ذخیرہ کرو تاکہ آفتوں سے محفوظ رہے مگر تھوڑا سا بقدر حاجت دانہ صاف کرلو اور باقی کو بالوں ہی میں رہنے دو پھر تعبیر پر زیادہ فرمائی پھر ان سات برس کے بعد جن میں تم کھیتی کرو گے دوسرے سات برس سخت قحط اور خشک سالی کے آئیں گے جن میں سرسبزی اور شادابی نہ ہوگی۔ یہی سات سال خشک بالیں اور سات دبلی گائیں ہیں جو موٹی اور سبز بالوں کو کھا جائیں گی۔ یہ قحط کے سات سال کھا جائیں گے وہ سب جو تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا مگر تھوڑا سا بچے گا جو تم بیج کی غرض سے محفوظ کرلو گے یعنی جس قدر تم تخم پاشی کے لیے بچا رکھو گے۔ وہ تو بچا رہے گا اور باقی ختم ہو جائے گا اور سات دبلی گایوں اور سات خشک بالوں سے قحط سالی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے پھر اس قحط کے سات سال بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگ غیث یعنی بارش یا غوث فریاد رسی سے مدد کئے جائیں گے غیث کے معنی بارش کے آتے ہیں یعنی خوب بارش ہوگی اور غوث کے معنی فریاد رسی کے ہیں یعنی قحط زدہ لوگوں کی باران رحمت سے دستگیری کی جائے گی اور اس سال میں پھل اور انگور اس کثرت سے پیدا ہوں گے کہ لوگ انکا شیرہ نچوڑیں گے اور شراب بنا کر پئیں گے یوسف علیہ السلام نے اول خواب کی تعبیر بتائی پھر ازراہ شفقت و ہمدردی خلائق اسکی تدبیر بتائی کہ اول کے سات سال میں جو غلہ پیدا ہو اس کو حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ آئندہ قحط کے سات سال میں گزارہ کر سکو اس طرح سات سال کی پیداوار سے چودہ سال کا کام چلاؤ پھر اس تعبیر و تدبیر کے بعد یوسف علیہ السلام نے انکو ایک بشارت سنائی۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ

یُغِیثُونَ ۔ یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد نہایت فراخی اور خوشحالی کا سال آئیگا یہ بات آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد جو سال آئیگا اس میں خوب بارش ہوگی اناج خوب پیدا ہوگا یا یہ کہ سنت الٰہیہ ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اب اس شدت کے بعد فراخی آئیگی ۔

نکتہ جب وہ ساقی یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے تعبیر بتلانے میں کوئی شرط نہ لگائی اور نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد تجھ کو میرا خیال آیا اور نہ اپنے لیے اس سے کوئی درخواست کی اس سے حضرات انبیاء کرام کی مروت اور اخلاق کا اندازہ کرلیا جائے اور ساقی کا یوسف علیہ السلام سے اس طرح خطاب کرنا اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ ۔ اے صدق مجسم یہ اس بات کو بتلارہا ہے کہ انبیاء کرام کی صداقت اور راست بازی اور دانشمندی اور دانائی کا سکہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر جمعہ جاتا ہے ۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا آدمی

قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں

الّٰتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ

کی جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے ۔ میرا رب تو ان کا فریب سب

عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ

جانتا ہے ۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف

عَنْ نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

کو اس کے جی سے بولیاں ، حاشا للہ ! ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ

مِنْ سُوْءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

برائی ۔ بولی عورت عزیز کی ، اب

حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ

کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اس کو اس کے جی سے اور وہ

لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ

سچا ہے ۔ یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ وہ عزیز معلوم کرے کہ میں

بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآىِٕنِيْنَ ۝

نے اس کی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا ۔

شاہِ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کیلئے طلب کرنا

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَاۗءَهُ الرَّسُوْلُ ... الیٰ ... لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ

ربط: یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے قاصد کو خواب کی تعبیر دے دی تو قاصد نے آ کر بادشاہ سے خواب کی تعبیر بیان کی اور یہ بھی بیان کیا کہ یوسف صدیق نے آنے والے قحط کی یہ تدبیر بتلائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا اور اس حسن تعبیر اور حسن تدبیر سے یوسف علیہ السلام کی جلالت شان کا سکہ اسکے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی دید اور لقاء سے بہرہ اندوز ہوں اور اسکی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اسکا اعزاز و اکرام کروں چنانچہ قاصد پیغام شاہی لے کر یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا مگر یوسف علیہ السلام نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک جیل خانہ سے نہ نکلوں گا جب تک لوگوں کے سامنے میری براءت اور نزاہت اور میری پاکدامنی ظاہر نہ ہو جائے کہ میں بالکل بے قصور ہوں اور بے قصور مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ اول عورتوں سے اس کی تحقیق کر لی جائے تاکہ آئندہ چل کر کوئی مجھ پر تہمت نہ لگا سکے اور نہ مجھ پر کسی قسم کی بدگمانی کر سکے یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام تو لیا مگر حضرت زلیخا کا نام نہ لیا حالانکہ اصل وہی تھی۔ حق نمک اور حق تربیت کا خیال کیا اور شرم کے مارے اسکا نام نہ لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب وہ قاصد تعبیر لیکر بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو تعبیر نہایت پسند آئی۔ اس وقت بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لیکر آؤ مجھ کو بھی تو معلوم ہو کہ وہ کون شخص ہے خود اسکی زبان سے اپنے خواب کی تعبیر سنوں اور اسکے علم و فضل اور عقل و دانش کے مطابق اسکا اکرام کروں۔ پس جب بادشاہ کا ایلچی خواہ وہ ساقی ہو یا کوئی اور جو یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپکو یاد فرما رہے ہیں چونکہ اس طرح جانا بھی ایک قسم کی رہائی تھی اس لیے یوسف علیہ السلام

نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ جاؤ میں اس وقت تک جیل سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے ان عورتوں کی جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یعنی میں ابھی جیل سے نکلنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ یہ بات کہ اس تہمت سے بری ہونا ظاہر نہ ہو جائے جس کی بنا پر مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہوں اور ان عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی برات اور نزاہت کا اقرار کیا تھا اور سب کے سامنے یہ کہا تھا۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ تحقیق کے بعد جب میری برات ثابت ہو جاوے گی تب یہاں سے نکلوں گا اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی عورت کا ذکر نہ کیا اور احتراز نہیں کیا کیونکہ وہ محسن سیدہ تھی تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ اپنی سیدہ کا کہنا ماننا چاہیے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا۔ اللہ کو تو سب معلوم ہے تم بھی خود تحقیق کر لو تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطا کس کی ہے۔ اصل مکر و فریب تو زلیخا کا تھا مگر چونکہ سب عورتیں اسکی حامی اور مددگار تھیں اس لیے عام عنوان اختیار فرمایا اور گول مول فرمایا۔ اور حیا و شرم کی وجہ سے اصل فریب دہی کا نام نہ لیا کہ جس کے گھر میں پرورش پائی تھی اسکا کیا نام لوں گول مول فرمایا اور سمجھ کر اصل حقیقت بالآخر کھل کر رہے گی۔ غرض یہ کہ ایلچی واپس گیا اور یوسف علیہ السلام کا پیغام ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مع عزیز کی عورت کے طلب کیا جب وہ سب عورتیں مع زلیخا کے حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا اے عورتو! تمہارا اس وقت کیا حال تھا جبکہ تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ کیا یوسف نے بھی تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا؟ بادشاہ کے اس سوال سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ پھسلانے والی اور اپنی طرف بلانے والی عورتیں تھیں اور یوسف علیہ السلام نے ان کو نہیں پھسلایا تھا بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسف تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسف سے کیا چاہتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا علم یقینی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی خواہش نہ تھی اور درخواست اور اصرار اور دھمکانا عورتوں کی طرف سے تھا اصل پھسلانے والی صرف زلیخا تھی مگر بادشاہ نے بلحاظ پردہ پوشی زلیخا کو مخاطب نہ کیا بلکہ ان عورتوں کو مخاطب کیا جنہوں نے یوسف سے کہا تھا کہ اپنی سیدہ کا حکم مانو۔ تمام عورتیں یک زبان ہو کر بولیں حاشا للہ یعنی اللہ کی پناہ ہم نے یوسف پر کوئی تہمت نہیں لگائی ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ ہاں تو کیا پس تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ عزیز کی عورت یعنی زلیخا جو اس وقت وہاں مجلس میں موجود تھی بولی کہ اب حق سب کے سامنے بالکل ظاہر ہو گیا اور چھپانا بیکار ہے بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ میں نے ہی یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ یوسف تو مجھ سے نفرت اور بیزار ہو کر بھاگ جا رہا تھا اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے یوسف نے جو اپنی برات کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ بالکل حق اور صدق ہے۔

نکتہ خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہ ہوتا ہے جو حفیظ و علیم کا مصداق ہو پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کے حال پر ایک نظر ڈالو! یوسف صدیقؑ کا نمونہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔

اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسفؑ کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور سلطنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس سرزمین میں جہاں چاہیں رہیں۔ قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فراخ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت و ثروت سب ہیچ ہے یعنی یوسفؑ کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السلام نیکوکار تھے اور پرہیزگار بھی کہ بدولت قعر چاہ سے نکل کر تخت شاہی پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر و ثواب ان کے لیے مقدر ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور برتر ہے۔

بہ بیں دعوتی کے قدر یافت ۔ کہ او جانب صبر و تقویٰ فتاد

خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچایا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرمانروا بنایا شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیمؑ اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہو اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ (موضح القرآن)

وَجَاۤءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے

فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

پاس تو اس نے پہچانا ان کو اور وہ نہیں پہچانتے اور جب تیار کر دیا ان کو

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ

ان کا اسباب کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے

مِّنْ اَبِیْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا

باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں بھرتی اور خوب

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝٥٩ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ

طرح کا اتارتا ہوں پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو بھرتی نہیں

لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝٦٠ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تم کو میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ بولے ہم خواہش کریں گے اس سے

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝٦١ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا

باپ سے اور البتہ ہم کو کرنا ہے اور کہہ دیا خدمت گاروں کو اپنے رکھ دو

بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا

ان کی پونجی ان کے بوجھوں میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر

اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٦٢ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى

جاویں اپنے گھر شاید وہ پھر آویں پھر جب پھر گئے اپنے

اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ

باپ پاس بولے اے باپ بند ہوئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ

اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝٦٣ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ

بھائی ہمارا کہ بھرتی لاویں اور ہم اس کے نگہبان ہیں کہا میں اعتبار کروں تمہارا

عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ

اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر پہلے سو اللہ

خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝٦٤ وَلَمَّا فَتَحُوْا

بہتر ہے نگہبان اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان اور جب کھولی اپنی

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا

چیز بست پائی اپنی پونجی پھیری آئی ان کی طرف بولے

يَآ أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ

اے باپ ہم اور کیا مانگتے ہیں یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور رسد لاویں

أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ

ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی

كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ

وہ بھرتی آسان ہے کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اسکو تمہارے ساتھ جب تک دو مجھ کو

مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ

عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس اسکو مگر کہ گھیرے جاؤ تم سارے

فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ

پھر جب دیا اسکو عہد سب نے بولا اللہ کا ہے جو باتیں ہم

وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ

کہتے ہیں اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے

وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم

اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو

مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ

اللہ کی کسی چیز سے، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ

اور اسی پر بھروسا چاہئے بھروسا کرنے والوں کو اور جب داخل ہوئے جہاں

حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ

سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو

اللہ

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا

اللہ کی کسی چیز سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو کر چکا

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اور وہ تو خبردار تھا جو ہم نے سکھایا تھا لیکن بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾

خبر نہیں رکھتے

ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام

قال اللہ تعالیٰ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ ۔ الی ۔ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

ربط۔ غرض یہ کہ اس طرح یوسف علیہ السلام کو حکومت مصر پر اقتدار اور اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ نے سلطنت کا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا اور ارکان دولت اور وزراء اور امراء نے سر تسلیم خم کر دیا اور یوسف علیہ السلام نے زمین کی پیداوار کا انتظام شروع فرمایا اور لوگوں کو کھیتی کرنے کا حکم دیا جیسے خواب تھا غلہ پیدا ہوا سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا رہا اس میں سے بقدر ضرورت و کفایت لوگوں کو دیتے اور باقی کو جمع رکھتے یہاں تک کہ غلہ کا اس قدر ذخیرہ ہو گیا جو سالہا سال کام آسکے چونکہ حق تعالیٰ نے قبل از وقوع قحط اس سے آگاہ فرما دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام فرمایا دوسرے ملک والوں کو چونکہ اس کا کچھ علم نہ تھا اس لیے وہ انتظام نہ کر سکے اس انتظام میں سات سال گزر گئے اب اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور مصر اور شام کے تمام علاقوں میں قحط عام ہو گیا جس سے لوگ پریشان ہو گئے یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو غلہ دینا شروع کیا کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ غلہ نہ دیتے تھے اگرچہ وہ حقدار اور حاکم ہو جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے تو اطراف و اکناف سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے اور کنعان میں بھی قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ لینے کے لیے مصر آئے اور من جانب اللہ وقت آیا کہ یوسف کے ہاتھ سے ان بھائیوں پر احسان کرائیں جنہوں نے یوسف کے ساتھ برائی کی تھی یعقوب علیہ السلام کو جب مصر کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مصر کا بادشاہ بڑا نیک بخت ہے لوگوں

کو غلہ دیتا ہے تم بھی اس کے پاس جاؤ اور غلہ لاؤ غرض یعقوب علیہ السلام نے دسوں بیٹوں
کو مصر بھیج دیا اور یوسف کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا پس جب یہ دس بھائی یوسف
علیہ السلام کے سامنے آئے تو یوسف علیہ السلام نے تو جب ہی فوراً ان کو پہچان لیا پر وہ ان
سے ناآشنا ہی تھے یعنی وہ لوگ یوسف کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام
کو صغر سنی میں چھوڑا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزر چکے تھے پھر یہ
کہ یوسف علیہ السلام اس وقت لباس شاہانہ میں تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھے ایسی حالت
میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جلیل القدر رئیس ہمارا بھائی ہے جس کو ہم نے معمولی قیمت میں ایک
قافلے کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے
چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تاکہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں غرض یہ کہ جب بھائی یوسف کے
سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا یوسف
علیہ السلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات
پوچھے تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں
ہمارا گزران معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں اس لیے ہم تیرے پاس
غلہ لینے کے لیے آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا کہیں ایسا تو نہیں کہ تم جاسوس ہو اور تم
ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہو انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ ہم جاسوس نہیں ہم سب ایک باپ کے
بیٹے ہیں ہمارا باپ بہت بوڑھا اور راست گفتار ہے اس کا نام یعقوب ہے وہ اللہ کا نبی ہے
یوسف علیہ السلام نے کہا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے کہا ہم کل بارہ بھائی تھے اور ایک بھائی ہمارے
ساتھ جنگل گیا اور ہلاک ہو گیا ہمارے باپ کو اس کے ساتھ ہم سب سے زیادہ محبت تھی یوسف
نے کہا کہ اب تم یہاں کتنے ہو انہوں نے کہا کہ ہم دس ہیں یوسف نے کہا گیارھواں کیا ہوا انہوں
نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہے باپ نے اس کو اپنے پاس روک لیا کیونکہ وہ ہلاک شدہ
بھائی کا سگا بھائی ہے باپ اس سے تسلی پاتا ہے یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کوئی ہے جو اس کی
تصدیق کر سکتا ہے کہ تم سچے ہو تو انہوں نے کہا ہم پردیس میں ہیں یہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا
یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اب کی دفعہ تم اس سوتیلے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لے کر آنا اس
سے تمہارا سچ معلوم ہو جائے گا بعد ازاں یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دینے کا حکم دے دیا
اور جب یوسف نے ان کا سامان سفر کا تیار کر دیا اور ہر ایک کے اونٹ پر گیہوں لدوا دیئے تو
وہ بولے کہ ہمارا ایک بھائی جس کو باپ نے تسلی کے لیے روک لیا ہے اس کے حصہ کا بھی
ایک اونٹ غلہ کا دے دیا جائے تو یوسف نے کہا یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کو اپنا حصہ لینا
ہے تو خود آکر لے جائے اور ان کو رخصت کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اب کی دفعہ تم اپنے اس

یوسف

بھائی کو بھی ساتھ لانا جو تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے یعنی اپنے علاتی بھائی کو ساتھ لانا تاکہ اس کا حصہ بھی دیا جا سکے کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کر پورا دیتا ہوں اگرچہ اس کی قیمت بلند کی نہ ہو اور علاوہ ازیں میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں باوجود حاسدوں کے امتحان اور مکان کے میں نے تمہاری مہمانداری میں کوئی کمی نہیں کی اب کی دفعہ تو تو بھائی کو بھی ساتھ لانا تاکہ اس کے حصہ کا غلہ اس کو مل سکے پس اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو دیکھ لو یہ ہوگا کہ تمہارے حصے کے میرے پاس غلہ کا کوئی ماپ نہ ہوگا اور وجہ یہ کہ تم میرے پاس بھی مت آنا پھر تمہیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میری نظر میں تم ملزم ٹھہرو کہ بھائی کو ساتھ نہ لانے سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر بھائی کے نام سے زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے وہ بولے ہم تاحد امکان اس کے متعلق اس کے باپ سے گفتگو کریں گے اور یقیناً ہم اس کام کو کریں گے یعنی جتنی بھی کوشش ہو سکے گی اس میں کمی نہ کریں گے باقی اختیار باپ کو ہے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان کی پونجی جو وہ غلہ کی قیمت میں لائے تھے انہی کے اسبابوں یعنی بوریوں میں رکھ دو شاید یہ لوگ جب اپنے گھر جائیں تو اس کو پہچانیں کہ یہ کس قدر جود و کرم ہے کہ غلہ بھی دیا اور قیمت بھی ان کی واپس کر دی اور واپس بھی اس طرح کیا کہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہونے پائی شاید وہ اس جود و کرم کو دیکھ کر دوبارہ واپس آئیں قیمت کو اس طرح واپس کرنے میں چند حکمتیں تھیں اولاً یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قیمت لینا مروت کے خلاف سمجھا ثانیاً یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے ان کے پاس اور قیمت نہ ہو اور پھر غلہ لینے نہ آئیں اس لیے ان کی قیمت واپس کر دی تاکہ قیمت پا کر پھر غلہ لینے آئیں ثالثاً یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ ایسی طرح احسان کرنا چاہا کہ ان کو ندامت اور عار نہ ہو کیونکہ اگر ظاہری طور پر قیمت واپس کرتے تو شاید وہ منظور نہ کرتے رابعاً یوسف علیہ السلام نے خیال کیا کہ جب یہ قیمت واپس پائیں گے تو ان کی امانت و دیانت اور مروت اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ضرور واپس آئیں اور اس پونجی کی واپسی کا سبب دریافت کریں اور کوشش کریں کہ یہ قیمت واپس مل جاوے خامساً یہ چاہا کہ اپنے باپ کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ یہ اکرام کیا ہے اور مزید کرم سے وہ بھی ح بھائی کے طلب کیا ہے تو یہ سن کر باپ کو بھائی کا بھیجنا گراں نہ گزرے اور جب قیمت ان کے پاس ہوگی تو دوبارہ آنے میں سہولت ہوگی غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان میں یہاں بھی یہ ملحوظ رکھا جیسا کہ بھائیوں نے برائی میں یہ ملحوظ رکھا تھا (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۵)

پس جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے سارا حال بیان کیا اور شاہ مصر کی بہت تعریف کی کہ بڑا عادل ہے اس نے ہمارا اکرام کیا اور ہماری بڑی خاطر داری کی یعقوب

علیہ السلام یہ سن کر خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعا دی اور کہنے لگے کہ ہمارے والد بزرگوار آئندہ کے لیے ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے کہ جب تک اپنے علاتی بھائی کو نہ لاؤ گے اس وقت تک تم کو کیل (یعنی غلہ) کا پیمانہ بھی نہیں دیا جائے گا لہٰذا آپ ہمارے ساتھ بھائی بنیامین کو بھیج دیجیے تاکہ ہم دوبارہ غلہ لا سکیں کیونکہ پہلی مرتبہ غلہ دیتے وقت ہم سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو غلہ نہیں دیا جائے گا اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے اور ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تحقیق ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے کوئی برائی اور تکلیف ان کو پہنچنے نہیں دیں گے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں رہنے دو کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسفؑ کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں یعنی میں بنیامین کے بارہ میں تمہارا اعتبار کس طرح کروں یہی بات جو تم اب کہتے ہو وہی بات تم نے اس کے بھائی یوسفؑ کے بارہ میں بھی تھی اور تم نے مجھ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا مگر وہ غلط نکلا اب اس کے بارہ میں مجھے تمہارا اعتبار کس طرح ہو سکے سو خیر اگر تم بنیامین کو لے ہی جاؤ گے تو اللہ کے سپرد ہے وہ سب سے بڑھ کر محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ میرا بھروسہ خدا کے فضل پر ہے نہ کہ تم پر اور تمہاری حفاظت پر کوئی بھروسہ نہیں میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی حفاظت پر چھوڑتا ہوں اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ مجھ پر دو بیٹوں کی مصیبت کو جمع نہ کرے گا اور اس گفتگو کے بعد جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا جو مصر سے لائے تھے تو اس میں اپنی پونجی کو پایا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی پونجی سے مراد وہ قیمت ہے جو غلہ کے عوض میں دے کر آئے تھے اس کو دیکھ کر وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے جب دیکھا تو کہنے لگے اے ہمارے مشفق و رحیم باپ بتلائیے اور ہم کو کیا چاہیے کہ بادشاہ نے ہمارا اکرام کیا اور ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور پھر ہماری قیمت بھی اسی طرح واپس کر دی کہ ہم کو خبر بھی نہ کی دیکھ لیجیے یہ ہماری پونجی سامنے ہے جو ہم کو واپس کر دی گئی اس سے بڑھ کر بادشاہ سے کس چیز کو چاہیں بس بادشاہ کی اس شفقت و عنایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ ہم کو دوبارہ بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں جیسا کہ بادشاہ کی شرط ہے اور اس طرح ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور آئندہ وقت میں اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلہ جو اس وقت ہم لائے ہیں یہ قلیل مقدار ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بغیر بھائی کے ساتھ لیجائے دوبارہ غلہ ملنا ممکن نہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمان نہ

بے خبری کا الزام ان پر لگا جس کی تدبیر سے تقدیر نہ رفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف سے آ گئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے ظاہری اسباب کو جمع کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا

أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا

اپنے بھائی کو کہا میں ہوں تیرا بھائی سو تو غمگین نہ رہ ان کاموں سے جو

يَعْمَلُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ

کرتے رہے ہیں پھر جب تیار کر دیا ان کو اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا پیالہ

فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ

بوجھ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلے والو! تم تو

لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ﴿۷۱﴾

چور ہو کہنے لگے منہ کر کر ان کی طرف تم کیا نہیں پاتے

قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ

بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی وہ لاوے اس کو ایک بوجھ

بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم

اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن کہنے لگے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے

مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿۷۳﴾

ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ

کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے بوجھ میں ہاتھ آئے وہی جاوے اس کے بدلے میں

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ

ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو پھر شروع کیا یوسف نے ان کی خرجیاں

وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ

دیکھنی پہلے اپنے بھائی کی خرجی سے آخر وہ برتن نکالا خرجی سے اپنے بھائی کی

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ

یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

انصاف میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں

مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا

جس کو چاہیں اور ہر خبر والے سے اوپر ہے ایک خبردار کہنے لگے

اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا

اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی ایک اس کے بھائی نے بھی پہلے تب آہستہ کہا

يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ

یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا بولا کہ تم بدتر

مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا

ہو درجے میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بتاتے ہو کہنے لگے اے

ربع

الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ

عزیز! اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک ہم میں سے اس کی جگہ

إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن

ہم دیکھتے ہیں تجھ کو احسان کرنے والا بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی

نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا

کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز، تو تو ہم

لَّظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾

بے انصاف ہو گئے

بار دوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ ... الیٰ ... إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ

ربط: یہاں تک برادران یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب بار دوم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سوتیلے مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاتی بھائی کو اپنے ساتھ لے آئے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسف نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا راحیل یوسف نے پوچھا کہ کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسف نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوب اور راحیل نے نہیں جنا اس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو

تیرے ساتھ جو بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب
غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت سے اور پھر ان کے حسد سے تم کو اس منزل پر پہنچایا، یہ وقت تو رنج
کا ہے اور نہ شکوہ و شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے، بنیامین نے جب یہ سنا
تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور شکر اپنے حال پر کہنے لگے۔

آنچہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب ۔ خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر
کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہو گی، بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں، جب یوسف علیہ
السلام نے ان کا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی
کے سامان میں خود رکھ دیا، کسی راز دار خادم سے رکھوا دیا، خود کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے
کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہو چکے
پھر جب وہاں سے روانہ ہو گئے اور شہر سے باہر نکلے تو پیچھے پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ
والو! تم چور ہو کیونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں
شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارندوں نے مہمان خانہ کے سامان کی خبر گیری کی تو
دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو تلاش شروع کی جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ
میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لئے منادی نے جا کر آواز دی۔

اے قافلہ والو! ٹھہرو، ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو، بظاہر یہ منادی یوسف علیہ
السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں
وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اسی لیے خدام
نے اپنے گمان کے مطابق کہا کہ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ، عہ [illegible]

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز دینا یوسف علیہ السلام
کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق توریہ و اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور
چھپاتا ہے تاکہ آئندہ اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ

عہ تفسیر میں ہے [illegible] قال الامام الاقرب الی ظاہر الحال انہم فعلوا ذلک من انفسہم
لانہم لما طلبوا السقایۃ وما وجدوا وما کان ہناک احد الا ہم غلب علی ظنونہم انہم ہم الذین
اخذوہا تفسیر کبیر ص ۵۲۰ [illegible] ثم ان اصحاب یوسف طلبوا السقایۃ ولما لم یجدوا وما کان ہناک
احد غیر الذین [illegible] غلب علی ظنہم انہم الذین اخذوہا فنادی المنادی من بینہم علی
حسب ظنہم انکم لسارقون [illegible] روح المعانی ص ۲۹ جلد ۵

سے چرا لیا اور سے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ إِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ میں ہمزۂ استفہام مقدر ہے یعنی أَإِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا۔ تفسیر کبیر ص ۱۸۲ جلد (۵)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف کے بن یامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔

(دیکھو تفسیر مظہری ص ۱۹۸ جلد ۵، اور تفسیر قرطبی ص ۲۳۳ جلد ۹)

الغرض جب یہ آواز یعنی أَيَّتُهَا الْعِيْرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا گئے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہارا کیا گم ہوا ہے جس کو تم ڈھونڈتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ نہیں پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں نائب انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہوگا اہل قافلہ نے کہا قسم اللہ کی تحقیق تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے ہم نے فقط قحط کی وجہ سے غلہ خریدنے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر توبڑے چڑھا دیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳۳ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (القرطبی۔ والله اعلم بحال اسناده) الغرض جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و ملامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق تہمت تو قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسف کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی شروع کی اور بعد اخیر میں اپنے بھائی کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنا لیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنا لو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جائے بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دو چند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہرحال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ اسی صورت سے جو بتلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسف کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو باپ اور بھائی کے نزدیک کیا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسف کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ سب کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے لہٰذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی۔

فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ حیلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطال حق یا احقاق باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے سفاتین اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء سے توریہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیم کا توریہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں توریہ فرمانا اور ابو رافع کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو توریہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ توریہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ توریہ حیلہ قولی ہے اور حیلہ بھی فعلی ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا جیسا کہ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور

اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ یعنی اے ایوبؑ تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے مار دو اور قسم نہ توڑو" یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا ھٰذِہٖ اُخْتِیْ یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لئے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہٗ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔

مجملہ افعال خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور کید اور مکر کی حقیقت حیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السمٰوٰت والارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہٗ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے حیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور خفیہ حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لئے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

الغرض جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لئے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارہ میں مفسرینؒ نے کئی قصے بیان کئے ہیں مجاہدؒ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک پٹکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس پٹکے کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور

یہ ظاہر کیا کہ وہ پٹکا جو مجھ کو اسحاقؑ سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہوگیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ پٹکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسفؑ نے میری چوری کی ہے لہٰذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کر دو تاکہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کروں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوگئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسفؑ کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا بس بنیامین کے معاملہ میں برادران یوسفؑ نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا (تفسیر قرطبی ص ۲۳۹ ج ۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انباریؒ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آکر یوسف علیہ السلام کے ان افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت برے ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کرتے ہو جیسے اگر چوری ہے تو تم تو وہ ہو جنہوں نے بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت و خوشامد کرنے لگے اور یوسف سے کہا اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسفؑ کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے بہت محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اس غم میں مر نہ جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ

دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو ظاہر ہے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کاروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خود حق تعالیٰ نے یہ حیلہ بتلایا -

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں ٭ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کریں تو ظالم ٹھہریں، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے بھائی کو روکنے کا حکم دیا ہے ہم اگر اس کو چھوڑ دیں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لیں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہریں گے کیونکہ یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مصلحتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خدا اور نبی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب بعد ختم نبوت کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ

پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے بیٹھے مصلحت کو

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ

بولا ان میں کا بڑا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد

مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ

اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ

سو میں تو نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا فیصلہ

اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

کرے اللہ میرے حق میں اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا، پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس

فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا

اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم

بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ۝٨١ وَاسْأَلِ

کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی خبر یاد نہ تھی اور پوچھ لے

الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ

اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں

وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝٨٢ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ

اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں بولا کوئی نہیں، بنا لی ہے تمہارے جی نے ایک

أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ

بات اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝٨٣ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ

سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا اور الٹا پھرا ان کے پاس سے

وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ

اور بولا اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝٨٤ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ

غم سے سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یاد

يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ

یوسف کی جب تک کہ گل جاوے یا ہو جاوے

الْهَالِكِينَ ۝٨٥ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى

مردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی

اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ یٰبَنِیَّ

پاس اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے   اے بیٹو!

اذْھَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْہِ وَلَا تَایْــَٔسُوْا

جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور مت نا امید ہو

مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ۭ اِنَّہٗ لَا یَایْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا

اللہ کے فیض سے   بے شک نا امید نہیں ہوتے   اللہ کے فیض سے   مگر

الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾

وہی لوگ جو منکر ہیں

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوم

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا اسْتَیْــَٔسُوْا مِنْہُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ۔ الیٰ ۔۔۔ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ

ربط: گزشتہ آیات میں برادران یوسفؑ کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جب برادران یوسفؑ بنیامین کی رہائی کے بارہ میں یوسف علیہ السلام سے بالکل ناامید ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے پس جو ان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی حفاظت کے بارہ میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارہ میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمین مصر سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سو اے بھائیو! تم مجھ کو تو یہیں چھوڑ دو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر ان سے جا کر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اسی سبب سے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اسی چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے حفاظت کا عہد

کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں خبر نہیں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیالہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیالہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہرحال ہم غیب داں نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر بستی والوں سے دریافت کرالیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور آپ اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بیشک ہم سچے ہیں، جب یہ قول جب بیٹے ابا یعقوب علیہ السلام سے حال عرض کیا کہ بن یامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دل نے کوئی بات بنالی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار یوسف کے بارے میں کہا تھا کہ یوسف کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اسی طرح جب دوسری مرتبہ بیٹوں نے آکر چھوٹے بیٹے کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اور بیٹوں کے اس قول کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی اور وہ بالکل سچی بات کہہ رہے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو نکلا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسف بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسف ہی کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے یعقوب کا یہ کلام بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا بالکل صادق اور صحیح ہے کہ چوری کی یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اصل میں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تو سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین کرام نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم خود سے حفاظت کے عہد و پیمان کر کے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم نے اتنا بھی نہ جانا کہ یہ سمجھتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہو گئی ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلاف قانون بادشاہ مصر کو شریعت ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چوری کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر عمل درآمد کر سکتا تھا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہیے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو جب چور کو سزا دی جا سکتی ہے بہرحال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری کا باعث تمہارا نفس ہے کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا میرا چارہ کار صبر جمیل

مجھے درد دیا وہ بھی جانتا ہوں کہ یوسفؑ زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ لیجیے آپ تو صبر سے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر ختم ہو (روح المعانی)

بہرحال یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن ہم کو حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لئے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسفؑ کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا۔ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری کامیابی ہو اور توقع ہے بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرام علم الٰہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اسلئے ابتداء میں جب کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الٰہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز!

مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو

فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات

الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم

کرنے والوں کو کہا کچھ خبر رکھتے ہو کیا کیا تم نے یوسف سے

بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ

اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی بولے کیا سچ تو

لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ

ہی ہے یوسف کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

نے احسان کیا ہم پر، البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا ۔ بولے قسم ہے اللہ کی! البتہ

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

تجھ کو پسند رکھا اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے ۔ کہا کچھ

تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ

الزام نہیں تم پر آج، بخشے اللہ تم کو، اور وہ ہے سب مہربانوں

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى

سے مہربان ۔ لے جاؤ یہ کرتہ میرا اور ڈالو منہ پر میرے باپ

وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ

کے کہ چلا آوے آنکھوں سے دیکھتا اور لے آؤ میرے پاس گھر

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

سارا ۔

بارسوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام برائے تفحص یوسف و بنیامین

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ ... الی ... وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو حکم دیا کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو واپس لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسفؑ کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام

کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے کچھ تھوڑی سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا۔ جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں بلکہ ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپ مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجئے اور ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ کیجئے اور ہم مستحق نہیں لیکن آپ ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ عاجزی اور درد مندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہ کی طرف سے اجازت مل گئی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہو چکا تھا پھر یوسف علیہ السلام نے فرمایا بطور ملامت تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ نادانی کا تھا اس وقت تم کو برے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں گزر گئے اور اب تم ہوش میں آ گئے ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف کا خواب اس طرح پورا ہوگا کہ جس کو بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسف تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسف کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف علیہ السلام ہے یہ حال اور کمال سوائے یوسف کے کس میں ہے کیا تو ہی یوسف ہے۔

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے ملنے اور مجتمع ہونے کے لیے متکلم پدر تم بھی ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر دراہم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک جو خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے کہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطا وار تھے بس ہم کو معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے میں نے جب تم پر رحم کیا تو وہ کیوں نہ رحم کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں

علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے بلکہ وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرام تو ہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں ادا کیا ہے

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند ۔ کہ اے عاقل گہر پیر خرد مند

ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ۔ چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

بگفت احوال ما برق جہان است ۔ دمے پیدا و دیگر دم نہان است

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا یکایک اثنائے خطبہ میں فاروق اعظم نے سردار لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریۃ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھو مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمرؓ کی آواز مدینہ سے سفر کر کے نہاوند پہنچی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں۔ اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صدہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ پس اگر اسی طرح کسی وقت باد صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ بندے کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کونسا محال ہے اس کو قبول کر لو اپنے وسوسوں سے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

غرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اور آپ سے ملیں گے اور خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسفؑ کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب حضرت بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر بھیجا ہے تو اس بشیر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اسی وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں

کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اول ہی سے یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دینے والے سے پوچھا کہ تو نے یوسف کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تم نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱ ج ۹)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والدین کے قدموں پر گر گئے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجیے بے شک ہم خطاوار ہیں ہم نے یوسف کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر کے وقت دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود بھی ہمارا قصور معاف فرما دیں اور خدا تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں تاکہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں اور

قَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ

کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو

جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۡ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

میرے رب نے سچ کیا ہے اور مجھ سے اس نے خوبی کی جب مجھ کو نکالا

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

قید سے، اور تم کو لے آیا گاؤں سے، بعد اس کے کہ

نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ

جھگڑا اٹھایا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں، میرا رب تدبیر سے

لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

کرتا ہے جو چاہے، بے شک وہی ہے خبردار حکمتوں والا

بارِ چہارم آمدنِ برادرانِ یوسف علیہ السلام مع والدین و اہل خود

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ ... الیٰ ... هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

وربط) بعد ازاں یعقوب علیہ السلام اپنے سارے کنبے سمیت مصر کو روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام خبر سن کر مصر سے باہر استقبال کے لیے نکلے پس جب یعقوب علیہ السلام مع خاندان کے یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اس جگہ میں ٹھہرا دیا جس کو ان کے استقبال کے لیے آراستہ کیا تھا اور پھر ملاقات سے فراغت کے بعد سب سے کہا اب انشاء اللہ امن اور اطمینان کے ساتھ اندرون مصر تشریف لے چلئے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنے والدین کو تختِ شاہی پر بٹھایا اور اس پرشوکت منظر کو دیکھ کر سب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت و جلال ایسی غالب آئی کہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا اب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام اور ممنوع قرار دیا گیا والدین کا اور بھائیوں کا یہ سجدہ بطور تحیت و سلام اور بطریق تعظیم و اکرام تھا نہ کہ بطریق عبادت اس لیے کہ سجدۂ عبادت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور سجدۂ تعظیمی پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اور ابوین جس کے معنی ماں باپ کے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے حقیقی ماں باپ مراد ہیں یا باپ اور خالہ مراد ہیں اس لیے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ اس واقعہ سے پیشتر وفات پا چکی تھیں اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کرنے والی حضرت یوسفؑ کی خالہ تھیں اور خالہ بھی بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور محمد بن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ یہ

ان کی حقیقی ماں تھیں اس وقت وہ زندہ تھیں اور وہی ساتھ آئی تھیں اور کسی دلیل صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ ان کی والدہ مر چکی تھیں اور ظاہر قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ماں باپ دونوں زندہ تھے (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

اور جب سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں جا گر گئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے والد بزرگوار یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا تحقیق میرے پروردگار نے اس کو پورا کر کے دکھلایا خدا نے جو خواب دکھلایا اب اس کی تعبیر دکھلادی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں اور یوسف علیہ السلام نے یٰۤاَبَتِ سے صرف باپ کو خطاب کیا اور ماں کو خطاب نہ کیا کیونکہ ماں علم تعبیر کی عالم نہ تھیں علم تعبیر کے عالم صرف باپ تھے اس لیے کہا یٰۤاَبَتِ اے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا اور جس کے ظہور کے آپ منتظر تھے اور نور نبوت سے آپ کو معلوم تھا کہ یہ خواب ضرور پورا ہوگا اللہ نے اس کو سچ کر دیا اور یہ اسی کا فضل اور احسان ہے اور اسی نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور مجھ کو اسی مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو دیہات سے شہر میں لایا اور مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے کے احسان کا ذکر فرمایا اور کنوئیں سے نکلنے کے احسان کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں اور ایک قسم کی معذرت بھی کر دی کہ میرے اور بھائیوں کے درمیان جو جھگڑا پیدا ہوا وہ سب شیطان کا ڈالا ہوا تھا شیطان اگر درمیان میں نہ گھستا تو بھائی مجھ سے ہرگز نہ جھگڑتے سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے کہ نیک قدم ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں مگر گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اسی کی لطف تدبیر سے سب آسان ہو جاتا ہے بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے بھلا کنعان سے نے کہ اس وقت تک چالیس سال گزر گئے اور قسم قسم کے ابتلاء پیش آئے اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ البالی اور کمال عیش و عشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسد مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کو رکھ کر شام لے

گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عیص نے انتقال کیا دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس (۱۴۷) برس ہوئی یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچا کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آ گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۶۵ جلد ۹)

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ
اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت، اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي
باتوں کا، اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی ہے میرا کارساز

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
دنیا میں اور آخرت میں، موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو

بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۰۱)
نیک بختوں میں

خاتمۂ قصہ بر دعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ ... الٰی ... وَاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ؕ

(ربط) یوسف علیہ السلام باپ کے دفن کے بعد مصر واپس آ گئے اور باپ کی وفات[1] کے بعد تیئس ۲۳ سال زندہ رہے۔ باپ اور چچا کی وفات کے بعد آخرت کا شوق غالب ہوا اور یہ دعا شروع کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو دینی اور دنیوی اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے تو نے مجھے ملک مصر کی سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم مجھ کو سکھایا اور نبوت اور صدیقیت عطا کی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں پس جس طرح تو نے میری دنیا کو درست کیا

[1] دیکھو تفسیر کبیر صفحہ [illegible] جلد ۵۔

اسی طرح میری آخرت کو بھی درست فرما اور اسلام کی حالت میں مجھے موت دے یعنی حق اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مجھے وفات دے اور مجھ کو نیک بختوں کے ساتھ ملا دے یعنی میرے آباء واجداد ابراہیم و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ملا دے اور انہی کے زمرے میں مجھے پہنچا دے۔
جاننا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تمنائے موت نہیں کرتی تھی بلکہ اسلام پر موت آجائے کا مطلب یہ تھا کہ جب وقت مقدر پر میری موت آئے تو وہ موت دین اسلام ہی پر آئے اور طریق صالحین پہ مجھے حشر ہو بہر حال یہ دعا موت کی دعا نہیں بلکہ حسن خاتمہ کی دعا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب مجھ کو موت آئے تو اسلام پر آئے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مروں یہی دعا ہر مسلمان کو مانگنی چاہیے حسن خاتمہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(آمین یارب العالمین)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں آخر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۱۲)
اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔
یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی لڑکوں کے نام افرائیم اور منشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئی جب آپ نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپ کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تاکہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا گیا اور جب حسب وصیت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور شام میں لے جا کر ان کے آباء کرامؑ کے پہلو میں ان کو دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے زمانے کے بعد سلطنت مصر حسب سابق فراعنۂ مصر کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔
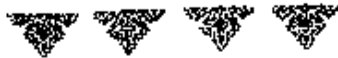
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا

لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَا

اُن کے پاس، جب ٹھہرانے لگے اپنا کام اور وہ فریب کرنے لگے اور نہیں

أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ

اکثر لوگ یقین لانے والے، اگرچہ تو للچاوے اور تو مانگتا نہیں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ وَ

ان سے اس پر کچھ بدلہ، یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو اور

كَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم

ہو کر گزرتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ

بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ

اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں کیا نڈر ہوگئے ہیں کہ آ ڈھانکے ان کو

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آپہنچے قیامت

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي

اچانک اور ان کو خبر نہ ہو کہہ دے یہ میری راہ ہے

أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے

وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والا اور جتنے بھیجے

مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْٓ إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى

ہم نے تجھ سے پہلے ، یہی مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا آخر ان کا

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

جو ان سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے

لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى إِذَا اسْتَيْئَسَ

پرہیزگاروں کو اب کیا تم نہیں سوچتے یہاں تک کہ جب نا امید ہونے

الرُّسُلُ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو مدد ہماری

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتی نہیں آفت ہماری قوم

الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي

گنہگار سے البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل

الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ

والوں کو کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام

الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

کے جو اس سے پہلے ہے اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ سجھانی

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور مہربانی ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

خاتمۂ سورت بر اثباتِ رسالتِ محمدیہ وتہدید منکرین و بیان حقانیت کتاب مبین

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ... الٰی ... وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

(ربط) یہ سورت ان سائلین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ سے بطریق امتحان یوسف علیہ السلام کا قصہ دریافت کیا تھا اب خاتمۂ سورت پر یہ بتلاتے ہیں کہ یہ قصہ آپ کی نبوت کی کس طرح دلیل بنا چنانچہ فرماتے ہیں یہ احسن القصص یعنی یوسف علیہ السلام کا قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کے علم کا سوائے وحی خداوندی کے کوئی ذریعہ نہیں ہم صرف وحی کے ذریعے آپ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور یہ آپ کی نبوت کی دلیل قاطع ہے کیونکہ آپ تو اُمی ہیں کتابیں پڑھنا نہیں جانتے اور نہ آپ نے یہ قصہ کسی سے سنا ہے پس آپ کے پاس اس قصہ کے معلوم ہونے کا سوائے وحی الٰہی کے کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا اس قصہ کو اس حسن ترتیب اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا آپ کا کھلا معجزہ ہے۔ اور آپ کی نبوت کی شافی اور کافی دلیل ہے اور اے نبی! آپ یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے متعلق پختہ ارادہ کر رہے تھے اور وہ اس کی تدبیریں کر رہے تھے پس آپؐ نے جب یہ واقعہ نہ خود دیکھا اور نہ کسی سے سنا تو معلوم ہوا کہ آپ صاحب وحی اور صاحب نبوت ہیں اور باوجود ان شواہد اور دلائل کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ کتنی ہی حرص کریں کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ وہ اللہ کے علم میں اہل شقی ٹھہر چکے ہیں یہود اور قریش نے امتحاناً آپ سے یہ قصہ دریافت کیا تھا آپؐ نے وحی الٰہی کی مدد سے اس کو صحیح صحیح بیان کر دیا اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آپؐ کو رنج ہوا اور اے نبی! آپ ان سے اس تبلیغ اور نصیحت پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتے کہ اس کے نہ ملنے سے آپ کا نقصان ہوتا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لیے نصیحت ہے جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ قرآن تو دلائل نبوت اور دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے اگر نظر انصاف سے اس قرآن کو دیکھیں تو ان پر مبدا و معاد سب منکشف ہو جائے اور آسمانوں اور زمین میں ہماری قدرت اور وحدانیت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں یعنی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں اگر ان کی طرف التفات کرتے تو ایمان لے آتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں ایسا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ توحید کے قائل اور نہ رسالت کے قائل ہو گیا یہ توحید و رسالت کے

یہاں تک کہ جب مہلت کی مدت طویل ہوگئی اور عذاب موعود کے نازل ہونے میں دیر ہوئی
اور اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو پیغمبر مایوس ہوگئے اور گمان کرنے لگے کہ ہم
سے جو ہماری نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا گیا تھا جو اب تک ہمارے اندازہ اور تخمینہ کے
مطابق پورا نہیں ہوا شاید وہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آوے بلکہ ہمارے پیچھے آوے یا ہماری کسی غلطی
کی وجہ سے ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ یا ہم سے وعدۂ الٰہی کے
بارہ میں کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے نزول عذاب کا وقت مقرر کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ
نے جو نزول عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ مطلق تھا اس میں کسی وقت اور زمانہ کی تعیین نہ تھی حضرات انبیاء
نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اور اپنے اندازہ اور تخمینہ سے نزول عذاب کا وقت متعین کر لیا جیسا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں خواب مطلق تھا اس
میں کوئی وقت معین نہ تھا مگر آپ پر طواف کعبہ کا شوق غالب ہوا اس لیے آپ اسی سال عمرہ
کی نیت سے روانہ ہوگئے اور کامیاب نہ ہوئے اور اس خواب کی تعبیر سال آئندہ ظاہر ہوئی اس
وقت تنبہ ہوا کہ وعدۂ خداوندی تو صدق اور حق تھا مگر ہم سے غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے اس
کی مدت متعین کر لی کہ وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا حضرات انبیاء کرام سے خطاء اجتہادی کا واقع ہونا
عصمت کے منافی نہیں وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى
الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ میں اس کی تفصیل آئے گی غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر
ہوئی اور انبیاء کرام کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاء یہ گمان کرنے لگے کہ وعدۂ عذاب
کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد کو پہنچ
گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکایک اور ناگہاں ان کو مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب
آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاء نے جو نصرت و ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی مطلب یہ ہے
کہ خداوند کریم کی دنیا میں مرسلین اور اولیاء اور محبین کے ساتھ سنت یہ ہے کہ جب ابتلاء اور امتحان
اس حد کو پہنچ جائے کہ کچھ تردد آجائے تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں

(۱) صفحہ گزشتہ
النصر علیہم فی الدنیا او من ایمانہم لانہماکہم فی الکفر وتمادیہم فی الطغیان من غیر وازع الخ کذا فی روح المعانی ص ۲۲ جلد ۱۳ و روح البیان ص ۳۳۳ جلد ۴ و تفسیر ابی السعود (۱) وقال السیوطی حتی غایۃ لما دل علیہ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا ای فتراخی نصرہم حتی إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ ۔ الخ۔

یعنی تاخیر کردیم و مہلت دادیم امم سابقہ را در عذاب تا آنکہ نومید شدند پیغمبران از ایمان ایشان یا از نصرت بر ایشان در دنیا مانند یونس رسولان الخ از حاشیہ مثنوی مولانا روم فیج کا بیرو دفتر سوم ص ۸۰ (۱)

کو جوان کر دینا پھر ان کا بتلا رہے تھے لیکن وہ برابر ان کی خاطر بالا کرتے ہیں اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھلاتے ہیں پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے بلکہ ان کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی پیغمبروں کو اور ان کے پیروؤں کو طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے بھی رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ظاہری اسباب سے ناامید ہو کر اپنے پروردگار سے یہ عرض کرنے لگتے ہیں مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ یعنی اللہ ہماری مدد اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہوگی تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ خلاصہ کلام یہ کہ سختی اور ابتلاء عظیم کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔

زاں بلاہا کہ انبیاء برداشتند ۔ سر بچرخ ہفتمیں افراشتند

سرکہ در راہ محبت پیش شد ۔ در دل او یار عشقت بیشتر

ف اس آیت میں جو لفظ کُذِبُوْا واقع ہوا ہے اس میں دو قرأتیں ہیں ایک یہ کہ کُذِّبُوْا تشدید ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو تکذیب سے مشتق ہے اور دوسری قرأت یہ ہے کہ کُذِبُوْا تخفیف ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو کذب سے مشتق ہے تشدید ذال کی قرأت میں آیت کے معنی واضح ہیں کہ تاخیر عذاب سے رسولوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور نزول عذاب کے وعدہ میں ان کو جھوٹا بتلانے لگے کہ تم جو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ کافروں پر عذاب نازل ہوگا وہ عذاب کہاں ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافروں کو تو انبیاء کرام کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا اور کفار انبیاء اور اہل ایمان کی ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے جب اہل ایمان کو کفار سے اذیتیں پہنچیں تو انبیاء نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب نصرت الٰہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انبیاء کرام کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہوا کہ کافر تو ہم کو پہلے ہی سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور کاذب ہونے کا یقین رکھتے ہیں مبادا ہمارے مؤمنین اور متبعین بھی وعدۂ عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم کو جھوٹا نہ سمجھنے لگیں اور جو لوگ ہم پر ایمان لاتے ہیں وہ بھی کہیں پھسل نہ جائیں اور دین سے مرتد نہ ہو جائیں تو ایسے اضطراب کے وقت میں خدا کی مدد آ پہنچی اور یہ سارے خیالات غلط ثابت ہوئے کذب وعدہ کا گمان معاذ اللہ رسولوں کو ہرگز نہ تھا بلکہ منکرین اور اشقیاء کو تھا اور انبیاء کو اہل ایمان کے ارتداد کا خطرہ تھا رسولوں کو یہ خیال ہوا کہ مبادا اہل ایمان بھی ہماری طرف سے شک میں نہ پڑ جائیں۔

عائشہ صدیقہؓ اس لفظ کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھتی تھیں اور آیت کا یہ مطلب بیان فرمایا جو ہم نے ذکر کیا اور قرأت تخفیف کا انکار فرمایا کیونکہ وہ اس کو عصمت انبیاء کے منافی سمجھتی تھیں۔

اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم حسب معمول کُذِبُوا کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھتے تھے اس قرأت پر بظاہر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ جب حسب معمول قوموں پر عذاب نازل ہونے سے رسول ناامید ہوگئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ معاذ اللہ ہماری طرف سے ان سے فتح و ظفر اور غلبہ و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا کہ نصر و ظفر کے بارہ میں جو وحی ہم پر آئی تھی وہ کذب تھی اور ہم مکذوب ہیں اس قرأت کی بناء پر آیت کا یہ مطلب نہایت مشکل نظر آتا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اس سے پاک اور منزہ ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے ان کے ذہن میں یہ خطرہ بھی گذرے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی کو غلط اور جھوٹا جانے قطعاً ناممکن، اور اسی سے اس اشکال کی بناء پر علماء محققین نے قرأت تخفیف کی مختلف تفسیریں کی ہیں ۔

تفسیر اول بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ظنّوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع نہیں بلکہ تینوں ضمیریں بقرینہ مقام مرسل الیہم یعنی قوم کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہوگئے اور قوم کے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انبیاء کرام نے ہم کو جو عذاب کی دھمکیاں دی تھیں وہ سب ڈھکوسلے تھے اور محض ہمارے ڈرانے کے لئے تھے اور پیغمبر جو اپنی نصرت اور ہماری ہلاکت کے وعدوں کا ذکر کرتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں اور اگر تم ہمارا کہنا نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا ان سب جھوٹی باتیں تھیں جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو اس ناامیدی کی حالت میں پیغمبروں کو ہماری مدد پہنچی اور لوگوں پر ظاہر ہوگیا کہ انبیاء کرام صادق تھے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے یہی تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں یعنی تا آنکہ چوں ناامید شدند پیغمبران و گمان کردند قوم ایشاں کہ بدروغ وعدہ کردہ شد با ایشاں آمد بایشاں نصرت ما (فتح الرحمٰن) اور اسی طرح طبریؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی ہے کہ کسی نے سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کے معنی پوچھے تو کہا کہ ناامید ہوگئے پیغمبر اپنی قوم سے کہ وہ ان کو سچا جانیں اور مرسل الیہم یعنی قوم نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۴ جلد ۱۳)

تفسیر دوم اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرأت تخفیف میں ظنّوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وعدۂ عذاب کے ظہور میں دیر ہوئی تو انبیاء کرام ناامید ہوگئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ عذاب ہماری زندگی

ہیں وہ آئے اور ہمارے بعد آئے اللہ کا وعدہ تو حق اور صدق ہے مگر مطلق ہے جس کی مدت اور وقت کی تعیین نہیں کی گئی کہ کب ہوگا لہٰذا ضروری نہیں کہ وہ نبی ہی کی زندگی میں پورا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کے بعد خلفاء اور جانشینوں کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہو جیسے خلافت ارضی اور تمکین دین کا وعدہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور حضرات انبیاء کرامؑ کی ناامیدی ظاہری اسباب اور ظاہری حالات کی بناء پر تھی معاذ اللہ خدا کی رحمت کاملہ سے مایوسی اور ناامیدی نہ تھی حق جل شانہٗ کا معاملہ انبیاء و مرسلین اور ان کے دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ یہ ہے کہ مصائب کے پہاڑ ان پر نازل ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب اسباب ظاہری سے وہ بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے کسی چیز پر ان کی نظر نہیں رہتی تب اللہ کی طرف سے ان کو مدد پہنچتی ہے کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ اس لیے اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ ان کو اپنی مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر کفر کر لیں اور علانیہ طور پر انبیاءؑ کو جھوٹا بتلانے لگیں اور تکبر اور غرور سے گردنیں اونچی کر لیں اس طرح سے ظلم و جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ادھر انبیاء کرامؑ کے ابتلاء کی منزلیں پوری ہو جائیں حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں گویا کہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم سے نصر و ظفر کا وعدہ غلط کیا گیا یعنی یہ کلام بطور تشبیہ و تمثیل ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا کہ عذاب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ یہ گمان ہونے لگا کہ وہ وعدہ غلط تھا تو اس پریشانی اور بے سر و سامانی کی حالت میں ناگاہ رسولوں کو ہماری مدد پہنچی اور ہماری نصرت اور مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسی وقت پورا ہوا اور ان کو اور ان کے متبعین کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا دیکھ لو کہ اللہ کے وعدے اس طرح پورے ہوتے ہیں لہٰذا کفار مکہ کو چاہیئے کہ امم سابقہ کے واقعات سے عبرت پکڑیں اور تاخیر عذاب سے دھوکہ میں نہ پڑیں پہلی قوموں کو بھی اس قسم کی مہلتیں مل چکی ہیں اور اتنی طویل مہلتیں ملیں کہ رسول بھی ناامید ہو گئے تب یکایک اللہ کا حکم نازل ہوا اور کفار مغلوب اور مقہور ہو گئے اور رسول مظفر و منصور ہو گئے۔

قال الترمذي الحكيم وجهه
عندنا ان الرسل كانت تخاف
بعدما وعدهم الله النصر لا من
تهمة لوعد الله ولكن
لتهمة النفوس ان تكون
قد احدثت حدثا ينقض ذلك

حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ رسولوں کی ناامیدی
اور گمان کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے
کہ اللہ کے وعدہ کے بعد معاذ اللہ انبیاء
کو یہ ڈر نہ تھا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوگا اور
نہ معاذ اللہ رسولوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے
کوئی بدگمانی تھی بلکہ انبیاء کرامؑ کو یہ خطرہ تھا

مگر نہیں ان کو شہادت اور تصدیق کی ضرورت تھی اور جو خود وحی اور دلیل ہو اس کو کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ کتاب تمام امور دین کی تفصیل کرنے والی ہے مبدأ اور معاد عقائد اور احکام اور حدود اور تمام اور مواعظ اور امثال وغیرہ جملہ ضروری امور کی اس میں تفصیل موجود ہے اور مومنوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے یعنی ایسی کتاب کے کلمات کی تلاوت اور اس کے معنی سے عبرت حاصل کرنا اہل عقل کیلئے ضروری ہے اللّٰھم اجعلنا من اھل الھدیٰ والرحمۃ فانک اھل التقویٰ واھل المغفرۃ آمین یا رب العالمین۔

الحمدللہ صبح بروز سہ شنبہ ۲۴ رجب الحرام ۱۳۹۰ھ بجرہ کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سورۃ یوسف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللہ الحمد والمنۃ

تفسیر سورۃ رعد

اس سورت میں چونکہ رعد کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہوئی اور یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں تینتالیس آیتیں ہیں اور بقول بعض چوالیس یا پینتالیس یا چھیالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔

(ربط سورت) گذشتہ سورت کے شروع میں قرآن حکیم کی حقانیت کا بیان تھا اور اخیر سورت میں وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اجمالی طور پر دلائل توحید و وحدانیت اور عجائب قدرت کی طرف اشارہ تھا اس لئے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا اور اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کو ذکر کیا بعد ازاں اثبات معاد فرمایا اور پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا غرض یہ کہ اس سورت میں انہیں مضامین کا ذکر ہے اور ان کا باہمی ربط ظاہر ہے۔

آیاتہا ۴۳ | (۱۳) سُورَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۶) | رکوعاتہا ۶

سورۂ رعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ کو

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ

نشانیاں، شاید تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو ۔ اور وہی ہے

مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ

جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دو دو ڈھانکتا ہے

الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

دن پر رات اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ

اور زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے اور باغ ہیں انگور کے

وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

اور کھیتیاں اور کھجوریں جڑ ملی اور بن ملی پاتے ہیں

بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي

ایک پانی اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے

الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

میوے میں اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو بوجھتے ہیں ۔

ذکر دلائل توحید و اثبات مبدأ و معاد

قال اللہ تعالیٰ: اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ... الی ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اس کا حق اور صدق ہونا اور منکروں کا اس پر ایمان

دلانا بیان کیا گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید و الوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے، اور چونکہ کفار لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں، اس لیے اثبات توحید و الوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف تغیرات اور زمین کی پیداوار کی کیفیت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو، ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں

استدلال باحوال عالم علوی

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اثبات توحید کیلئے اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں، اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ یہی وہ ذو اختیار ہے کہ جس نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو ستون اور چھت بنایا کہ جہاں تک ہماری نظر بھی کام نہیں کرتی اور عقل حیران ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بمقتضائے طبیعت جسمانیہ ہے اور نہ کوئی زنجیر اور نہ عمود ان کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر و توانا نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترونھا عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو دنیا جہاں کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ افروزی مراد ہے جس کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں اور خدا تعالیٰ کا عرش عظیم پر قائم اور جلوہ فرما ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اسی لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ استویٰ علی العرش رفع سمٰوٰت سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ تعالیٰ و تقدس بادشاہوں کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت اجسام کی ہے جو کسی حیز اور جہت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے

فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کو جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت
یہ کہتے ہیں کہ استویٰ علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت
وجلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے استویٰ علی العرش پر ایمان لاتے
ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہم یہ عقیدہ
رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفصال سے سب
سے پاک ہے مکان اور جہت سب اس کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کو پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر
تھا اور مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے بے مکان ہے جہاں تک عرش تحت ثریٰ کی طرح خدا کی قدرت کے سامنے ہیچ ہے عرش خدا کی قدرت کے سامنے ہیچ ہیں
بلکہ خدا کی قدوسی عرش کو انتہائی بلندی اور عظمت کی وجہ سے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ عرش سے
لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اس کے قبضۂ قدرت و تصرف میں ہے اور
تمام کائنات پر اسی کی حکمرانی ہے جیسے تخت نشین سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استویٰ
علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک
اسی کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس و قمر

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ

اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور
مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ
کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد و رفت سے زمین اور ایام
اور اشجار و نباتات نشو و نما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سر مو
فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس و قمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار
اور کیفیت مقرر فرما دی ہے اس کے خلاف شمس و قمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے
ایک مدت معینہ تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے
اور اسی رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر
ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال
بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان
کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سر مو فرق نہیں آتا اگر کوئی قادر و توانا اس کا منتظم نہیں تو اس نظام

میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام تغیرات مادہ اور طبیعت سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی ایک مقتدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بتفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عنصریہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارہ میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کا وجود حق اور ثابت ہے فلسفہ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو حقیقت سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حد بصر اور منتہائے نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حساً محض حد بصر اور منتہائے نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

استدلال باحوال عالم سفلی

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ ..... الیٰ ..... إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمان اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا اب عالم سفلی کی چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور لیل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلایا کہ بے شمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے حدود اور انتہا کا علم نہ ہو سکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا رزق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا (زاد المسیر ص ۳۰۲ جلد ۴) وقال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور پھر اس زمین میں پہاڑ جمائے تاکہ زمین

یہ ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دو شاخے بعضے غیر دو شاخے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اٹھیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی شجر اور حجر کا اقتضاء ہے کیونکہ حجر اور شجر میں کوئی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے علیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق ظہور میں آ رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتلاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اول تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامر الٰہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور ان کی مسافت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہٰذا احوال فلکیہ کو حوادث ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں

دوم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کوکبیہ کو عالم سفلی کے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو پھلوں اور شجر کا بھی ایک رنگ ہونا چاہیے علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور شئ سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق فرق اور تفاوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ

کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفۂ جدید و قدیم جس قدر چاہیں اسباب و علل بیان کریں مگر سب کا انتہا کسی ایک مقتدر پر ماننی پڑے گی۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی

امام رازیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے۔

والارض فیھا عبرۃ للمعتبر ۔ یخبر عن صنع ملیک مقتدر

(ترجمہ) اور زمین میں عبرت پکڑنے والوں کے لیے عبرت ہے عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی صفات خبر دے رہی ہے کہ کسی ایک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقی بماء واحد اشجارھا ۔ وبقعۃ واحدۃ قرارھا

ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعۂ زمین پر سب کا قرار ہے مگر ان کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والھواء لیس یختلف ۔ واکلھا مختلف لا یاتلف

دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذا من عمل الطبائع ۔ اوانہ صنعۃ غیر صانع

لم یختلف وکان شیئا واحدا ۔ ھل یشبہ الاولاد الا الوالدا

اگر یہ طبیعت اور مادہ کا عمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والھواء یا معاند ۔ والماء والتراب شیئ واحد

فمن الذی اوجب التفاضل ۔ الا حکیم لم یردہ باطل

جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا (دیکھو روح المعانی ص ۹۰ جلد ۱۳)

نکتہ بعض علماء تابعینؒ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر و شر ایمان و کفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح کلام الٰہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (یعنی یہ قرآن مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَءِذَا كُنَّا تُرَٰبًا أَءِنَّا لَفِى

اور اگر تو اچنبھے کی بات چاہے تو اچنبھا ہے اُن کا کہنا کیا جب ہوگئے ہم مٹی کیا ہم

خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ

نئے بنیں گے، وہی ہیں جو منکر ہوگئے اپنے رب سے اور وہی ہیں

ٱلْأَغْلَٰلُ فِىٓ أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ

کہ طوق ہیں اُن کی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ

فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِٱلسَّيِّئَةِ قَبْلَ ٱلْحَسَنَةِ

اس میں رہا کریں گے اور شتاب چاہتے ہیں تجھ سے برائی، آگے بھلائی سے

وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ ٱلْمَثُلَٰتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو

اور ہو چکی ہیں اُن سے پہلے کہاوتیں اور تیرا رب معاف

مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ

بھی کرتا ہے لوگوں کو اُن کی گنہگاری پر اور تیرے رب کی مار سخت

ٱلْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ

ہے اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اُس پر کوئی

ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦٓ ۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

نشانی اس کے رب سے، تو تو ڈر سنانے والا ہے اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ

هَادٍ ﴿٧﴾

بتانے والا

منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ... الی ... إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

ربط: گزشتہ آیتوں میں توحید کا مضمون تھا اب ان آیات میں منکرین نبوت کے تین شبہات کے جوابات مع وعید و تہدید ذکر کرتے ہیں وہ تین شبہے یہ تھے (اول) یہ وہ بعث اور حشر و نشر کو محال سمجھتے تھے اور اس سے نفی نبوت پر استدلال کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ایک محال اور ناممکن کی خبر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ (دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے منکرین اور مکذبین پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا کما قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (تیسرا شبہ یہ تھا کہ جن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ معجزات کیوں ظاہر نہیں کرتے حق تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے ان تینوں شبہات کا جواب دیا ہے جو نبوت کے متعلق تھے پہلے شبہ کا جواب وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ سے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس پروردگار کی قدرت اس قدر بڑی ہے کہ وہ ان بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے لیے مردہ کا دوبارہ پیدا کرنا کیا بڑی بات ہے حشر و نشر کے منکر خدا کے باغی ہیں ان باغیوں کا انجام یہ ہوگا کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

جو شخص حشر اجساد کا قائل نہیں وہ درحقیقت خدا کی ربوبیت اور قدرت کا منکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ فلاسفہ حق تعالیٰ کو فاعل بالاختیار اور قادر مختار نہیں سمجھتے بلکہ خدا کو واجب بالذات اور موجب بالذات سمجھتے ہیں ان کے نزدیک خدا تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں جو قادر مطلق نہیں ہے تو اس کی قدرت ناقص اور ناتمام ہے فلاسفہ کے نزدیک خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بلا واسطہ والدین کے کسی حیوان کو پیدا کر سکے ان کے نزدیک ایجاد کے لیے تاثیر طبیعت اور تاثیر افلاک اور تاثیر کواکب و نجوم ضروری ہے اور فلاسفہ تو خدا کے علم کے بھی قائل نہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا تو علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا علم نہیں معاذ اللہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کو معلوم نہیں کہ کون اس کا مطیع و فرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔

غرض یہ کہ فلاسفہ بھی حشر و نشر کے قائل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاسفہ خدا کی قدرت اور علم کے قائل نہیں أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ کا یہ مطلب ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حلیم و کریم ہے عذاب اور مکافات میں جلدی نہیں کرتا مگر جب عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں، پہلی امتوں کے حالات سے عبرت پکڑ لو اور عذاب کی تاخیر سے دھوکہ میں نہ پڑو عذاب کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ حلم و کرم کی وجہ سے ہے۔

اور تیسرے شبہ کا جواب وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ لغو اور مہمل ہے محض عناد پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے صدہا معجزات ظاہر فرمائے مگر یہ لوگ عنادی اور ضدی ہیں جو معجزہ انہیں دکھایا جاتا ہے اسے جادو کہہ دیتے ہیں اور نئے معجزوں کی فرمائش کرتے ہیں اس لیے ان کی ہر ہر بات پر معجزہ دکھانا بالکل عبث ہے اب آیات کی تفسیر پڑھیئے۔

پہلے شبہ کا جواب

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ... الی ... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور اگر آپ کسی شئے سے تعجب کریں ان کے انکار اور ایمان نہ لانے سے تعجب کریں تو سب سے زیادہ عجیب ان کا یہ قول ہے کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آئیں گے حق تعالیٰ کی قدرت کو اور عجائب حکمت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ہم از سر نو کیسے پیدا ہوں گے نہایت ہی عجیب ہے جو قادر مطلق ان اجرام عظیمہ علویہ و سفلیہ کو پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ ایک انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

آنکہ پیدا ساخت کار سہل بود   زندگی دادن چہ دشوار بود

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے دلائل ربوبیت کا انکار کیا اور یہی ہیں جو الوہیت کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی حشر اجساد کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں قیامت کے دن طوق پڑے ہوں گے اور یہی دوزخی لوگ ہیں جو ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرے شبہ کا جواب

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ... الی ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ

اور اے نبی یہ لوگ بطور تمسخر کے آپ سے بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے برائی یعنی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر تو واقعی سچا نبی ہے اور ہم تجھ کو نہیں مانتے تو ہم پر عذاب کیوں

اسلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اس لیے ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا کیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لیے ان کو احیاء موتیٰ اور ابرائے اکمہ و ابرص کا معجزہ عطا کیا گیا جس سے تمام اطباء عالم عاجز ہوگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ کو علمی معجزہ یعنی قرآن کریم عطا کیا گیا جو لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی علوم و معارف کے اعتبار سے معجزہ تھا اور علاوہ ازیں آپ سے صدہا معجزات صادر ہوئے جو عصا اور ید بیضا کے مثل یا اس سے بڑھ کر تھے مثلاً شق القمر اور عروج سماوات اور ستون حنانہ کا رونا اور انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور تھوڑی چیز سے ایک لشکر عظیم اور جماعت کثیرہ کا سیراب ہونا۔

اس قسم کے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہوئے اور کفار نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر عناد کی بنا پر ان سب کو جادو کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کرنے سے انکار فرما دیا ورنہ بلا مانگے جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ دیئے گئے وہ آپ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں تمہاری منہ مانگی نشانیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ فرمائشی معجزہ ظاہر کیا جائے اس کو بھی جادو کہہ دو جیسا کہ اب تک کرتے چلے آ رہے ہو۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝

ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کا ہے اس پاس گنتی

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ

جاننے والا چھپے اور کھلے کا سب سے بڑا برتر برابر ہے

مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ

تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو

مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

چھپ رہا ہے رات میں اور گلیوں پھرتا ہے دن کو اس کے پہرے والے

مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ

ہیں، بندے کے آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا

حکم سے اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو

بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ‌

اپنے جیوں میں ہے، اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر بلائی، پھر وہ نہیں پھرتی

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ

اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار۔ وہی ہے کہ تم کو دکھاتا

الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ‌ ﴿۱۲﴾

ہے بجلی ڈر کو اور امید کو اور اٹھاتا ہے بدلیاں بھاری

وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰۤئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ۚ

اور پڑھتی ہے گرج خوبیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے

وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَ

اور بھیجتا ہے کڑاکے، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

هُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ‌ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ﴿۱۳﴾

یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَـقِّ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا

اسی کو پکارنا سچ ہے اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں

يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ

پہنچتے ان کے کام پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دونوں ہاتھ طرف پانی کے

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ

کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اور جتنی پکار ہے منکروں کی

إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَ

سب بھٹکتی ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین

الْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ

میں خوشی سے اور زور سے اور ان کی پرچھائیاں صبح اور

الْآصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ

شام پوچھ کون ہے رب آسمان و زمین کا ؟ کہہ

اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ

اللہ کہہ پھر تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا حمایتی ؟ جو مالک نہیں

لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ

اپنے بھلے برے کے کہہ کوئی برابر ہوتا ہے اندھا

وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ۗ أَمْ

اور دیکھتا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا یا

جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ

ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے

عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ

پھر مل گئی پیدائش ان کی نظر میں کہہ اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا

الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

زبردست

رجوع برائے مضمون توحید

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى ... الیٰ ... وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

ربط: گزشتہ آیات میں منکرین نبوت اور منکرین بعث بعد الموت کے شبہات کا جواب تھا اور اس سے قبل توحید کا مضمون تھا اب پھر توحید ہی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اس ذیل میں اول حق تعالیٰ نے اپنا عالم جمیع معلومات ہونا بیان کیا چنانچہ اَللّٰهُ يَعْلَمُ الخ سے اپنا وسیع العلم ہونا بیان کیا کہ اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بعد ازاں اپنا حافظ خلق اور رقیب ہونا بیان کیا جیسا کہ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ سے معلوم ہوا اور بعد ازاں هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ سے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان کیں بجلی اور بادل کو جو عظیم الشان ہوتا ہے بیان فرمایا اس آیت هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ میں ایسے دلائل قدرت اور حکمت کا ذکر فرمایا کہ جو رحمت اور زحمت اور نعمت اور نقمت اور رحمت اور زحمت دونوں ہی ہیں اور مدعا یہ کہ پھر قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کے بعد فرمایا لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ یعنی وہی معبود برحق ہے جس کی یہ قدرت ہے اور وہی لائق عبادت ہے کیونکہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اس کے سوا کسی کی پرستش سے نفع اور ضرر کی امید رکھنا بیکار ہے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنویں کے منہ پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ اے پانی کسی طرح تو میرے منہ میں پہنچ جا پھر بینا اور نابینا اور ظلمت اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکار بعث اور انکار حشر و نشر کا ذکر تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ جب انسان مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے اجزاء منتشر اور متفرق ہو گئے اور ایک دوسرے سے مل جل گئے اور باہمی امتیاز بھی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور ناقابل فہم ہے حق تعالیٰ نے اس کی تردید کے لیے ان آیات میں اپنے احاطۂ علمی اور کمال قدرت کو بیان کیا تاکہ عقلی طور پر حشر و نشر کا امکان واضح ہو جائے کہ جس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کو اور تمام اجزاء اور ذرات کو خوب جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ اجزاء کس جسم اور کس بدن کے تھے اس کو زید اور عمرو ہر ایک کے اجزاء الگ الگ معلوم ہیں وہ اپنے علم اور قدرت سے ان اجزاء کو پھر اسی طرح جوڑ سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے جوڑا تھا۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۳ جلد ۵)

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہے یعنی یہ بات کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ وہ ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ ناقص ہے یا کامل اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور حالت حمل میں یہ بھی مقدر ہو جاتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا اور باوجود

معجزات کے دیکھنے کے بعد بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا اس تقریر سے آیت کا ماقبل سے ارتباط ظاہر ہو جائے گا اور رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں اور کتنے دنوں میں پیدا ہوگا اور ہر شے اس کے یہاں ایک مقدار معین کے ساتھ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ اور ہر شے کی کمیت اور کیفیت اس کو پورے طور پر معلوم ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے کیا مقدر کیا ہے اور ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اور ہر چیز کی عدم سے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کے علم میں مقدار معین ہے وہ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں وہ سب سے بڑا اور بلند ہے ہر شے اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں تم میں سے جو شخص چھپا کر اپنے دل میں بات کہے اور جو اس کو پکار کر کہے اور جو شخص رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے اور جو دن میں چل رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں رات دن اس کے حضور میں یکساں ہیں اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اس کو ہر جسم اور ہر بدن کے اجزاء کا پورا پورا اور علیحدہ علیحدہ علم ہے مرنے کے بعد جب اجزائے بدنی متفرق اور منتشر ہو گئے تو بظاہر نظر میں اگرچہ ان اجزائے متفرقہ میں امتیاز نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں سب ممتاز اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اس کو معلوم ہے کہ یہ مذکر کا جزو ہے یا مؤنث کا جزو ہے اور اجزاء بدنی کے متعلق اس کو پورا علم ہے کہ یہ جزو سر کا ہے یا پیر کا ہے حالت حمل میں بھی بچہ کے تمام اجزاء کا اس کو علم ہے جس طرح بچہ کے بڑھنے اور گھٹنے اور مرنے کے بعد بھی ہر ہر جزو کا علم ہے خواہ وہ جزو کہیں بھی پہنچ جائے پس جس خدا کو ایسا علم اور قدرت ہے وہ باقی انسان کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے بعد پھر بھی قادر ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کو بیان کیا اور ہر جانب اور ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ علاوہ علیم کے حفیظ و رقیب بھی ہے تمام عالم کا محافظ اور نگہبان ہے چنانچہ ہر آدمی کے لیے خواہ مومن ہو یا کافر اللہ کی طرف سے پہرہ دار فرشتے مقرر ہیں جو باری باری سے آنے والے ہیں اور بندہ کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم سے آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتے ہیں یہ فرشتے چونکہ یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اس لیے ان کو معقبات کہتے ہیں یہ فرشتے انسان کی ہر موذی اور موذی جانور سے حفاظت کرتے ہیں اور جب اللہ کی تقدیر آتی ہے کہ آدمی کو کوئی گزند پہنچے تو یہ فرشتے تھوڑی دیر کے لیے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں پھر بدستور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں ان فرشتوں کو حفظہ بھی کہتے ہیں اور بظاہر یہ فرشتے کراماً کاتبین کے سوا ہیں جن کا کام بندہ کے اقوال و افعال کو لکھنا ہے کتابت اعمال کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں یہ ساری عمر بندہ کے ساتھ رہتے ہیں بدلتے نہیں اور کراماً کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں دن کے محافظ علیحدہ ہیں اور رات کے محافظ علیحدہ ہیں جو انسان کی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے سے حفاظت کرتے ہیں (تفسیر روح المعانی ص ۱۰۲ ج ۱۳)

کراماً کاتبین بندہ کے اعمال کے نگہبان ہیں اور وہ دو ہیں ایک داہنے اور ایک بائیں عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ یہ دو فرشتے انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ان دو کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ پانچ فرشتے ہیں اور بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا بیس ہیں (واللہ اعلم)

فائدہ حق جل شانہ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے ہر چیز کے لیے ظاہر میں ایک سبب ظاہری پیدا کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ باطنی اسباب اور ذرائع بھی پیدا کیے ہیں جن کو ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں انہی باطنی اسباب میں یہ ملائکہ معقبات ہیں جو ہماری حفاظت کا ایک باطنی سبب ہیں جن کو بطور پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہم سے بلائیں دفع کرنے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے مومن کا کام یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لائے جیسے کہ ہم کراماً کاتبین کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ ہمیں ان کے قلم اور کاغذ اور روشنائی اور کتابت کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے (روح المعانی ص ۱۱۲ ج ۱۳)

یہ تو بندوں کے سامان حفاظت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو ان سے بلائیں دفع کرتے ہیں اب آگے ان آفتوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بداعمالیوں کی وجہ سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس معاملہ کو جو کسی قوم کے ساتھ ہو جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت کو نہ بدلیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ مہربانی اور نگہبانی اور نعمت اور عافیت سے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں جب وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور بجائے شکر نعمت کے کفران نعمت اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تب اللہ کی طرف سے آفت اور مصیبت آتی ہے جب تم اللہ کے ساتھ غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہو تو اللہ بھی غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہیں بندے جب اپنی حالت بدل دیتے ہیں کہ بجائے طاعت کے معصیت کرنے لگتے ہیں تو اللہ بھی ان سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر فسق و فجور اور بدکاری شائع ہو جائے تو وہ قوم چند روز میں تباہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے اور جب اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے ساتھ برائی کا یعنی جب اللہ کسی قوم سے بوجہ بدبختی اور بداعمالی اپنی نعمت چھین کر ان کی ذلت و خواری کا ارادہ فرمائیں تو پھر وہ برائی اور بلا کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کر سکے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور برائی سے ہلاکت اور آفت مراد ہے وہ وہ ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے بجلی جب چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے گرنے سے

ڈرتے بھی ہیں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتوں کا جمع ہونا خدا کی کمال قدرت کی دلیل ہے گویا کہ ایک ہی شئے نعمت بھی ہے اور عذاب اور مصیبت بھی اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک ہی شئی میں لطف اور قہر دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا اور برق اس نور لامع اور ساطع کو کہتے ہیں جو ابر کے درمیان سے چمکتا ہے اور وہ ہی اپنی قدرت سے ہوا ہیں جو بھل بادلوں کو اٹھاتا ہے جو ہزاروں من پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور مجال نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے کسی جگہ برس جائیں اور نہ کسی کی یہ مجال کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے موافق پانی کا ایک قطرہ لے سکے اور گرج حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں فرشتوں کا تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کی عظمت و جلال کو بیان کرنا بظاہر ایک معقول امر ہے مگر رعد یعنی (گرج) کا بظاہر تسبیح و تحمید کرنا اہل عقول معلوم ہوتا ہے اس سے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ گرج کی تسبیح و تحمید کا مطلب یہ ہے کہ گرج سے خدا کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے جس کو سن کر اہل عرفان کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ اور الحمد للہ نکل جاتا ہے اس مطلب کا حاصل یہ ہے کہ تسبیح کی اسناد رعد کی طرف مجازی ہے اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو سحاب (بادل) پر مقرر ہے پس اگر رعد ایک فرشتہ کا نام ہے تو پھر اس کی تسبیح و تحمید میں کوئی استبعاد نہیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کی تسبیح پڑھنے کی آواز ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے اور اسی وقت تسبیح پڑھتا ہے جسے عوام الناس بادل کی آواز سمجھتے ہیں ورنہ در حقیقت یہ آواز اس کی تسبیح کی ہے اور اس فرشتہ کے ہاتھ میں آتشی تازیانہ ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو چلاتا ہے اس سے جو چمک ظاہر ہوتی ہے وہ برق (بجلی) ہے اور وہ کوڑا جس سے ابر کو مارتا ہے اس کی آواز رعد ہے اور صاعقہ ایک آگ ہے جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے جب نیچے آتی ہے تو جس چیز پر گرتی ہے تو اس کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور محققین یہ فرماتے ہیں کہ اگر رعد محض آواز کا نام ہی ہو تب بھی تسبیح و تحمید کی اسناد اس طرف حقیقی ہے اگرچہ وہ ہمارے فہم میں نہ آئے حق تعالیٰ کا ارشاد وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۔ یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر اے بنی آدم تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور باقی لوگ نہیں سمجھتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں ہر چیز کی ایک خاص حقیقت ہے جیسے نماز اور روزہ اور قرأت قرآن اور سورۂ بقرہ آل عمران وغیرہ وغیرہ ہمارے اعتبار سے یہ تمام چیزیں اعراض اور غیر قائم بنفسہ ہیں لیکن اصل حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح سمجھو کہ رعد ہمارے اعتبار سے اگرچہ محض ایک آواز ہو لیکن بارگاہ خداوندی میں اس کی کوئی پوشیدہ حقیقت ہو فرشتہ ہو یا کوئی شئے ہو اور وہ حقیقتاً خدا کی تسبیح و تحمید کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے گو ہماری فہم میں نہ آئے پس جان لینا چاہیے کہ گرج کی یہ آواز جو ہماری سمجھ

میں خالی آواز معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت سبحان اللہ وبحمدہ کے معنی رکھتی ہے اور تسبیح پڑھنے والی چیز درحقیقت رعد ہے، ہیں مسلمان کا کام یہ ہے کہ زیادہ تحقیق میں نہ پڑے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو فرما دیا اس کو تسلیم کرے اور جو غیر مسلم ہے وہ ان باتوں کو کسی طرح بھی ماننے والا نہیں اُس عالم کے احوال کو اس عالم کے احوال پر قیاس کرنا سراسر نادانی ہے اور جس خبر اور اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور جو آواز سنائی دیتی ہے وہ فرشتہ کی آواز ہوتی ہے سو یہ خبر اگرچہ آحاد میں سے ہے متواتر اور قطعی نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت نہ کی جائے اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے عقلاً یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کر کے بارش کا انتظام اس کے سپرد کیا ہو اور اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہو جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اور یہ رعد اس فرشتہ کی آواز ہو اور یہ برق اس کے کوڑے کی شراروں کی چمک ہو (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) غرض یہ کہ رعد اور برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جس سے بندوں کو ڈراتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے دشمن اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا وہ متکبر بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ کہے تو فوراً ایک بادل اٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کو بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں خدا ہی برحق ہے کہ جو سزاوار ہے بھی دعا اور پکار یعنی اسی سے دعا مانگنا اور اسی کا یاد رکھنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ دعاؤں کو سنتا ہے اور حاجت روا ہے اور جو لوگ اس کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہیں وہ معبودان کو ان کی پکار کا کچھ جواب نہیں دے سکتے ان کا پکارنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ وہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں کیونکہ پانی جماد ہے بے حس ہے اور بے شعور ہے اور نہ اسے ہاتھ پھیلانے والے کی خبر، نہ اس کی پیاس کی خبر اور نہ اس میں یہ قدرت کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے سکے، بعینہٖ یہ مثال مشرکوں اور ان کے معبودوں کی ہے ان کے معبود نہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اور نہ یہ ان کو جواب دے سکتے ہیں جس طرح مشرکوں کا

بتوں کو پکارنا محض بے سود ہے اور کافروں کی اپنے بتوں کو جس قدر بھی پکار ہے وہ سب بے کار ہے بتوں کو پکارنا سراسر جہالت و ضلالت ہے جو مفضی الی الہلاکت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا ہی کی پرستش ٹھیک ہے اور اس کے غیر کی پرستش بالکل رائیگاں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کے پاس جا کر اس بات کا منتظر رہے کہ پانی میرے منہ میں آجائے حالانکہ وہ کبھی آپ سے آنے والا نہیں اسی طرح غیر اللہ کی پرستش سے جو لوگ نفع کے امیدوار ہیں ان کی امید کبھی بر آنے والی نہیں۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے خیال ہیں اور بعضے جن ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں لیکن اپنے خواص کے مالک نہیں پھر کیا حاصل ان کا پکارنا جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں یہ اس کی مثال (موضح القرآن)

اس کے بعد پھر حق تعالیٰ اپنی عظمت اور کبریائی کو بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی مسخر ہے اور اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے اور غیر اللہ کی پرستش عقلاً اس لیے بھی بے کار ہے کہ تمام کائنات اللہ کے سامنے سر بسجود ہے کیونکہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے کوئی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتا ہے اور جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور ان زمین والوں کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں یعنی سائے بھی خدا کے حکم بردار ہیں جب گھٹاتا ہے گھٹ جاتے ہیں اور جب بڑھاتا ہے تو بڑھ جاتے ہیں اور سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا صبح اور شام کے اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور کائنات کا یہ سجدہ اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر دیتا ہے زجاجؒ کہتے ہیں کہ کافر تو غیر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر ان کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے ابن انباریؒ کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلال کے لیے عقول اور افہام پیدا کر دے جن سے وہ اللہ کو سجدہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو فہم دیا اور وہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن کا سایہ اللہ کو طوعاً سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ کرہاً سجدہ کرتا ہے (تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۵)

ف انسانی سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں اور انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کا سجدہ ان کے لائق اور مناسب ہے۔

ف یہ سجدہ عزائم سجود میں سے ہے اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

یہاں تک توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان واضح ہو گیا اب بطور اتمام حجت ان سے سوالات کا حکم دیا جاتا ہے اے نبی آپ ان مشرکوں سے جو خدا کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں پوچھئے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا یعنی ان کا مدبر اور خالق کون ہے جو ان کو قائم رکھنے والا اور ان کے

وجود کو تھامنے والا ہے اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے اس لیے آپ جواب میں کہہ دیجیے کہ اللہ ہے یعنی آپ ان کے جواب کا انتظار نہ فرمایئے خود ہی کہہ دیجیے کہ اللہ ہے اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اس لیے ان کے جواب کا آپ انتظار نہ کیجیے نیز وہ خود بھی خدا کے خالق اور مالک اور مدبر ہونے کے منکر نہیں اے نبی! ان مشرکوں سے پوچھیے کہ کیا پس اس اقرار و اعتراف کے بعد تم نے اللہ کے سوا کارساز ٹھہرا رکھے ہیں جو اپنی ذاتوں کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو غیر کی کیا مدد کریں گے پوچھیے کیا اندھا یعنی مشرک اور بینا یعنی مومن برابر ہیں یا کفر و شرک کی تاریکیاں اور ایمان کی روشنی برابر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور بینا اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں اسی طرح مومن اور کافر اور ایمان اور کفر برابر نہیں مومن بینا ہے وہ راہ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے اس کو راہ حق دکھائی نہیں دیتی کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا پھر اس وجہ سے پیدائش ان کی نظر میں مشتبہ ہو گئی اور شبہ میں پڑ گئے کہ یہ بھی خالق ہے اور وہ بھی خالق ہیں ہم کس کو معبود مانیں مطلب یہ ہے کہ کیا ان معبودوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے جس سے تم پر اللہ کی مخلوق اور غیر اللہ کی مخلوق مشتبہ ہو گئی ہے اس لیے تم نے ان کو اللہ کا شریک اور ساجھی بنا لیا اور اس اشتباہ کی وجہ سے تم نے غلطی سے کسی چیز کو خالق مان لیا اگر ایسا ہوتا تو ایک حد تک معذور ہو سکتے تھے لیکن جب یہ بات بھی نہیں تو پھر کیا آفت آئی کہ شرک کی بلا میں گرفتار ہو گئے یعنی یہ بات تو نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہوئے ہیں اگر مخلوقات عالم میں ذرا غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے اس لیے اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ

اتارا آسمان سے پانی، پھر بہنے لگے نالے اپنے اپنے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا

موافق، پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اس میں بھی

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ

جھاگ ہے ویسا ہی یوں بیان کرتا ہے اللہ صحیح اور غلط

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

سو وہ جو جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

سو رہتا ہے زمین میں یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

مثال حق و باطل

قال اللہ تعالیٰ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ۔۔۔ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (ربط) گزشتہ آیت میں کافروں کو اندھوں سے اور مسلمانوں کو بیناؤں سے اور کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے تشبیہ دی تھی اب ان آیات میں حق و باطل کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں ایک پانی کی اور ایک آگ کی جنانچہ فرماتے ہیں

پہلی مثال

اسی واحد قہار نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اس پانی سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق بھر بہے یعنی پانی تو آسمان سے یکساں برسا مگر ہر نالے میں بقدر اس کی وسعت اور عمق کے سمایا اسی طرح آسمان سے قرآن کریم نازل ہوا اور قلوب کی زمینوں نے بقدر اپنی صلاحیت اور وسعت کے اس آسمانی باران رحمت کا اثر قبول کیا اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اور موافق فیض لیتا ہے جیسے ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی لیتی ہے پھر اٹھایا اس سیلاب کے پانی نے اپنے اوپر ایک پھولا ہوا جھاگ سیلاب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خالص پانی اور دوسرا میل کچیل اور جھاگ جو اوپر ہوتا ہے اور خالص پانی نیچے دبا ہوا ہوتا ہے پس اسی طرح سمجھو کہ حق خالص پانی کی طرح ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے اور باطل مثل جھاگ کے ہے کسی وقت باطل حق کو دبا بھی لیتا ہے لیکن باطل کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے تھوڑے سے جوش و خروش

سُوٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

برا حساب اور ٹھکانا اُن کا دوزخ ہے اور بُری ہے تیاری

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے تحقیق ہے

كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ

برابر ہو گا اس کے جو اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے وہ جو

يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَ

پورا کرتے ہیں قرار اللہ کا اور نہیں توڑتے اقرار اور

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ

ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا اور وہ جو

صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ

خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ اور کھلے اور کرتے ہیں

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ

برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کا ہے پچھلا گھر باغ

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

ہیں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں اور جو نیک ہوئے اُن کے باپ دادوں اور

أَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم

جوروؤں میں اور اولاد میں اور فرشتے آتے ہیں ان پاس

مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

ہر دروازے سے کہتے ہیں سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا سو خوب

عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ

ملا عاقبت کا گھر اور جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا

مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن

اس کو پکا کرکر اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا اللہ نے اس کو

يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ

جوڑنا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ اُن کو

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

ہے لعنت ، اور ان کو ہے برا گھر

ذکر حال و مآل محقین و مبطلین

قال اللہ تعالیٰ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا، گروہ سعداء کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت حق کو قبول نہیں کیا، یہ گروہ اشقیاء کا ہے ان آیات میں اخلاق واعمال کے اعتبار سے سعداء اور اشقیاء کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لئے اول اہل حق کے فضائل وشمائل اور ان کے اُخروی نتائج بیان کئے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کے پابند

پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

صفات اہلِ عقل

اب آئندہ آیات میں اہل عقل کی صفات کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ عقل تو دل کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کا اندازہ صفات ہی سے ہو سکتا ہے کہ اندر عقل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجہ کی ہے۔

(وصف اول) "اولوا الالباب" وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے عہد ربوبیت کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے روز میثاق اللہ سے باندھا تھا۔

(وصف دوم) اور عہد کو توڑتے نہیں یعنی نافرمانی سے باز رہتے ہیں۔

(وصف سوم) اور جن علاقوں کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو ملاتے اور جوڑتے ہیں یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے ہیں۔

(وصف چہارم) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی فعل ہم سے خلاف عہد صادر نہ ہو جائے۔

(وصف پنجم) اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے یعنی سخت محاسبہ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ جس سے حساب میں مناقشہ اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوا۔

(وصف ششم) اور جن لوگوں نے محض اپنے پروردگار کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جادۂ طاعت پر قائم رہنے میں صبر کیا یعنی شرائع عبودیت کی پابندی کی اور بوجہ مخالفت نفس جو مشقت پیش آئی اس کا تحمل کیا۔

(وصف ہفتم) اور ٹھیک وقت اور ٹھیک آداب کے ساتھ نماز کو ادا کیا۔

(وصف ہشتم و نہم) اور جو مال و منال اور علم اور فضل و کمال ہم نے ان کو دیا اس میں سے کبھی پوشیدہ اور کبھی ظاہر جیسا موقع ہوا خرچ کیا۔

(وصف دہم) اور بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور سیئہ کی ظلمت کو حسنہ کے نور سے زائل کر دیتے ہیں دیکھو عقلمند ایسے ہوتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء ⁂ اگر مردی احسن الی من اساء

ایسے ہی عقلمندوں کے لیے دار آخرت ہے یعنی ان کے لیے خلود اور بقا کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد جو نیک ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ان باغات میں داخل ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال اولوا الالباب جیسے نہ ہوں گر ساتھ ان کے ساتھ دنیا میں ہو گا یہ اولوا الالباب کی خاص کرامت ہے کہ ان کے طفیل میں ان کے قرابت دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان

اور ایمان ٹھیک ہوا اور درست ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور فرشتے ان پر جنت کے ہر دروازے سے مبارکباد دینے کے لیے پہنچتے ہوئے داخل ہوں گے سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا یعنی دین حق پر قائم رہے اور ثابت قدم رہے پس کیا ہی اچھا ہے دار آخرت جو تمام آفات ظاہری اور باطنی سے سالم اور محفوظ ہے یہ جملہ دار آخرت کی ترغیب اور تشویق کے لیے ذکر فرمایا ہے یہاں تک تو اہل جنت اور سعداء کی صفت و کرامت کا بیان ہوا اب اس کے بالمقابل اشقیاء اور کافروں کی خرابیاں اور ان کے برے انجام کا تذکرہ بیان فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ نابینا اور نادان اور عقل سے کورے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کی مضبوطی کے اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ہر معصیت فتنہ اور فساد ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک ہے ایسے ہی بدعقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے جس کے مقابلہ میں یہ دنیا ان کے لیے بہشت ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کیا کرتے تھے بہر حال ان آیات میں بدبختوں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبر دی کہ ان کا حال اور مآل اہل ایمان کے بالکل برعکس ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا

اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ اور وہ ریجھے ہیں

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر

مَتَاعٌ (۲۶)

تھوڑا برتنا

جواب از شبہ عدم مبغوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیاوی

قال اللہ تعالیٰ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ..... الیٰ ..... إِلَّا مَتَاعٌ

ربط : گذشتہ آیات میں کفار کا ملعون و مغضوب ہونا بیان کیا گیا، چونکہ اکثر کفار دنیوی مال و دولت اور ظاہری عزت و راحت کے اعتبار سے خوش حال تھے اس لئے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر یہ لوگ اللہ کے نزدیک ملعون و مغضوب ہوتے تو ان کو دنیا میں رزق کی وسعت کیوں ہوتی؟ اس آیت میں اس شبہ کا جواب دے دیا گیا کہ رزق کا کم یا زیادہ ہونا ایمان اور کفر پر موقوف نہیں ہم جسے چاہتے ہیں زیادہ رزق دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کم دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت کا کوئی اعتبار نہیں یہ تو چند روزہ ہے آخرت کا عیش بے بدل ہے کافر اس سے محروم رکھے جائیں گے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ آخرت ہی میں ہوگا دنیا دار الامتحان ہے دار الجزاء نہیں۔ دنیا کی تنگی اور فراخی مقبول اور مردود ہونے کی دلیل نہیں بہت سے نیک بندے تنگدست ہوتے ہیں اور بہت سے اوباش عیش و عشرت میں ہیں رزق کی فراخی اور تنگی از روئے حکمت و مصلحت ہے اور یہ کافر جن عیش و عشرت پر خوش ہو رہے ہیں وہ استدراج اور امتحان ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ لہٰذا کافروں کو چاہئے کہ اپنے مال و اولاد کو دیکھ کر مغرور نہ ہوں مال و دولت کی کثرت محبوبیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ استدراج اور ڈھیل ہے کہ مجرم کا پیمانہ خوب لبریز ہو جائے اور جو کرنا ہے وہ دل کھول کر کر لیں پھر یک لخت ان کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے

بنادان آں چناں روزی رساند ÷ کہ دانا اندراں حیران بماند

حق تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کا کم و زیادہ ہونا کفر و ایمان پر موقوف نہیں اور کفار اترا گئے ہوئے ہیں دنیاوی زندگی پر اور اسی کی عیش و عشرت پر اور ان کا یہ اترانا بالکل فضول ہے اس لئے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان۔ حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی رواہ الامام احمد وقال اللہ تعالیٰ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا

❊ ❊ ❊

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اتری اس پر کوئی

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

نشانی اس کے رب سے کہہ اللہ بھٹکاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ

جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو

اَنَابَ ۝۲۷ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ

رجوع ہوا وہ لوگ جو یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

سے سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل جو لوگ یقین لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹ كَذٰلِكَ

کیں نیکیاں خوشی ہے ان کو اور اچھا ٹھکانا اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا

تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ ہو چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ

سنا دے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمٰن سے

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی

مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ

طرف آتا ہوں چھوٹ کر اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا

قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ

ٹکڑے ہو جاوے اس سے زمین یا بولیں اس سے مردے بلکہ اللہ

الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ

کے ہاتھ میں ہیں سب کام سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے

سیکب

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ راہ پر لاوے سب لوگ اور ہمیشہ پہنچتا رہے گا منکروں کو ان

تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن

کے کیے پر کھڑکا یا اُترے گا نزدیک ان کے گھر

دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

سے جب تک پہنچے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں

الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ

کرتا وعدہ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے آگے

فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ

سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر ان کو پکڑا، تو کیسا تھا

عِقَابِ ﴿٣٢﴾

میرا بدلا

رجوع بہ مبحث نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ ... الیٰ ... فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ

(ربط) اوپر سے سلسلہ کلام اہل حق اور اہل باطل کے بارے میں چلا آرہا ہے، درمیان میں قبل وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ میں نبوت کے متعلق مضمون تھا اب پھر اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کافروں کا وہی سابق قول کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا پھر نقل کرکے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر بہت سی آیات ظاہرہ اور معجزات قاہرہ نازل کی ہیں لیکن ہدایت اور ضلالت سب اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معجزات اور بینات تو بہت نازل کئے ہیں مگر تمہیں

اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق نہیں ہوتی تو ہیں نہ کر دی جاتی یہ ناممکن ہے کہ معجزات کا نازل ہونا تمہاری خواہشوں کے تابع ہو جائے بعد ازاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کا حال بیان فرمایا۔

اور یہ کافر لوگ آپ کی نبوت پر طعن اور اعتراض کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی جیسی پہلے پیغمبروں پر اتاری گئی فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور راہ دکھاتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی نشانیاں تو بہت اتاری گئی ہیں مگر خدا جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے کہ معجزات تمہارے سامنے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہ راست پر نہ آئے اللہ کی ہدایت اور توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ایسا شخص بلا معجزہ دیکھے ہوئے بھی ایمان لے آتا ہے کیونکہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے تسکین اور آرام پاتے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ جو دل حقیقت میں زندہ ہیں وہ اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ان کے لیے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے سکون اور اطمینان دنیا کی مال اور دولت سے حاصل نہیں بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ف: لغت عرب میں طوبیٰ کے معنی نہایت درجہ کی خوشی اور شادمانی کے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی حق تعالیٰ کو ضرور نہیں کہ سب کو راہ پر لاوے بلکہ اپنا نشان بھیج کر ہر طرح ہدایت دے بلکہ یہی منظور ہے کہ کوئی بچے کوئی راہ پاوے جو کوئی اس کے دین کا رجوع ہو اسے نشان بس کافی ہے کو سوجھا دیا جاتا ہے" (موضح)

اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں کہ جو نبوت و رسالت کو ایک عجیب چیز سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جس طرح ہم نے آپ سے پہلے پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنا دے کہ جو ہم نے تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور اللہ کی عظیم رحمت ہے تو ان کو چاہئے تھا کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمن کے منکر ہیں اس لیے قرآن پر ایمان نہیں لاتے ان جاہلوں کو اللہ کا نام رحمن معلوم نہیں تھا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرتے سنا یا اللہ یا رحمن! تو اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا کہ اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو خدا کو پکارنے لگا ایک معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود پکڑ لیا یعنی تو اللہ کو پکارتا

ہے اور ایک رحمٰن کو پکارتا ہے ہم تو سوائے رحمان یمامہ (مسیلمہ کذاب) کے علاوہ اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے اسے نبی آپ کہہ دیجئے کہ وہ رحمٰن جس کے تم منکر ہو وہی میرا پروردگار ہے اور وہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی نام سے، اس ایک رب کو پکارنا ہوتا ہے قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور اگر کوئی کتاب الٰہی اس عالم میں ایسی ہوتا کہ جس کے سبب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین محدود کر دی جاتی یا اس کے ذریعہ سے زمین شق کر دی جاتی کہ اس سے نہریں جاری ہو جائیں یا اس کے ذریعے مردوں سے باتیں کرائی جائیں کہ مردے اپنی قبروں میں روتے یا اٹھ کر قبر سے باہر آتے اور لوگوں سے باتیں کرتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے معجزات کی فرمائش کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر قرآن کے ذریعے ان کے یہ فرمائشی معجزات بھی دے دیئے جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے خوب سمجھ لو کہ ایمان اور ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

ف اس آیت میں قرآن سے مطلق کتاب الٰہی مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں زبور پر بھی لفظ قرآن کا اطلاق کیا ہے۔

بعض مسلمانوں کو از راہ شفقت و ترحم یہ خیال ہوا کہ کاش کوئی بڑی نشانی اور یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے اس لیے ان کے جواب اور تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی کیا مسلمان ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہو سکے جو ایسے معجزات مانگتے ہیں جب کہ وہ جان چکے ہیں کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے تو اے مسلمانو! تم ان کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اللہ کو ان کی ہدایت منظور نہیں پھر تم ان معاندین کی فکر میں کیوں پڑے ہو اور ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کافروں کو ان کی کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت جو ان کو ہلاتی رہے گی اور وہ کھڑکاتی رہے یا ان کے گھروں کے قریب ان کے گرد و نواح والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت پا دیں اسی طرح مسلمانوں کے جہاد اور غزوات کا ان کافروں پر مصیبتوں اور آفات کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور اسلام تمام دینوں پر غالب ہو جائے جس کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور آپ ان کافروں کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آپ کے ساتھ خاص نہیں اس لیے کہ تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَہْوَی الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنْ رَّبِّھِمُ الْھُدٰی، اور حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کافروں کے لیے ان کا مکر و فریب ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا گیا یعنی ان کا کفر و شرک محض ایک بے معنی کا ڈھکوسلا ہے جس کو شیطان نے ان کی نظروں میں خوب صورت کر کے دکھلا دیا ہے، سب دھوکہ اور فریب ہے، اور اسی طرح کافروں کی وجہ سے یہ لوگ سیدھے راستے سے روک دیئے گئے ہیں شیطان نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ دکھلانے والا نہیں ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں، میوہ اس کا دائم ہے کبھی منقطع نہ ہوگا اور اس کا سایہ بھی دائم ہے وہ بھی منقطع نہ ہوگا جنت میں نہ سورج ہے نہ چاند اور نہ تاریکی بلکہ ایک رنگ سایہ جیسا ہوگا یہ جنت جزا ہے متقیوں کے لیے اور کافروں کی جزاء آگ ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اترا

اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ

تیری طرف اور بعضے فرقے نہیں مانتے اس کی بعضی بات

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ

کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

ساتھ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانا اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام

عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے ان کی خواہش پر بعد اس علم کے جو تجھ کو

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾

پہنچا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے آگے اور دی تھیں ان کو

اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

جوروئیں اور لڑکے اور نہیں ہوا کسی رسول کو کہ لے آوے کوئی نشانی

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا

مگر اللہ کے اذن سے ہر وعدہ ہے لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو

يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

چاہے اور رکھتا ہے اور اسی پاس ہے اصل کتاب اور اگر کبھی دکھاویں ہم

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں ان کو یا تجھ کو پھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے

الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي

اور ہمارا ذمہ حساب لینا کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا

زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں

مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ

کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم اور وہ جلد لیتا ہے حساب اور فریب کر چکے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ

ہیں ان سے اگلے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَ

ہر جی کی اور اب معلوم کریں گے منکر کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر اور

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ

کہتے ہیں منکر تو بھیجا نہیں آیا کہہ اللہ بس ہے

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

گواہ میرے تمہارے بیچ اور جس کو خبر ہے کتاب کی

خطاب بہ اہل کتاب دربارۂ نبوت

قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ ...... الیٰ ...... وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

ربط، اوپر کی آیتوں یعنی وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ الخ، وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا میں نبوت کی بحث گزری، اب ان آیات میں اہل کتاب کی حالت اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار عرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں زیادہ یہ شبہات کیا کرتے تھے ایک شبہ یہ تھا کہ پیغمبر کو تو فرشتوں کی طرح زن و فرزند سے اور علائق بشریہ سے پاک ہونا چاہیے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ آپ سے پہلے جو نبی بھیجے گئے اور جن کی نبوت کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم وغیرہ وہ بھی اہل و عیال والے تھے دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ جو ہماری خواہش کے مطابق معجزات نہیں دکھلا سکتے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ یہ بات رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ ہماری تکذیب اور مخالفت پر جن مصائب اور آفات سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتیں لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ سے اس شبہ کا جواب دیا کہ خدا کے یہاں ہر شے کا وقت مقرر ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اس لفظ سے ان کے ایک اور شبہ کا اجمالاً جواب ہو گیا کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ توریت و انجیل کے احکام کا اور خود اپنی شریعت کے احکام کا نسخ جائز رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں پھر آئندہ آیت میں اس جواب کی تفصیل فرمائی يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ، کہ حسب مصلحت احکام بدلتے رہتے ہیں ان شبہات کی تفصیل کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۴۱۲ جلد پانچ دیکھیں اب آئندہ آیات میں ان تمام شبہات کا جواب دیتے ہیں

چنانچہ فرماتے ہیں،

اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی یعنی تورات و انجیل جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور نصاریٰ نجران وحبشہ، مراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو قبول کیا اور اس سے منتفع ہوئے ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف نازل کی گئی کیونکہ وہ عقل سے قرآن کو علم و ہدایت کا منبع پاتے اور اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور بعضے فرقے اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع کے مخالف اور مانع ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تمہیں اپنا اتباع رہے کہ تم اپنے اعتقاد معبادہ تثلیث اور کفارہ پر قائم رہو جو ایسی نعمت کہ مجھ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف ایک اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا معبود بنانا یہ شرک ہے اور میں لوگوں کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں نہ کسی غیر کی جانب کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے اس سرائے فانی کا قیام چند روزہ ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت حق ہے اور اس پر میرا ایمان ہے اور یہ امور اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہیں اس لیے کہ اصولاً اہل کتاب توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اور جس طرح ہم نے قرآن سے پہلی کتابوں کو صاحب کتاب کی زبان میں اتارا اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکم عربی بنا کر آپ کی زبان میں اتارا جو معجز اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔

اس لیے اہل کتاب پر اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ یہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے تمام پہلی کتابوں کی ناسخ ہے اور ناسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ضلالت نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے اس لیے سے تعبیر! اگر بالفرض محال آپ نے اس علم الٰہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار اور عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کرو کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو ظاہر میں یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے اور اگر کوئی آپ کی نبوت میں یہ طعن کرے کہ رسول کو نکاح اور بیوی بچوں اور کھانے پینے سے کیا مطلب، یعنی کہ ان دنیوی مرغوبات اور لذات سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے جو کھاتے اور پیتے تھے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی نکاح اور اولاد سے نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس سے بشریت کی تکمیل اور تصفیہ ہو جاتی ہے اسلام میں رہبانیت نہیں سکھاتا حضرات انبیاءؑ جسمانیت اور روحانیت دونوں اعتبار سے کامل ہوتے ہیں اس لیے اہل و عیال ان کے فرائض رسالت کی ادائیگی میں عارض اور مزاحم نہیں ہوتے اور اگر کوئی آپ کی نبوت میں یہ شبہ کرے کہ اگر آپ

اللہ کے نبی ہیں تو ہماری خواہش کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی رسول کے امکان میں یہ نہیں کہ بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لا سکے بغیر خدا کی مرضی کے پیغمبر معجزہ نہیں دکھا سکتا معجزہ کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت اور اس کی حکمت اور مصلحت پر موقوف ہے نہ کسی خواہش اور فرمائش پر وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت موعود اور مدت معینہ کے لیے ایک خاص حکم لکھا ہوا ہے اور ہر دور اور زمانہ کے لیے اس کے مناسب ایک کتاب اور خاص تحریر ہوتی ہے جو مقتضائے حکمت و مصلحت اس امت اور قرن کے لیے مناسب ہوتی ہے اور وہ کتاب کارکنان قضاء و قدر یعنی ملائکہ مدبرات کو دے دی جاتی ہے جب تک اس کی میعاد باقی رہتی ہے اس وقت تک وہ حکم جاری رہتا ہے جب اس کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تب دوسرے زمانہ اور قرن کے مناسب دوسرا حکم آتا ہے اس جگہ اجل سے ازمنۂ موقوتہ مراد ہیں ہر موجود کے لیے ایک دور اور معین زمان چاہیے جس میں وہ محدود ہو کر پایا جائے نہ پیچھے نہ آگے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت کسی کام کے لیے مقرر کر دیا ہے وہ اس کے یہاں لکھا ہوا جب وہ وقت آتا ہے تو جو حکم اس وقت کے مناسب ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ہر زمانہ کے لیے اس کے یہاں ایک مخصوص کتاب ہے اس نے کمال علم و حکمت سے ہر زمانہ کے لیے ایک حکم معین اور مقدر فرما دیا ہے جو ان پر اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سمجھو کہ کوئی نشان اپنے لکھے ہوئے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا اللہ کا کارخانہ لوگوں کی فرمائشوں اور جھک کے مطالبات پر نہیں چلتا اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر کے لکھ دیا ہے جب تک وہ مقررہ وقت نہ آ جائے وہ کام نہیں ہو سکتا مطالبہ اور جلد بازی سے کچھ نہیں ہوتا اس ارشاد سراپا رشاد سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر قضائے الٰہی اور وعدۂ خداوندی کا وقت لکھا ہوا ہے اور ہر قرن اور زمانہ کے لیے جدا حکم ہے جو اس کے مناسب ہے اور ہر حکم اپنے لکھے ہوئے کے مطابق اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت سے مشرکین کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو مشرکین کہتے تھے کہ آپ اپنے کفر اور تکذیب کی بنا پر جن بلاؤں اور عذابوں سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے نہ معین ہے جو خدا کے یہاں لکھا ہوا ہے اپنے اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ میں اجل سے وقت موعود اور مدت معینہ مراد ہے اور کتاب سے نامۂ خداوندی اور نوشتۂ خداوندی مراد ہے اور آیت اپنے ظاہر پر ہے جمہور مفسرین نے اسی

ف اس آیت کی یہ تفسیر تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابوالسعود اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم ان تفسیروں کی مراجعت فرمائیں (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

کو اختیار فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ وقت جس میں اللہ نے کسی امر کے وقوع کو مقدر کیا
ہے اللہ کے یہاں اس کے جاری ہونے کا وقت لکھا ہوا ہے اس لکھے ہوئے کے مطابق اس کا وقوع
اور ظہور ہوتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل کلام اس طرح ہے
لِکُلِّ کِتَابٍ اَجَلٌ یعنی ہر چیز کو خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اس کے لیے ایک اجل موجل اور وقت
معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۹ ج ۹ نیز تفصیل کے لیے تفسیر
کبیر ص ۵۱ جلد ۵ دیکھیں)

اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس نے اپنی حکمت اور ارادہ اور مشیت
سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں اس میں جس طرح چاہے تغیر و تبدیل کر سکتا
ہے اسے یہ کہ وہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت
اور برقرار رکھتا ہے وہ کسی ہوتے ہیں تغیر و تبدیل پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ
کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے یہ اس لیے فرمایا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ جو توریت اور
انجیل میں اور اپنی شریعت کے احکام میں نسخ کو جائز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ
اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق نازل کرتا ہے اور جب وہ مصلحت نہیں رہتی تو اس حکم کو محو کر دیتا
ہے یعنی منسوخ کر دیتا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو وہ نسخ احکام کے
متعلق کرتے تھے ۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو محو و اثبات کا ذکر کیا گیا اس میں ہر قسم کی تغییر و تبدیل داخل ہے مثلاً عمر کا
فنا و زوال اور قوموں کا بننا بگڑنا اقبال اور سعادت و شقاوت کا بدلنا اور رزق میں فراخی اور تنگی ہونا اور عالم
سفلی میں کون و فساد کا ہونا اس قسم کے تمام تغیرات اور انقلابات محو و اثبات کے عموم میں داخل ہیں اور مطلب
یہ ہے کہ وہ مالک و مختار ہے کبھی موجود کرتا ہے اور کبھی معدوم کبھی زندہ کرتا ہے اور کبھی مارتا ہے کبھی مالدار
بناتا ہے اور کبھی فقیر وغیرہ وغیرہ یہی اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے کسی وقت منسوخ کر دے
اور جس حکم کو چاہے برقرار رکھے وہ علیم و حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں غرض یہ کہ ہر قسم
کی تغییر و تبدیل اور ہر قسم کا محو و اثبات اور نسخ احکام سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور محو و اثبات خدا

ملہ: قال القرطبی قوله تعالى لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ اى لكل امر قضاه الله كتاب عند الله قال الحسن وقيل فيه
تقديم وتاخير المعنى لكل كتاب اجل قال الفراء والضحاك المعنى لكل امر كتبه الله اجل مؤجل ووقت معلوم
نظيره لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (تفسير قرطبی ص ۳۲۹ جلد ۹)

ملہ دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۱ جلد ۵ امام رازیؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ محو و اثبات سے کسی خاص شئ کا
محو و اثبات مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں ۱۲

تغیر و تبدل ہوتا نہیں، جیسا کہ روافض کا گمان ہے، بلکہ بطریق حکمت و مصلحت ہے اس لیے کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے جس میں اس محو و اثبات و تغیر و تبدل کی تمام تفصیل درج ہے اور یہ لوح محفوظ قضا و قدر کے تمام دفاتر کی جڑ ہے اور تغیر و تبدل اور محو و اثبات سے منزہ اور مبرا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں "دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی لکڑی سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اور چیز ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ وہ تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں"
اھ (کذا فی موضح القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ان آیات کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں "مترجم گوید مراد از نامہ بہ وقت یعنی ہر کون قضائے الٰہی بوجہے متحقق شود آنرا در عالم ملکوت ثبت می کنند باز ہرگاہ سابقہ خدا ہر چہ را خواہد و ثابت می کند ہر چہ خواہد و نزدیک اوست ام الکتاب یعنی لوح محفوظ مترجم گوید حوادث حادثہ در عالم ملکوت ثبت می فرماید بعد ازاں ہر گاہ خواہد محو کند و ثابت دارد و شاید کہ معنی چنیں باشد ہر زمانے را شریعتے است نسخ می کند خدا سبحانہ و تعالیٰ آنچہ می خواہد و ثابت می گذارد آنچہ خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ" واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تدبیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے ردوبدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک علم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضاء معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔

مسئلہ بداء کی مختصر تشریح

شیعہ آیت مذکورہ یعنی یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ سے بدا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں محو اور اثبات کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا بدا محو اور اثبات مراد ہے اللہ تعالیٰ ہم کو عقل اور فہم دے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تغیر و تبدل اور محو اور اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اسی کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدلنے سے پاک اور منزہ ہے شیعوں کے اس خیال سراپا ضلال کے ابطال ظاہر کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

مسئلہ بدا کی مختصر سی تشریح کردی جائے ۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بداء جائز نہیں اس لیے کہ بدا کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی پس ارادۂ اول کو فسخ کرکے دوسری چیز کا ارادہ کرے تو یہ بداء ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بداء جائز اور واقع ہے اور آیت مذکورہ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے ۔ اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں علماء شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان معنی قولنا بدا لله تعالى انه ظهر له من ثم يكن ظاهرا یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر ہو معلوم ہوئی جو پہلے ظاہر نہ ہوئی تھی ۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوص متواترہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا علم ازلی تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک تمام کائنات اور ممکنات کو برابر و یکساں معلوم ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو اور بعد میں اس کو جانے عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورۂ طٰہٰ میں ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ عاقبت نا اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک ائمہ کو تو علم ما کان وما یکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہونے بعد پہلے ارادہ کو فسخ کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے ۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء راشدین اور مہاجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور ساری رضامندی غلط ہے اول ظہور میں آئے جو بیعت امام صحابہ کی جناب باری کو سوجھ اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی اشارۃً و کنایۃً یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ کے بارہ میں مجھے بدا واقع ہو گیا ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے بارہ میں ایک دو قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ متعدد عظیم و کثیر بدا واقع ہوا کہ بے شمار آیتوں میں صحابہ کی مدح فرما گئے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوند کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو

کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کے بارہ میں بدا واقع ہوا۔

بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اول ۔ بدا فی العلم وھو ان یظھر لہ خلاف ما علم یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقۃ الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

قسم دوم بدا فی الارادہ وھو ان یظھر لہ علیٰ خلاف ما اراد یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

قسم سوم ۔ بدا فی الامر وھو ان یامر بشیئ ثم یامر بشیئ بعدہ یعنی بدا فی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم جیسا دیا کہ جس میں یہ غلطی نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے مطابق ہو۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالیٰ کے بدا کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدا کی پہلی قسم کو شیعہ اپنے عرف میں بدا در اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدا در تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بدا در تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بدا کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے چونکہ بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم اور بدا فی التکلیف بظاہر نسخ کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہہ دیا کہ اہل سنت بھی بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم کو جائز رکھتے ہیں اور بدا کو جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بدا فی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بدا فی الحکم میں فرق اہل سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بدا کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا جو کہ بندوں میں سے کسی کو پہلے سے زمانۂ حکم اول کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو اللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک میعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اسی میعاد اور مدت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین

سے

مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطا سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اور بداء کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے
ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بداء کے مفہوم اور
اس کی حقیقت میں داخل ہے ورنہ پھر وہ بداء نہیں تمام کتب شیعہ سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ بداء کی
حقیقت یہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جائے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں
اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے
اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى اس کی شان ہے اس کے علم
میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور
منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بداء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور
درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطا اور نسیان سے پاک
اور منزہ ہے نسخ میں حکم اول کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر
نہ تھی بلکہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بنا پر احکام میں تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے
سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بداء کے قائل نہیں
کیونکہ بداء کے معنی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے تو یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ
کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

بدو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست ٭ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

اور آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ میں محو اور اثبات سے نامہ اعمال سے
حسنات اور سیئات کا محو و اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع کا تغیر و تبدل مراد ہے علم الٰہی کا
محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اس آیت کے بعد متصلاً یہ وارد ہے کہ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ اور اللہ
کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور علم الٰہی میں
محو اور اثبات اور تغیر و تبدل عقلاً محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے
مطابق اور موافق ہوتا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الکتاب
کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ سے چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے
اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دور اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے جو
چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں
نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ چھوٹے دفتر یعنی لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ
کے بعد واقع ہے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے

تفسیر سورۂ ابراہیم

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اس لیے یہ سورت انہیں کے نام سے موسوم ہوئی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پوری ہوئیں اور خانہ کعبہ قبلۂ صلوات قرار دیا گیا اور حج بیت اللہ جو اسلام کا ایک رکن ہے وہ فرض ہوا اور یہ سب حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

(ربط) سورت سابقہ کی طرح اس سورت میں بھی توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین کا ذکر ہے گزشتہ سورت کے شروع میں نزول قرآن کا ذکر تھا اور اس سورت کے شروع میں بھی نزول قرآن کی حکمت کا بیان ہے کہ لوگ اس قرآن کے ذریعہ ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں۔

نیز گزشتہ سورت میں وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کا مضمون تھا اسی طرح اس سورت میں انبیاء و رسل کا جواب مذکور ہے وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ دونوں آیتوں کا ایک ہی مطلب ہے نیز گزشتہ سورت میں کافروں کے مکر کا ذکر تھا اسی طرح اس سورت میں بھی کافروں کے مکر کا ذکر ہے۔

آیاتہا ۵۲ — سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ : ۱۴ — رکوعاتہا ۷

سورۃ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے

اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾

اجالے کو، ان کے رب کے حکم سے راہ پر اس زبردست سراہے اللہ کی

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ

جس کا ہے سب جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں اور

وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ

خرابی ہے منکروں کو ایک سخت عذاب سے جو پسند

يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ

رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ

اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی وہ بھول پڑے ہیں

بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

دور اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ

کہ ان کے آگے کھول کر بیان کرے پھر بھٹکاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

جس کو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا

آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ

بھیجا گیا کہ قرآن کے نازل کرنے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اور جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو آخرت کا راستہ بھی نہیں دنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے ظلمات یعنی اندھیروں سے کفر اور شرک اور معصیت کے انواع و اقسام مراد ہیں اور نور سے دین حق مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں الٓر اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتارا ہے تاکہ تو اس کے ذریعے سے لوگوں کو کفر و معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور طاعت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے وہ رسول کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا کیونکہ اصل ہادی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور رسول داعی ہیں اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی اللہ کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے اس اللہ کے راستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور خرابی اور بربادی ہے کافروں کے لیے کہ جو دوسری طرف مائل ہیں اور اس سیدھی راہ سے مائل نہیں ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھتے ہیں اپنی تمام جدوجہد صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت کو فراموش کیے ہوئے ہیں اور خود تو گمراہ ہیں ہی اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکتے ہیں اور راہ حق میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے رہتے ہیں تاکہ اس سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کر سکیں ایسے لوگ ایسی گمراہی میں جا پڑے ہیں جو حق اور ہدایت سے بہت دور ہے بظاہر اب راہ ہدایت کی طرف آنے کی کوئی امید نہیں۔

کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب

کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ کی زبان میں ہے اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے یہ قرآن تو آپ ﷺ کی زبان میں ہے اس لیے یہ احتمال ہے کہ شاید یہ قرآن خود آپ ہی کا بنایا ہوا ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں تاکہ احکام الٰہیہ کو خوب ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو آسانی سے سمجھ سکے اور وہ ان کو خدا کا راستہ بتا سکے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے پھر اس اظہار و بیان کے بعد جب ان پر حجت الٰہیہ تمام ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے

کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہ کرنا یہ اس کی حکمت ہے یہاں عقل کی رسائی نہیں

فائدہ جلیلہ بعض لوگوں کو بلسان قومہ کے لفظ سے خصوصی بعثت کا شبہ ہو گیا اور یہ وہم ہو گیا کہ آپ کی بعثت صرف عرب کے لیے تھی جیسا کہ بعض یہود کہتے تھے کہ آپ فقط قوم عرب کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

یہ بیان اور خیال قطعاً غلط ہے اس لیے کہ بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب اور عجم اور تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اور اس آیت میں قوم سے شہر اور قبیلہ اور خاندان کے لوگ مراد ہیں نہ کہ امت مراد ہے اور قوم اور امت میں زمین وآسمان کا فرق ہے قوم خاص ہے اور امت عام ہے قوم تو اس قبیلہ اور خاندان کو کہتے ہیں جس میں آپ پیدا ہوئے اور عرب اور عجم اور کل عالم آپ کی امت ہے جن کی ہدایت کے لیے آپ مبعوث ہوئے پہلے زمانہ میں ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اس لیے انبیاء سابقین میں قوم اور امت کا مصداق ایک ہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ عام ہے اس لیے آپ کی قوم کا مصداق تو خاص ہے اور امت کا مصداق عام ہے اور آیت میں جو قصر ہے وہ فقط باعتبار لسان اور زبان کے ہے یعنی ارسال بلسان قومہ خصوصی اور مطلب یہ ہے کہ نبی کی زبان وہی ہوتی ہے جس قوم میں نبی پیدا ہوا اور یہ مطلب نہیں کہ نبی کی امت صرف وہی قوم ہے جو اس کی ہم زبان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اس لیے یہ تو مناسب نہ تھا کہ ہر قوم کی زبان میں علیحدہ علیحدہ قرآن اترتا اس صورت میں تنازع اور اختلاف کا دروازہ کھل جاتا اور ہر قوم اپنی زبان کے اعتبار سے ایسے معنی کی مدعی بنتی جسے دوسری قوم نہ سمجھ سکتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوئے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف اور اکمل اور افصح اور ابلغ ہے اس لیے آپ پر عربی زبان میں کتاب الٰہی کا نزول اولیٰ اور انسب ہوا اور بطور [illegible] نیز چونکہ حضرت اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں اس لیے آپ پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی کہ جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے کسی زبان میں عربی زبان جیسی نہ لطف تھی اور نہ صرف ونحو اور نہ بلاغت ہے کا ذخیرہ اور فصاحت اور تحقیق الفاظ ہے جو کیا ذکر کیا امریکہ اور برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان قطعیہ اور منضبط اور نحو میں بھی نہیں اگر ہے تو لاتے اور دکھلاتے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ

اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

قوم کو اندھیروں سے اجالے کو

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

اور یاد دلا ان کو دن اللہ کے البتہ اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ

نشانیاں ہیں ہر ایک کو جو ثابت رہنے والا حق ماننے والا اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

وہ دیتے تھے تم کو بری مار اور ذبح کرتے بیٹے تمہارے اور

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور جیتی رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

بڑی اور جب سنا دیا تمہارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى

اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے اور کہا موسیٰ نے

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

اگر منکر ہو گے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ

لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا

ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ ... اِلٰی ... فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ

ربط: گزشتہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت کو ذکر کیا اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے کچھ واقعات ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ اور انبیاء کی بعثت سے بھی یہی مقصود تھا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں آجائے اور اس کو خدا کا راستہ نظر آنے لگے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان عبرانی میں کتاب دی۔ اسی طرح ہم نے آپ کو قرآن آپ کی قوم کی زبان عربی میں دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ اپنی قوم کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکال اور ان کو یاد دلا کہ وہ دن جن میں اللہ نے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود سے پیغمبروں کا بدلہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے انعام اور انتقام کے واقعات اور معاملات یاد دلا بے شک اس قسم کے معاملے میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے انعامات اور احسانات کو جو تم پر ہوئے خاص کر جب کہ اس نے رہائی دی تم کو آل فرعون کے ظلم و ستم سے۔ وہ تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں، بیٹیوں کو عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے بلکہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں زندہ رہیں تاکہ ان کو باندیاں بنا کر ان سے خدمت لیں اور اس معاملہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہیں کہ جس کا جانا ہے نجات دینا اور پھر اس کے بعد عروج میں پہنچانا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو یاد رکھو بے شک میرا عذاب سخت ہے تو تم کو ڈرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے جو عطا کر رکھی ہیں۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند ٭ کفر نعمت از کفت بیروں کند

اسی لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا اے قوم اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے اس کو کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر

ہے اور وہ مشکور ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح و تحمید میں لگا ہوا ہے

بذکرش ہمہ موجودات گویا ۞ ہمہ اوراق دفتر خوش جویا

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان کی جو پہلے تھے

قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ

تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے

لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو آئے ان کے پاس رسول ان کے نشانیاں لے کر

فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا

پھر لوٹائے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے

بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا

جو تمہارے ہاتھ بھیجا اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف تم ہم کو بلاتے ہو

إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ

جس سے خلجان میں ہیں بولے ان کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ

بنائے آسمان اور زمین تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے کچھ گناہ تمہارے

وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا

اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے کہنے لگے تم تو یہی

بَشَرٌ مِثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

آدمی ہو ہم جیسے، چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے

أَبَآؤُنَا فَأْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

رہے ہمارے باپ دادے، سو لاؤ کوئی سند کھلی ان کو کہا ان کے رسولوں نے

إِنْ نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

ہم بھی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ أَنْ

اپنے بندوں میں جس پر چاہے اور ہمارا کام نہیں کہ لے

نَّأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ

آئیں تم پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ

بھروسہ چاہئے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسا نہ کریں اللہ پر

وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ

اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اور اللہ پر بھروسا چاہئے بھروسے والوں کو اور کہا منکروں نے

كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَآ أَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا پھر آؤ ہمارے

فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَأَوْحٰٓى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾

دین میں تب حکم بھیجا ان کو رب ان کے نے ہم غارت کریں گے ان ظالموں کو

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں ان کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا

مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ

کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈرانے سے اور فیصلہ لگے مانگنے اور نامراد ہوا جو

جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

سرکش مخالفت کرنے والا پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلاویں گے اس کو پانی

صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ

پیپ کا گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا اور چلی آتی ہے

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ

اس پر موت ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے پیچھے مار ہے

غَلِیْظٌ ﴿۱۷﴾

گاڑھی

تذکیر بایام اللہ

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ... الیٰ ... وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ

ربط: گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ کہ لوگوں کو اللہ کے ایام یعنی اس کے معاملات کی یاد دلاؤ کہ کس طرح اللہ نے انبیاء سابقین کے مکذبین اور منکرین کو ہلاک کیا تاکہ یہ منکرین ان سے عبرت پکڑیں ان آیات میں بعض امتوں کا حال اور مآل یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گزشتہ قوموں نے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتے ہوئے انبیاء کی تکفیر و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور انبیاء کرام نے اپنے خدا پر بھروسہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب و احباب نے نجات پائی اور ان کے دشمن عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم کو ان لوگوں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد قوم ہود اور ثمود قوم صالح کی اور ان قوموں کی جو ان تینوں قوموں کے بعد گزریں جن کے مفصل حالات اور تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہئے یہ کلام یا تو موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے یا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو خطاب ہے اور ان قوموں کی خبر ان لوگوں میں معروف اور مشہور تھی ان کا آنا اور انجام ان کو معلوم تھا اس لیے ان کو یاد دلایا تاکہ عبرت پکڑیں اللہ تعالیٰ نے ان کا عبرت ناک حال اس طرح بیان کیا کہ ان کے رسول ان کے پاس اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر آئے پس ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

(۱) کہ اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ پر رکھ دیئے کہ چپ رہو اور کوئی حرف اس قسم کا منہ سے نہ نکالو یا یہ معنی ہیں کہ کافروں نے تعجب سے اپنے منہ میں دے دیئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

(۲) اور یہ کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جس چیز کو تم پیغام خداوندی بتلاتے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

(۳) اور جس راہ کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو اس کے بارہ میں ہم شک میں ہیں جس نے ہم کو قلق اور اضطراب میں ڈال دیا ہے اور اس شک کا منشاء صرف ان کی جہالت اور بے خبری اور اعراض تھا دلیل اس پر نہ تھی رسولوں نے ان کے جواب میں کہا کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان اور زمین تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ان کا بنانے والا اور ان کا چلانے والا کوئی ضرور ہے یہ عجیب و غریب آفرینش اس کے صانع کی ہستی پر شاہد ہے پس جس خدا کا وجود اور ہستی اس قدر بدیہی ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہو اب اس کے بعد اس کی کمال رحمت کو بیان کرتے ہیں وہ خدا تم کو ایمان اور ہدایت کی طرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کرے اور تم کو ایک وقت معین تک جیتے جی دنیا میں عذاب دے کر مہلت دے اس جواب پر قوم کفار کے لوگ بولے وہ پانچ شبہے پیش کیے۔

پہلا شبہ

تو یہ کہا کہ تم ہم جیسے ایک آدمی ہو اور تمام انسان ماہیت انسانیہ اور حقیقت بشریہ میں مساوی اور برابر ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان تو اللہ کا رسول ہو جائے اور دوسرا اس پر ایمان لائے اور اس کا پیرو بنے تم صورت اور سیرت میں ہم جیسے ہو تم کو ہم پر کیا فضیلت اور برتری ہے کہ ہم تمہاری پیروی کریں۔

دوسرا شبہ

یہ کہا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی پرستش

سے روک دو جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقہ کو کیسے چھوڑ دیں۔

تیسرا شبہ

یہ تھا کہ اگر تم دعوائے نبوت و رسالت میں سچے ہو تو ہمارے سامنے ایسی روشن دلیل لاؤ جس کو ہم بھی تسلیم کریں مطلب یہ تھا کہ تم نے جو معجزات ہم کو دکھلائے ہیں ان پر ہم مطمئن نہیں ایسے معجزات قاہرہ دکھلاؤ جن کو دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے۔

رسولوں کا جواب

ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں ان سے یہ کہا کہ تمہارے یہ تینوں شبہے لچر ہیں۔

پہلے شبہ کا جواب

بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں یعنی صورت اور بشریت میں بلاشبہ تمہاری طرح ہیں اس سے ہم انکار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور نبوت و رسالت سے اس کو سرفراز کرتا ہے جنس اور انسانیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں کہ اس جنس کے تمام افراد فضائل و کمالات میں برابر ہو جائیں صورت اور بشریت کے اعتبار سے عاقل اور غافل، جاہل اور فاضل سب برابر ہیں پس جس طرح ایک جنس کے افراد میں فضائل نفسانیہ کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے اسی طرح فضائل روحانیہ میں بھی تفاوت ممکن ہے جاہلوں نے انبیاءؑ کی صورت و شکل دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ ہم اور وہ یکساں ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

اور اسی سے دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حق و باطل کی تمیز اور صدق و کذب کا فرق یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور ایک کثیر جماعت کا اس سے محروم رہنا ممکن ہے تمہارے آباؤ اجداد جاہل و نادان تھے اور بے بصیرت تھے ان کو حق و باطل کی تمیز نہ تھی اور جاہلوں کا اتفاق کسی عاقل پر حجت نہیں۔ (تفسیر کبیر [illegible])

تیسرے شبہ کا جواب

کفار کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہم تمہارے ان پیش کردہ معجزات پر مطمئن نہیں ہماری فرمائش کے مطابق معجزات دکھاؤ۔ اس کا جواب دیتے ہیں اور ہماری طاقت نہیں کہ ہم بغیر اللہ کے حکم کے تمہارے پاس کوئی دلیل اور برہان لے آئیں یعنی نبوت و رسالت پوری کر چکا ہے ہم نے قدرت الٰہیہ کی نشانیاں دکھلا دی ہیں - باقی ہم اپنی نبوت کی سند اور روشن نشان پہلے دکھلا چکے ہیں وہ طالبان حق کے لیے کافی اور وافی ہیں ضد اور عناد کا علاج ہمارے پاس نہیں حضرات انبیاء نے جب کفار کو ان کے شبہات کے شافی اور کافی جواب دے دیئے اور کفار ان کے جواب با صواب سے لاجواب ہو گئے تو جہالت اور نادانی پر اتر آئے اور انبیاء کرام کو ڈرانے دھمکانے لگے تو حضرات انبیاء کرام نے کہا کہ ہم تمہاری تخویف سے خائف نہیں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور دوستوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور ہم کو کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہم کو نجات اور ہدایت کی راہیں بتلائیں وہی ہم کو تمہارے شر سے بچائے گا اور خدا کی قسم ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذا پر جو تم ہم کو پہنچا رہے ہو اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اسی طرح تمام نبی تمام حجت کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ اور گرم ہو گئے اور کفار جب طاقت کے غرور میں رسولوں سے یہ کہنے لگے کہ اپنے ترک کو ترک کرو ورنہ لو کہ یقیناً ہم تم کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے جس سے ان کو یہ کہا جا سکے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ انبیاء کرام شروع ولادت سے شرک اور کفر کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے ان کے ساتھ رہتے تھے اور قبل از بعثت ان کو تبلیغ و دعوت نہیں کرتے تھے اس لیے وہ لوگ انبیاء کو اپنا ہم مذہب جانتے تھے اور بعثت کے بعد جب انبیاء قوم کو اللہ کے احکام سناتے تو وہ لوگ یہ سمجھتے کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے اور ان کو دھمکی دیتے کہ یا تو ہمارے مذہب میں آجاؤ ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے جس طرح قوم شعیب نے کہا تھا لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا۔ اور جس طرح قوم لوط نے کہا تھا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے حال سے خبر دی ہے وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا۔ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از بعثت اپنا ہم مذہب سمجھتے تھے اسی وجہ

سے آپ کو صابی کہتے تھے یعنی آبائی دین سے پھر جانے والا کہتے تھے اور آپ کے قتل کے درپے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

خداوند عالم کی طرف سے جواب

غرض جب خدا کے پیغمبروں کو اس قسم کی دھمکیاں دی گئیں تو ان کو ان رسولوں کے رب نے کہ تم کافروں کے اس کہنے سے کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے خوف مت کرو البتہ تحقیق ہم انہی ظالموں کو ہلاک اور تباہ کریں گے اور ان کے ہلاک کرنے کے بعد تمہارے متبعین کو اسی زمین میں بسائیں گے کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔

آگے فرماتے ہیں میری طرف سے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے کہ پتہ نہیں پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میرے عذاب سے بھی ڈرے اس قسم کا خوف دین اور دنیا کی کامیابی کی علامت ہے۔

انبیاء اور ان کی قومیں خدا سے فیصلہ چاہنے لگے انبیاء اپنی فتح کے طالب تھے اور کافر اپنی فتح کے طالب ہو رہے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے دعا مانگی فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي اور لوط علیہ السلام نے یہ دعا مانگی رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ اور شعیب علیہ السلام نے یہ دعا مانگی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ انبیاء نے اپنی فتح کی دعا مانگی اور کافروں نے اپنی فتح کی دعا مانگی اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ

علہ واستفتحوا کی ضمیر میں دو قول مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے کہ رسولوں نے اپنے رب سے اپنی فتح چاہی اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے کہ کفار بطور تمسخر یہ چاہتے تھے اور از راہ تمرد و عناد فیصلہ چاہتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ حاکیا عنہم اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر انبیاء اور کفار دونوں کی طرف راجع ہے انبیاء نے اپنے لیے فتح طلب کی اور کافروں نے اپنے لیے فتح طلب کی (دیکھو روح المعانی ص ... جلد ...)

تو اسے قیامت قائم کرنا اور تم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے چنانچہ کہ اگر خدا تعالیٰ اسی پر قادر ہے کہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ زمین اور ملک پر انبیاء علیہم السلام کے متبعین کو قابض اور متصرف بنا دے

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ
اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے پھر کہیں گے کمزور

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم
بڑائی والوں کو ہم تھے تمہارے پیچھے سو کیا

مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ
بچاؤ گے تم ہم سے اللہ کی مار کچھ؟ وہ بولے اگر اللہ ہم کو لاتا

هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا
ہم کو اللہ، البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری

مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ﴿٢١﴾
کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی

قیامت کے دن کفار کی باہم گفتگو اور پشیمانی کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ۔ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو رہے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کر دیں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہ راست پر ہوتے تو انہیں کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں اور سب کے سب روز محشر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور لوگ یعنی کم درجے کے لوگ ان لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے

تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو کیا آج تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی جز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایان کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب مبتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہوتا جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آئی ہے وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۔ اور میدان حشر میں باہمی مباحثہ کا ذکر ان آیتوں میں ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ

اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا کام ، اللہ نے

اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے وعدہ دیا

فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

پھر جھوٹ کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر یہی

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ

کہ تم کو بلایا ، پھر تم نے مان لیا سو مجھ کو مت الزام دو ،

وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ

اور الزام دو اپنے تیئں، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری

بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ

فریاد کو پہنچو، میں نہیں قبول رکھتا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پہلے

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲۲) وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ

البتہ جو ظالم ہیں ان کو دکھ کی مار ہے اور داخل کیے گئے جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لائے تھے اور کام کیے تھے نیک، باغوں میں بہتی نیچے ان کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا

ندیاں، رہا کریں ان میں اپنے رب کے حکم سے ان کی ملاقات ہے

سَلٰمٌ (۲۳)

وہاں سلام

جہنم میں شیطان کی تقریر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ ...... اِلٰى ...... لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں ضعفاء کفار کی اپنے رئیسوں اور سرداروں سے باہم گفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں شیطان کی گفتگو کا ذکر ہے جو تمام کافروں کا رئیس اور سردار ہے شیطان اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لیے آگ[1] کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا، یہ وقت کافروں

[1] آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی میں ص ۳۵۶ جلد ۹ اور صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۷۰ جلد ۲ میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اللہ علیہ وسلم کو پایا ہو ان کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں گے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہو جاتا کفار کہیں گے سوائے ابلیس کے کوئی نہیں جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا۔ پس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبو اٹھے گی جو کسی نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہوگی اور پھر گریہ وزاری اور چیخ و پکار شروع ہوگی۔ اس وقت شیطان اٹھے گا اور یہ کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الآیہ اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۵۵ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۴ جلد ۲)

اہل سعادت کے حال اور مآل کا ذکر

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔ الٰی ۔۔۔۔ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ

ربط: ان پہلی آیتوں میں اشقیاء کا حال اور مآل بیان کیا اب اہل سعادت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کی آپس کی دعا۔ ملاقات سلام ہوگی جس سے اس امر کا اظہار مقصود ہوگا کہ وہ ہمیشہ آفات سے سلامت رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً

تو نے نہ دیکھا؟ کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال، ایک بات ستھری

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

جیسے ایک درخت ستھرا اس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنی آسمان میں

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ

اللہ کہاوتیں لوگوں کو۔ شاید وہ سوچ کریں اور مثال

كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ

گندی بات کی، جیسے درخت گندا، اکھاڑ لیا، اوپر سے

الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ

زمین کے، کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ، مضبوط کرتا ہے اللہ

اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور

الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ

آخرت میں، اور بھٹکا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو، اور کرتا ہے اللہ

مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾

جو چاہے

مثال کلمۂ ایمان و کلمۂ کفر، و ذکر سوالِ قبر

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ... الیٰ ... وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ آیت

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں اور مومنوں کے اخروی نتائج کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی مثال بیان فرماتے ہیں اور عالم برزخ میں اس کا ثمرہ اور اثر بیان کرتے ہیں تاکہ کلمۂ توحید کی فضیلت اور کلمۂ کفر کی قباحت ظاہر ہو۔

اس آیت میں کلمۂ طیبہ سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ جو اس کے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیونکہ ملزوم کے ساتھ لازم کا ہونا ضروری ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گزرے ہیں جو ایمان اور نفس ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں سب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے قائل تھے البتہ ہر امت میں جو رسول ہوتا ہے کوئی لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ نوح نبی اللہ کہتا تھا کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا اور کوئی موسیٰ کلیم اللہ کہتا تھا اور کوئی عیسیٰ روح اللہ کہتا تھا اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں غرض یہ کہ کلمۂ رسالت جملۂ متبدلہ ہے ہر امت میں بدلتا رہا ہے اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ غیر متبدل ہے جس میں تمام انبیاء اور ان کی امتیں مشترک ہیں اس لیے اکثر احادیث میں لا الٰہ الا اللہ

دلائل مسئلہ تثلیث پر مشتمل نہیں -

غرض یہ کہ کفر کی نہ تو کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ کافر کے پاس اپنے کفر اور شرک کی کوئی دلیل اور برہان ہے اور نہ اس شجرۂ کفر کی کوئی فرع اور شاخ ہے اور نہ کافر کا کوئی عمل اوپر چڑھتا ہے اور نہ کوئی شے اس کی قبول ہے اور ایسے خبیث اور گندے درخت کے پھل کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور اتنا کمزور ہے کہ دلائل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ ایسے بدمزہ اور زہریلے اور بدبودار اور بے بنیاد درخت سے عزلت کریں اور ایسے پاکیزہ درخت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور اس کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہو وہ شجرۂ اسلام ہے جو نہایت درجہ معقول اور نہایت درجہ مستحکم ہے۔

اور حدیث میں جو شجرۂ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت سے اور شجرۂ خبیثہ کی تفسیر حنظل اور کوشت کے درخت سے آئی ہے وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور تخصیص اور مقصود یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ ایک شجرۂ طیبہ کے مشابہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پاکیزہ درخت ہو اور شجرۂ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بدبودار اور بدمزہ ہو وہ سب شجرۂ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے اسی لیے زجاج کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرق نہیں کے درخت کے مشابہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ سے تشبیہ دو لیکن کسی کے ذوق ایسی ہے یہ تاویل اہل سنت والجماعت کی تفسیر ہوئی اور حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ شجرۂ طیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ مراد ہیں اور شجرۂ خبیثہ سے بنی امیہ مراد ہیں (دیکھو روح المعانی ص ۱۹۲ جلد ۱۳)

یہاں تک کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان فرمائی اب آئندہ آیت میں ہر ایک کے اثر اور ثمرہ کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے یعنی کلمۂ طیبہ کی برکت سے جس کی جڑ مضبوط ہے دونوں جگہوں میں یعنی دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمۂ طیبہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور اصحاب اخدود کی طرح جب کفار کی طرف سے کوئی فتنہ اور ابتلا پیش آتا ہے تو توفیق خداوندی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے اور جادۂ توحید سے اس کا قدم نہیں پھسلتا اور کوئی فتنہ پیش آئے تو اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آتا اور اسی طرح مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے نکیرین کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے اور قیامت کے ہولناک دن حساب و کتاب کے وقت اس کو کوئی اندیشہ نہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو دنیا اور آخرت میں حق پر مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے غرض یہ کہ فی الآخرۃ سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے ثابت ہے کہ فی الآخرۃ سے قبر مراد ہے جو آخرت کی پہلی منزل ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جواب کی تلقین اور حق اور صواب پر تمکین عطا فرماتا ہے اور امتحان قبر میں اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور لفظ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الخ ثابت قدم رکھنا

ایک شبہ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت مکی ہے اور حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا لہٰذا یہ آیت عذاب قبر کے بارہ میں کیسے ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اگر اس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو مکہ ہی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو جاتا۔

جواب اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ فی الاٰخرۃ وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں ایک آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ اور ایک آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر اور قیامت کبریٰ یا یوں کہو کہ ایک حقیقی اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور لفظ عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو تثبیت اور اضلال فی الاٰخرۃ کا ایک جزو تو مکہ مکرمہ ہی میں منکشف ہو گیا یعنی قیامت میں حساب وکتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا بہکنا کیونکہ لفظ آخرت سے ظاہر اور متبادر قیامت ہے اور تثبیت اور اضلال کا دوسرا جزو یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر یہ مدینہ منورہ میں منکشف ہوا خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الاٰخرۃ کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور متبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہو گیا اور دوسرا جزو یعنی عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ میں منکشف ہوا پس آیت کے مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے بارہ میں نازل ہونے میں کوئی تنافی نہیں رہی۔

ف (۲۰) آیت میں مومن صالح اور کافر کے ثواب اور عذاب قبر کا ذکر ہے مومن فاسق کا صراحۃً کوئی ذکر نہیں اب یا تو قیاس کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے اعتقاد میں مومن کے مشابہ ہے اور عمل میں کافر کے مشابہ ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی بین بین ہوگا۔

. ھٰذا کلہ ملخص من التثبیت بمراقبۃ التبییت وخط نمبر ۳۰۰ از ملفوظ تحقیق ۱۲

یا یہ کہا جائے کہ شاید گنہگار مومن کے ذکر سے اس لیے سکوت کیا گیا کہ اس کا معاملہ مشیت خداوندی پر موقوف ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

ف (۲۱) جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اس شخص یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو کیا کہتا ہے سوال کے ان دو فرشتوں میں سے ایک کا نام منکر بفتح کاف بصیغہ اسم مفعول ہے اور دوسرے کا نام نکیر بر وزن فعیل ہے یعنی کہ ان کی صورت اور شکل ناشناختہ

ہوتی

ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہ ہے اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے بالکل نئی مخلوق ہے اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر یعنی عالم برزخ میں مومن وکافر سب سے سوال ہوگا اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال وجواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا بغیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کے کسی جز سے متعلق ہو سکتی ہے لہٰذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفتگو کو سنتے ہیں اور نہ میت کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کروٹ اور علامت جو دیکھنے میں آتی ہے منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے مشاہدہ کے لیے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کا کلام سنتے تھے اور جبریل کو دیکھتے تھے مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبریل کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔

بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید الم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ واقع میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہو سکتا ٹھیک یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال کی ہے کہ مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا جب مر جاؤ گے معلوم ہو جائے گا۔

بڑی حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر اور میت کے سوال وجواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک بے حس و بے شعور انسان کا ایک قطرۂ آب سے پیدا ہو جانا اس سے بڑھ کر عجیب وغریب ہے مگر چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن اور حدیث نے خبر دی ہو مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے نابینا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کر دے۔

خلاصۂ تفسیر آیت مذکورہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان وکفر کے فرق کو بتلایا ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ وخوشبودار نفع بخش پھلدار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اتار کر زمین میں نصب کیا گیا جو اپنی علو ورفعت پر کھلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین

وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ

اور خرچ کریں ہمارے دیئے رزق میں سے چھپے اور کھلے پہلے اس سے کہ وہ

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

دن آجائے جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی اللہ وہ ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ

پھر اس سے نکالے میوے تمہاری روزی اور کام میں دی تمہارے کشتی

لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ

اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ

اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم

مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا

کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو

نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ

احسان اللہ کے نہ پورا کر سکو بے شک آدمی بڑا

لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

بے انصاف ہے ناشکر

نہ بیع ہوگی اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کرو جہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات وصفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے چنانچہ آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا (۳) اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۴) پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے (۵) اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعہ تم تجارت وغیرہ کر سکو (۶) اور تمہارے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ حاصل کرو (۷) اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو (۸) اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے (۹) اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو (۱۰) اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو (۱۱) اور ان کے علاوہ دیا تم کو ہر اس چیز میں سے جو تم نے اس سے مانگی اور بے شمار چیزیں بغیر تمہارے مانگے بھی تم کو دیں اور اللہ کی نعمتیں تو اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار میں نہیں لا سکتے ذرا اپنے اعصاب و مافیہا ہی اور ان کے آثار میں غور کرو کہ ہر ایک میں کیا کیا نعمتیں مضمر ہیں تو شمار نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی نعمت میں اگر غور کرے کہ کس طرح حلق سے نیچے اتری اور کس طرح خون بنا اور کس طرح بدن کا جزو بنا تو اس کی حقیقت اور کنہ کو نہیں پہنچ سکتے بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکرا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر محل میں استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کو نہیں پہچانتا اور نعمت کا شکر تو کیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود کتنی بڑی نعمت تھا اس کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب! کر

هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ

اس شہر کو امن کا اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے

الْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ

کہ ہم پوجیں مورتیں اے رب: انہوں نے بہکایا بہت لوگوں کو

فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ

سو جو کوئی پیرو ہوا میری راہ کا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي

بخشنے والا مہربان ہے اے رب! میں نے بسائی ایک اولاد اپنی

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا

میدان میں، جہاں کھیتی نہیں: تیرے ادب والے گھر پاس، اے رب

لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي

ہمارے: تاکہ قائم رکھیں نماز سو رکھ کچھ لوگوں کے دل جھکتے ان کی طرف

إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

اور روزی دے ان کو میووں سے، شاید وہ شکر کریں

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا

اے رب ہمارے! تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو

يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

کھولتے ہیں اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ

السَّمَاءِ ﴿٣٨﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ

آسمان میں شکر ہے اللہ کو جس نے بخشا مجھ کو بڑی عمر میں

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾

اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ بے شک میرا رب سنتا ہے پکار

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ

اور مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

بے انصاف ان کو تو چھوڑ رکھا ہے اس دن پتھرا جائیں

فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

اوپر تک جائیں گی آنکھیں دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

اپنے سر پھرتی نہیں اپنی طرف ان کی آنکھ اور دل اُن کے اڑ گئے ہیں

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ

اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے، کہ آوے گا ان کو عذاب، تب کہیں گے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ

بے انصاف اے رب ہمارے! فرصت دے ہم کو تھوڑی مدت کہ ہم

دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ

مان لیں تیرا بلانا اور ساتھ ہوں رسولوں کے، کیا تم آگے قسم نہ کھاتے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ

کہ تم کو نہیں کہیں ٹلنا اور بسے تھے تم بستیوں میں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

انہی کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور کھل چکا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

اُن سے، اور بتلائیں ہم نے تم کو کہاوتیں اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جاویں

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ

اس سے پہاڑ سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ

رسولوں سے بے شک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا جس دن بدلی جاوے اس زمین سے

غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ

الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ

اکیلے زبردست کے اور دیکھے تو گنہگار اس دن جکڑے ہوئے

فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى

زنجیروں میں کرتے ان کے ہیں گندھک کے اور ڈھانکے

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

لیتی ہے ان کے منہ کو آگ تا بدلہ دے اللہ ہر جی کو اس کی کمائی کا

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ

بے شک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور

لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

تا چونک جاویں اس سے اور تا جانیں کہ معبود وہی ہے ایک

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

اور تا سوچ کریں عقل والے

جاننا چاہیے کہ تبدیل کبھی باعتبار ذات کے ہوتا ہے اور کبھی باعتبار صفات کے ہوتا ہے تبدیل ذات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات بالکل معدوم اور فنا کر دی جائے اور اس کے بدلے دوسری ذات پیدا کر دی جائے اور تبدیل صفات کے معنی یہ ہیں کہ وہی ذات تو باقی رہے اور صفات سابقہ کے بدلہ میں دوسری صفات اس میں پیدا کر دی جائیں اور چونکہ آیت میں جو لفظ تبدیل واقع ہوا ہے وہ دونوں معانی کا محتمل ہے اس لیے آیت میں مفسرین کے دو قول ہو گئے۔

پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں تبدیل صفات مراد ہے یعنی اصل زمین اور آسمان تو وہی رہیں گے مگر ان کی حالت اور صفت بدل دی جائے گی مثلاً زمین کے ٹیلے اور پہاڑ برابر کر کے تمام زمین ایک ہموار میدان بنا دی جائے گی اور کسی درخت اور عمارت کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے گا اور آسمان کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی رنگت سرخ ہو جائے گی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ذات ہی تبدیل ہو جائے گی یعنی یہ زمین اور آسمان نابود کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کر دیا جائے گا اور وہ نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور اس پر کسی نے خون کا قطرہ نہ گرایا ہوگا اور نہ اس پر اللہ کی معصیت کی گئی ہوگی یہ قول عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے اور بعض احادیث میں بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اس بارہ میں اقوال صحابہ و تابعین مختلف ہیں اور احادیث بھی مختلف ہیں بعض سے تبدیل ذات مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے تبدیل صفات معلوم ہوتا ہے بعض علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا اور بعض نے دوسرے قول کو اور امام بیہقی وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق دی کہ زمین و آسمان کی تبدیلی کئی بار ہوگی ایک تبدیل نفخ صور کے وقت ہوگی اس وقت فقط صفات کی تبدیلی ہوگی کہ تمام زمین ہموار کر دی جائے گی اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے دوسری تبدیلی نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ہوگی کہ اس زمین اور آسمان کی بجائے نئے زمین اور آسمان پیدا کر دیئے جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تبدیلی اس وقت ہوگی کہ جب لوگ پل صراط پر ہوں گے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

آگے پھر اس دن کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس دن سب لوگ قبروں سے نکل کر سب اکٹھے ہو کر خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہو جائیں گے اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا پیروں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق پڑے ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے قطران سیاہ روغن کو کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور بدرنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور ڈھانپ لے گی ان کے چہروں کو آگ اور یہ سب کچھ ان کے کرتوتوں کی سزا ہوگی تاکہ اللہ بدلہ دے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے اس کو اولین و آخرین کا حساب کرنے میں کوئی دشواری نہیں ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہیں یہ قرآن اللہ کا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت اور شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ لوگ اس سے

ہو گئے ہو جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ معبود برحق وہی ایک ہے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے کیونکہ قرآن سے خدا کی وحدانیت کے اور انبیاء کرام کی صداقت اور حقانیت کے اور قیام قیامت کے ایسے صریح دلائل بتلائے ہیں کہ جن میں عقل والے کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔

اللّٰھم اخرجنا من الظلمٰت الی النور واجعلنا من اولی الالباب آمین یا رب العالمین ۔ آج بعد نماز جمعہ بروز جمعہ بوقت ۲ بجے دن کے بتاریخ ۲ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۰ھ سورۂ ابراہیم کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولاً و آخراً ۔

سورۂ حجر مکی ہے اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اس میں حجر کے رہنے والوں کی طرف ہلاکت کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حجر ہے اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت کے واقعات اور کچھ بیان وحدانیت اور قیامت کا ذکر بھی ہے ۔

آیاتہا ۹۹ (۱۵) سورۃ الحجر مکیۃ (۵۴) رکوعاتہا ۶

سورۂ حجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی

حقانیت قرآن کریم

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ

ربط : گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا ہے جس کی نبوت و رسالت

کی دلیل ہے (کہ اللہ اعلم بمرادہ) یہ آیتیں جن کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور کامل کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں دوسری کتاب کتاب کہلانے کی مستحق نہیں اور اس قرآن کی آیتیں بھی بہت روشن ہیں یعنی اس کے اصول اور احکام صاف اور روشن ہیں عقل اور نقل سے ثابت ہیں اور اس کا اعجاز واضح ہے پس وہ قرآن حق اور باطل کو بیان کرنے والا ہے لہذا لوگوں کو چاہیے کہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں اور ہٹ دھرمی نہ کریں پہلی امتوں کی طرح تکذیب رسل اور آیات الٰہیہ سے اعراض کی بنا پر غضب الٰہی کے مستحق نہ بنیں اور پھر آئندہ چل کر حسرت کریں کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اس وقت یہ حسرت کام نہ آئے گی۔

کی وجہ سے تم کہتے ہیں کہ وہ شخص جس پر قرآن اور نصیحت اتاری گئی ہے بلا شبہ تو دیوانہ ہے کیونکہ نقد
سے ادھار کی طرف جاتا ہے یعنی دنیا سے آخرت کی طرف لوگوں کو بلاتا تو ہمارے روبرو فرشتوں
کو جو تیری نبوت و صداقت کی گواہی دیں اگر تو سچوں میں سے ہے کیونکہ تیرے پاس اللہ کی وحی آتی ہے
یعنی اگر تو سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو فرشتے ہمارے سامنے لا کر وہ تیری رسالت کی گواہی دیں مَا
نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ. اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ہم نہیں
اتارتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ یعنی بمقتضائے حکمت و مصلحت ظاہر کرانا کرتے ہیں اور
تم جو فرمائش کرتے ہو وہ حق نہیں اور حق سے مراد وقت عذاب ہے اور تمہاری
فرمائش پر فرشتے جب نازل ہوں گے تو عذاب ہی لے کر آئیں گے تو اس وقت ان کو مہلت نہیں
دی جائے گی بلکہ فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے پھر آئندہ آیت میں اشارۃً ان کے مجنون کہنے کا جواب دیتے
ہیں کہ ہمارا نبی مجنون نہیں۔ تحقیق ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان
نگہبان ہیں کوئی شخص کسی قسم کی کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اس میں نہ کوئی
لفظی تحریف کر سکے گا اور نہ معنوی تحریف کر سکے گا اور ظاہر ہے کہ جس پر ایسی نصیحت اور ہدایت کی
کتاب نازل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ یعنی سمجھو کہ جس قرآن کے تم منکر ہو اور جس کی وجہ سے تم ہمارے
پیغمبر کو دیوانہ بتلاتے ہو ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ سمجھ لو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے
جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں اور اس آیت میں حق سبحانہ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ
لیا ہے۔ سوالحمد للہ۔ لہٰذا یہ وعدہ اور اس کی پیشین گوئی جیسی قرآنی تھی حرف بحرف پوری ہوئی۔
چنانچہ بحمداللہ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی کیسی حفاظت ہوئی کہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ اس سے گھٹ
سکا نہ بڑھ سکا۔ اگلی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں مگر قرآن ہنوز اسی حالت پر ہے جس
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اور اسی طرح قیامت تک ہر طرح کی تحریف و تبدیل اور
کمی اور زیادتی سے محفوظ رہے گا۔ جن و انس میں سے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں سے ایک حرف یا ایک
نقطہ کم یا زیادہ کر سکے۔ یہ فضیلت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اس وقت سوائے
قرآن کے روئے زمین پر کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس میں تحریف و تبدیل اور کمی اور زیادتی نہ
ہوئی ہو۔ توریت اور انجیل کے اصلی نسخوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا اور بائبل کے جو نسخے اس وقت
موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں ان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلاف موجود ہیں سوائے قرآن کے روئے
زمین پر کوئی کتاب نہیں کہ ہر خطہ زمین میں جس کے بے شمار حافظ موجود ہوں اور حرف بحرف ان کو
ازبر ہو ہمیشہ سے دشمنان دین قرآن کی تحریف کے درپے رہے اور اب تک ہیں کوئی اس کی ترتیب بدلتا
ہے اور کوئی مکی اور مدنی سورتوں میں فرق کرتا ہے اور کوئی روایات فاسدہ سے اس کے معنی اور مطالب

نسخ نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی شیطانی سے مادہ باب ہو سکتا ہے جیسے معاندین کے سامنے فرشتوں کا نازل کرنا بالکل بے سود ہے۔

لطائف معارف

بابت آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

۱۔ تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکلیہ محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

تحقیق ہم ہی نے یہ کتاب نصیحت نازل کی ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

اسی وعدہ کے مطابق آج چودھویں صدی گزر رہی ہے کہ قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے لیکر مغرب تک ہر ملک میں لاکھوں حافظ موجود ہیں اور روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر زیر کا فرق نہیں بالفرض محال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبہ اور مطبوعہ نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کا ایک حرف اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے قرآن کے سوا کسی آسمانی اور زمینی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

امام رازی[1] فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف و تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہیٰ۔

۲۔ اور شیعوں میں جو غالی اور متعصب ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عثمان بن عفانؓ اور ابوبکر و عمرؓ نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت سی آیتیں اور سورتیں جو حضرت امیر اور اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں اور جن آیات میں اہل بیت کی اطاعت اور پیروی کے احکام تھے اس قسم کی تمام آیات کو قرآن

---

[1] اعلم انه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ فانه لا كتاب الا وقد دخله التصحيف والتحريف والتغيير اما في الكثير منه او في القليل وبقاء هذا الكتاب مصونا عن جميع جهات التحريف مع ان دواعي الملاحدة واليهود والنصارى متوفرة على ابطاله وافساده من اعظم المعجزات وايضا اخبر الله تعالى عن بقائه محفوظا عن التغيير والتحريف وانقضى الآن قريبا من ستمائة سنة فكان هذا اخبارا عن الغيب فكان ذلك ايضا معجزا قاهرا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۳۴۳)

سے ساقط کر دیا اس لیے کہ اس قسم کی آیتیں شیخینؓ اور عثمانؓ کو بہت شاق اور گراں تھیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جن سے ان کی رگ حسد جنبش میں آتی تھی اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کو قرآن سے نکال ڈالا۔ ان میں سے ایک یہ ہے وَجَعَلْنَا عَلِيًّا صِهْرَكَ یہ آیت الم نشرح میں تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے علیؓ کو تیرا داماد بنایا۔ اس آیت صہریت کی نسبت حضرت عمر کی طرف کی گئی ہے کہ عثمانؓ کی طرف اور قرآن میں ایک سورت سورۃ الولایت تھی جو بڑی لمبی سورت تھی۔ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھی اس کو بھی قرآن سے نکال ڈالا۔

۳- اہل سنت والجماعت اس طعن کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طعن کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ فرمایا ہے یعنی یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے حافظ و نگہبان ہیں پس جس چیز کی حمایت اور حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے کسی بشر کو یہ مقدور نہیں کہ وہ اس کی حفاظت میں خلل انداز ہو سکے اور اس میں کچھ گھٹا بڑھا سکے جس چیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق اور تحریف اور کمی زیادتی کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر شیعہ یہ کہیں کہ شیخینؓ اور عثمانؓ کو یہ قدرت ہے کہ وہ وعدۂ خداوندی کو پورا نہ ہونے دیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شیخینؓ اور عثمانؓ معاذ اللہ اس قدر قاہر اور قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو خدا کا وعدہ بھی نہ چلنے دیں۔ حق تعالیٰ نے تو بتاکید پختہ وعدہ کا اعلان کیا ہے کہ ہم ہی قرآن کے محافظ و نگہبان ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے قرآن اصلی کا بالکل نشان مٹا دیا۔ العیاذ باللہ کیا قدرت اور طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دی۔ سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں یا بدل ڈالیں اور خداوند قہار و جبار خاموش دیکھتا رہا۔

۴- اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ ہم اس قرآن کے محافظ و نگہبان ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ:

(۱) یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذوالجلال نعوذ باللہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے اور حفاظت نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور قول میں سچا ہے کما قال اللہ تعالیٰ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا۔ اللہ سے زیادہ کون سچا ہے جس کا قول ہو۔ وقال اللہ تعالیٰ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ۔

(۲) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے بھول جائے سورۂ مریم میں ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے حق میں سہو و نسیان اور غفلت ناممکن اور محال ہے اور سورۂ طٰہٰ میں ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى میرا پروردگار نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے اور سورۂ بقرہ میں ہے لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ خدا کو نہ اونگھ آ سکتی ہے اور نہ نیند

تلاوت کیا کرتے تھے اور نماز میں اسی قرآن کو نماز وتراویح میں پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو اسی
قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور اسی قرآن سے مسائل
شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے اسی قرآن کو ختم بھی کرتے تھے اور اسی قرآن
کے اوامر ونواہی کے پابند تھے اور اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکریؒ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے اگر
ترتیب عثمانی ترتیل ربانی کے خلاف ہوتی تو امام حسن عسکریؒ اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکریؒ کو پتا
کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علماء کی ایک جماعت مثلاً شیخ علی طبرسیؒ
اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل
ٹھیک ہے اور علیحدہ کوئی نہیں بلکہ مطابق ہے اور تفسیر صراط مستقیم جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے اس میں
اس طرح لکھا ہے کہ انا لہ لحافظون من التحریف والتبدیل والزیادۃ والنقصان اور مجمع البیان میں
یہ ہے لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ یعنی اس پر باطل نہیں قرآن پر باطل یعنی
تحریف اور تناقض کا دخل نہیں نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے بھی تاہم سب کو معلوم ہے کہ موجودہ قرآن
بلا شبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس
کی آپ نے صحابہؓ کو تعلیم دی معاذ اللہ عثمانؓ کو ایسا اقتدار کہاں سے ملا کہ جو ترتیب آسمانی کے بدلنے
اور بگاڑنے پر قادر ہو گئے اور ایسے قادر ہو گئے کہ صفحۂ ہستی سے اصل قرآن کا نام ونشان مٹا دیا اور اسد اللہ الغالب
یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے حتیٰ کہ حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت آیا اس وقت بھی باوجود
خلافت اور بادشاہت کے اصل قرآن کو ظاہر نہ کیا اور نمازوں میں ترتیب عثمانی کے مطابق قرآن
پڑھتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے جب بمشورہ صحابہ قرآن کو مرتب کیا تو اس مشورہ میں حضرت امیرؓ بھی شریک
تھے ترتیب عثمانی گویا ترتیب علوی کہا جاتا ہے سنن ابو داؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہؓ سے روایت
ہے قال علی بن ابی طالبؓ لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فی المصاحف
الا عن ملا منا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمۂ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو
خدا کی قسم عثمانؓ نے مصاحف کو جو کچھ کیا اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنیؓ
نے جس قدر نسخے قرآن کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد
کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں نیز اگر بقول شیعہ کلام اللہ محرف ہے تو بشہادت حدیث
ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہا اس لیے کہ تمسک کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شئے

۱؎ یہ علماء شیعہ کی اصل عبارتیں مع ترجمہ دیکھنا منظور ہو تو آیات بینات المشکوک جلد دوم مصنفہ نواب محسن الملک مرحوم و
حضرت علامہ کیرانوی قدس سرہ کی مراجعت کریں۔

موجود ہو۔ غائب اور غیر مقدور چیز سے تمسک ممکن نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کا حکم دیں جو ہماری قدرت میں نہ ہو۔ حدیث ثقلین اس امر پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ جس سے لوگ تمسک کرتے رہیں گے جیسا کہ اہل بیت کا تمسک ہر وقت ہر زمانہ میں حاصل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں جب کہ کتاب تو شیعوں کے زعم کے مطابق موجود ہی نہیں تو تمسک کس سے کریں گے۔

اس مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہٖ صحیح و سالم نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور مستقل تحریف کے قائل ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ اصول کافی میں ہے عن ہشام بن سالم عن ابی عبد اللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ۔ شیعوں کی اس روایت کے مطابق کم و بیش دو تہائی قرآن غائب ہو گیا اور نیست و نابود ہو گیا بہتر تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ ہی نہ لیا ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ قرآن کریم محرف اور غیر معتبر ہو گیا اور توریت و انجیل سے کہیں بدتر ہے۔ توریت اور انجیل میں تو فقط امراء اور حکام کی خاطر تحریف ہوئی باقی سب جگہ تحریف نہیں ہوئی اور قرآن کریم میں اتنی تحریف ہوئی کہ سترہ ہزار آیتوں میں سے صرف چھ ہزار آیتیں باقی رہ گئیں۔ حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا اور توریت کی حفاظت امت موسویہ کے سپرد کی تھی بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ اور قرآن کریم کی یہ نعمت خلفائے راشدین کا طفیل ہے ورنہ حضرات شیعہ کو تو قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نماز اور تہجد میں پڑھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرات ائمہ نے تو شیعوں کو کوئی قرآن دیا نہیں نیز حضرات شیعہ اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں اگرچہ کمی واقع ہوئی ہے اور اس میں تحریف بھی ہوئی ہے مگر اس تحریف کی وجہ سے حلال و حرام میں کہیں تغیر و تبدل نہیں آیا۔ نیز شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس محرف قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آئی اور اس قرآن کو پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے اور اس موجودہ قرآن کے اتباع سے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے نجات میں کوئی فرق نہیں آتا اس اعتبار سے خلفاء راشدین کا شیعوں پر احسان عظیم ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دے گئے اور ائمہ نے تو قرآن کی ایک سورت بھی مسلمانوں کو نہیں دی۔

(۵) اعلم ان القرآن محفوظ بین الدفتین وھو الذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادۃ ولا نقصان فیہ وقالت الروافض ان القرآن وقعت فیہ الزیادۃ والنقصان ثم قال ھذا غلط بلا شبہۃ بعدۃ اوجہ الاول انہ تکذیب لقولہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وامثالہ من الآیات

رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ

مردود سے۔ مگر جو چوری سے سن بھاگا سو اس کے پیچھے پڑا

شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا

شعلہ چمکتا۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا

وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ

اور ڈالے اس پر بوجھ اور اگائی اس میں ہر چیز

مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ

اندازے کی۔ اور بنا دیئے تم کو اس میں روزیاں اور وہ جن کو تم

لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ

نہیں روزی دیتے۔ اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے

وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ

ہیں اور اتارتے ہیں ہم ٹھہرے ہوئے اندازے پر۔ اور چلائیں ہم نے ہوائیں

لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ

(ہوائیں) رس بھری پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا

وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ

اور تم نہیں رکھتے اس کا خزانہ۔ اور ہم ہی ہیں جلاتے اور مارتے

وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ

اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے۔ اور ہم نے جان رکھا ہے جو آگے بڑھے ہیں

مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

تم میں اور جان رکھے ہیں پیچھے رہنے والے۔ اور تیرا رب

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵

وہی گھیر لاوے گا ان کو، بیشک وہی ہے حکمت والا خبردار۔

بیانِ توحید

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا ... الیٰ ... اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کے شبہات تھے ان کو رد فرمایا اب ان آیات میں اثبات الوہیت اور وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں کچھ تو آسمانی چیزوں سے اور کچھ زمینی چیزوں سے اثبات کے پہلی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ برج ہیں یعنی آسمان کے بارہ حصے ہیں جو مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہوگئے ہیں ہر برج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ برج اسی نام سے عرب میں مشہور ہوگیا حمل، ثور جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری دلیل وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا الخ سے ذکر فرمائی کہ زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو بنایا۔ اور قسم قسم کے اشیاء و نباتات کو اس سے اگایا یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے اور تیسری دلیل وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ سے ذکر فرمائی پھر اخیر میں اثبات توحید کے بعد حشر و نشر کا ذکر فرمایا وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ اور وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ میں اثبات قیامت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں برج جن کی جنسیں اور صفتیں اور کیفیتیں مختلف ہیں آسمان بارہ برجوں پر منقسم ہے ہر بارہ برج میں حصہ کا نام برج ہے پھر یہ بارہ برج اٹھائیس منزلوں پر منقسم ہیں اور ہر برج کے لیے دو منزلیں اور ثلث منزل ہیں یہ اٹھائیس منزلیں قمر کی ہیں اور ہر برج کے تیس درجے ہوتے ہیں اور بارہ برجوں کے تین سو ساٹھ درجے ہیں اس حساب سے جب سورج طے کر لیتا ہے تو اس کا ایک دورہ پورا ہوتا ہے یہ دورہ تمام فلک کا ہے سورج اس کو ایک سال اور چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے اور ہر برج کو ایک جمع سیارہ کے لیے منزلیں ہیں مریخ کے لیے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لیے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لیے جوزا اور سنبلہ ہے اور قمر کے لیے سرطان اور

شمس کے لیے اسد اور مشتری کے لیے قوس اور حوت اور زحل کے لیے جدی اور دلو ہے اور جو لوگ ان علوم میں اشتغال رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ حمل اور اسد اور قوس کی طبیعت آتشی ہے اور ثور اور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے اور جوزا اور دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے اور سرطان اور عقرب اور حوت کی آبی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بروج سے کواکب سیارہ کے منازل مراد ہیں اور مجاہدؒ و قتادہؒ یہ کہتے ہیں کہ بروج سے ستارے مراد ہیں اور بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں بہت سے ایک منتہائے بصر و منتہائے نظر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اس لیے کہ آسمان کا عکس دریا اور جھیل اور تمام پانیوں اور پانی کے برتنوں میں نظر آتا ہے اور عکس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شے موجود ہو معدوم کا عکس موجود نہیں ہوتا۔

اور ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا تاکہ ان کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت اور حکمت پر دلیل پکڑیں اور ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ وہ آسمانوں پر چڑھ نہیں سکتے اور نہ وہاں کے حالات سے مطلع ہو سکتے ہیں شیطانوں کی آسمان تک رسائی نہیں۔ مگر جو شیطان آسمان سے ورے ہی چوری چھپے سے کان لگا کر فرشتوں کی کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا شعلہ ہو لیتا ہے جس سے وہ شیطان یا تو جل کر ہلاک ہو جاتا ہے یا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان ہر طرح شیاطین سے محفوظ ہے وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں مگر آسمان کے قریب تک جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں میں جو گفتگو ہوتی ہے کہ ایسا ہے کوئی ایک آدھ بات چوری سے سن کر بھاگتے ہیں شیاطین جب کوئی خبر سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو آگ کا ایک شعلہ ان کا پیچھا کرتا ہے شیطان اس سے بھاگتا ہے کبھی وہ شعلہ اس سے لگتا ہے جس سے وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اس کی زد سے بچ نکلتا ہے اور جو کچھ وہاں سے سن کر بھاگتا ہے اس کو کاہن پر القا کرتا ہے کاہن اس میں سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر مشتہر کر دیتا ہے صرف ایک بات ان دونوں میں سچی نکلتی ہے لوگ اسی ایک سچی بات پر ان کے معتقد ہو جاتے ہیں مگر ننانوے جھوٹوں کی طرف خیال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے شیاطین بے روک آسمانوں پر جایا کرتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں سے آ کر بیان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد صرف تین آسمان تک جاتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بالکل ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی اب جو آسمان پر خبریں چرانے جاتا ہے شہاب ثاقب سے اس کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی چھوڑے جاتے تھے مگر ان میں شدت اور کثرت نہ تھی

گئی آپ کی بعثت کے بعد اس میں شدت اور کثرت ہوگئی جس سے شیاطین اور جنات میں کھلبلی پڑ گئی مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد اس کا اہتمام زیادہ ہوگیا اور آسمان کی حفاظت اور حراست میں اور زیادتی ہوگئی خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس نبی اور رسول کو قوم دیوانہ اور مجنون سمجھتی ہے یہ کواکب اور نجوم اس کی حفاظت اور حراست کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت کا نشانیاں ہیں۔

(دیکھو زاد المسیر ص ۳۰۵ جلد ۴ و تفسیر قرطبی ص ۱۱ جلد ۱۰ و روح البیان ص ۴۲۳ جلد ۴)

دلیل دوم

اوپر عالم علوی کے دلائل سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا اب عالم سفلی کے دلائل سے اپنی خالقیت اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا جس پر بے شمار مخلوق آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا قائم کرنا اور پھر زمین میں انواع و اقسام کی روئیدگی اور سامان زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور زمین کو ہم نے پھیلایا۔ اور اتنا وسیع کیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے اور اگائی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ ہر چیز کو اپنی علم و حکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا کوئی چیز بے ضرورت اور بے فائدہ نہیں اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔ یعنی تمہارا کھانا، پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا جن کے تم روزی دینے والے نہیں یعنی بال بچے اور غلام اور جانور چرند اور پرند کو تمہارے فائدہ کے لیے پیدا کیا اور ان سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں۔ آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جب وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ کا عطف مَعَايِشَ پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ کا عطف لَكُمْ ضمیر مجرور پر ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَلِمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ تو اس وقت مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل و عیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامان معاش و رزق میں سے کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم زمین پر اپنے خزانۂ غیب سے مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق یعنی ہر چیز ہمارے خزانہ میں بے حساب بھری ہوئی ہے اندازۂ مقرر کے ساتھ اتارتے ہیں ہمارے علم اور حکمت میں جو اندازہ مقرر ہے اسی کے مطابق اترتا ہے۔ اس میں نہ زیادتی متصور ہے اور نہ کمی۔

مِن نَّارِ السَّمُومِ ۝ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

لو کی آگ سے ۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو

إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ

میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے

حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي

گارے سے ۔ پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی

فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

جان سے تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں ۔ تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سارے

أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبٰٓى أَن يَكُونَ مَعَ

اکٹھے ۔ مگر ابلیس نے ۔ نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ

السّٰجِدِينَ ۝ قَالَ يٰٓإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ

کرنے والوں کے ۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ نہ ساتھ ہوا

السّٰجِدِينَ ۝ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ

سجدہ والوں کے ۔ بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو کہ تو نے بنایا

مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ

کھنکھناتے سنے گارے سے ۔ فرمایا تو تو نکل

مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلٰى

یہاں سے کہ تجھ پر پھٹکار ہے ۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے انصاف

يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِيٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

کے دن تک ۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے جی اٹھیں

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی گئی اسی مقرر وقت کے

الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ

دن تک۔ بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا میں بھی ان کو بہاریں

فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ

دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دوں گا ان سب کو مگر جو تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

چنے ہوئے بندے ہیں۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک

مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

سیدھی۔ جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ

نہیں مگر جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں۔ اور دوزخ پر

لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ

وعدہ ہے ان سب کا۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر

بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿۴۴﴾

دروازے کے واسطے ان میں ایک فرقہ ہے بٹ رہا ہے۔

ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ ... الیٰ ... لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ

ربط: اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے مخلوقات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور

جانیت کا ذکر فرمایا۔ سب یہاں جن وانس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے
مراد ہوتا ہے جنوں کا باپ۔ جیسے جس طرح اور بڑی آیتوں میں انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد
ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب
تھی اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے
تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں
ان دونوں نوعوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اول
ہیں بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدم کی اصل اور ابتدا تراب ہے
یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں تر کیا تو وہ طین ہو گئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چکنی
ہو گئی لیس دار ہو گئی پھر حما مسنون یعنی سڑا ہوا اور بدبودار گارا ہو گیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بجنے
والی ہو گئی۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ انسان کو ایسی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا
اور ٹھیکرا اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور انسان
کے پیدا کرنے سے پہلے بحکم اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابو الجن کو لو کی آگ سے پیدا کیا

جمہور مفسرین کے نزدیک جان سے مراد ابو الجن یعنی جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو
لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصری اور قتادہ سے یہ منقول
ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں
میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔
ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور وہ مرتے نہیں۔ سب کے
سب ابلیس کے ساتھ مریں گے جب ان کا باپ مرے گا تب وہ بھی مریں گے (تفسیر خازن و قرطبی)

امام رازی فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری
جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جماعت جن کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مومن
ہو اس کو شیطان نہیں کہا جاتا ہے جنات میں سے جو کافر ہو صرف اسی کو شیطان کہا جاتا ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۳۳ جلد ۱۴)

علامہ سفارینی فرماتے ہیں۔ انسی تین ہیں۔ آدم ابو البشر ہیں۔ اور جان ابو الجن ہیں اور ابلیس ابو الشیاطین ہیں
(صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۹۱ جلد ۲)

خداوند لطیف و خبیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نار سموم سے بنایا جن کا مادہ
ملائکہ سے اقرب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جن کا مادہ کثیف ہے مادی ہے جو نورانیت سے گھٹا

سے ہر ایک شخص داخل ہو جائے گا جو اس کے لیے مقدر اور متعین ہے ۔

ف ۱ مختلف ابواب ۔ سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں ۔ جہنم، لظیٰ، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص حصہ پر بھی ہوتا ہے ۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے سے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے ۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں ۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عملی کرنے والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ۔ مثلاً بہشت کا ایک دروازہ ہے زیادہ اس پر ہے کہ بعضے مومن نوافل سے جنت میں جائیں گے ۔ بغیر حساب کے ۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں ۔ مو ۔

ف ۱ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید و غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زجر و توبیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و اکرام نہیں بلکہ دلیل اہانت و حقارت ہے ۔
(دیکھو کلام مجید تفسیر احکام القرآن ص ۱۵۲)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا
بے شک پرہیزگار ہیں باغوں میں اور چشموں میں ۔ جاؤ ان میں

بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ
سلامتی سے خاطر جمع سے ۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جی میں تھی خفگی ۔

إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا
بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے ۔ نہ پہنچے گی ان کو

نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ
وہاں کچھ تکلیف اور نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے ۔ خبر سنا دے

عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي
میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان ۔ اور یہ بھی کہ میرا عذاب

إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾

مگر جو راہ بھولے ہیں۔ بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجو :

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ

بولے ہم بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر۔ مگر لوط کے گھر والے

إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا

ہم ان کو بچا لیں گے سب کو۔ مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرا لیا

لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾

وہ ہے رہ جانے والوں میں۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا

بولا تم لوگ ہو اوپرے۔ بولے نہیں، پر ہم لائے ہیں تیرے پاس

فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾

جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اور ہم لائے ہیں تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں۔

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ

سو لے نکل اپنے گھر والوں کو رات رہے سے اور آپ چل ان کے پیچھے،

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی، اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ

اور چکا دیا ہم نے اس کو وہ کام کہ ان کی جڑ کٹے گی

مُصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾

صبح ہوتے۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔

ثمود آباد تھی۔ اسی قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ مگر چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا حقیقت میں سب نبیوں کا جھٹلانا ہے اس لیے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں جن سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی۔ منجملہ ان معجزات کے ایک معجزہ ناقہ کا تھا۔ سو وہ لوگ ان نشانیوں سے منہ پھیرتے تھے۔ یعنی ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے وہاں جا کر وہ اپنے گمان میں بہت مضبوط مکانوں کی وجہ سے مامون اور بے خوف و خطر تھے۔ ان لوگوں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہمارے یہ مکانات منہدم ہو جائیں گے۔ یا کوئی چور ان میں نقب لگا سکے گا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ کوئی قلعہ اور کوئی مکان عذاب الٰہی سے امن و امان نہیں دے سکتا۔ پس اسی طرح بے فکری میں تھے کہ صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی کی ایک سخت اور تند آواز نے آ پکڑا۔ سو ان کی طویل خواب غفلت سے ان کو بیدار کر دیا پس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ یعنی مال و دولت اور ساز و سامان اور پہاڑوں کے مکان اور عیش و عشرت کے سامان جن پر وہ مغرور تھے کوئی ان کے عذاب سے بچا نہ سکا اور جب آنکھ کھلی تو سوائے ہلاکت کے کچھ نہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کیا سے کیا ہو گیا۔ مگر قدرت کا دستور اسی طرح جاری ہوتا ہے اور ایسی ہی غفلت میں پکڑ چھپا ہوا رہتا ہے اور پکڑ کرتے جاتی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے بغیر

بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ

تدبیر۔ اور قیامت مقرر آنی ہے سو کنارہ پکڑ اچھی طرح

الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ

کنارہ۔ تیرا رب جو ہے وہی ہے بنانے والا خبردار۔ اور ہم نے

اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجے کا۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا

مت پسار اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کو کئی طرح کے لوگوں

مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

کی اور نہ غم کھا اُن پر اور جھکا اپنے بازو

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ كَمَا

ایمان والوں کے واسطے۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر جیسا ہم

أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن کو

عِضِينَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوا

بوٹیاں۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے اُن سب سے۔ جو کام

يَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ

کرتے تھے۔ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر

الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۹۵﴾ الَّذِينَ

شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو جو

يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾

ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی سو آگے معلوم کر لیں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۹۷﴾

اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ

سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدہ کرنے والوں میں۔ اور بندگی کر

رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾

اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔

تلقین صبر برایذائے اہل استہزاء وتمسخر

قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ..... الیٰ ..... حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

ربط: گزشتہ آیات میں پہلی امتوں کے معاندین کے حال اور مآل کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے معاندین کی ایذاء اور تمسخر پر صبر کریں اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں اور جو لوگ آپ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ آپ بے خوف وخطر تبلیغ اور دعوت کو جاری رکھیں اور تسبیح وتحمید اور عبادت میں لگے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ تاکہ لوگ ان سے صانع عالم کے وجود اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور قدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے وہاں سزا مل جائے گی اور ہر ایک کے کردار کا نتیجہ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ پس آپ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیجئے۔ بے شک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے لہٰذا آپ ان کے معاملہ کو خدا کے علم اور حکمت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا اور آپ ان کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اس نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے وہ یہ کہ دی ہے ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں جو بار بار نمازوں میں دہرائی جاتی ہیں اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہم نے آپ کو قرآن عظیم دیا جس کے ہر حرف کے نیچے علوم انبیاء کا ایک سمندر ہے اور یہ قرآن عظیم جو آپ کو دیا گیا ہے۔ تمام کتب انبیاء اور صحف سماویہ کا خلاصہ اور سب لباب ہے اور سورۂ فاتحہ اس تمام قرآن کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ پس یہ سورۂ فاتحہ اور یہ قرآن عظیم وہ دولت عظمیٰ ہے کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں پس آپ خدا کی اس نعمت عظمیٰ پر نظر رکھئے اور اس دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے چند روزہ نفع اٹھانے کے لیے دے رکھا ہے ازواجاً منہم سے انواع واقسام کے کافر مراد ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر دشمنان خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے آپ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے وہ نہایت حقیر اور ذلیل ہے اور قرآن عظیم اور حکمت کی جو دولت ہم نے آپ کو دی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔

دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

چشم بکشائے قدر ہمت تو — نہ بلند فلک چہ جائے بہشت

دوری آں سلطنت کہ در نظرت — ملک کونین در حساب نیست

جمہور مفسرینؒ کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے سورۃ فاتحہ مراد ہے اور بعض روایات حدیث مرفوعہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور ابن عباسؓ کا ایک قول بھی یہی ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ سبع مثانی سے سبع طوال مراد ہیں۔ یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں، سورۃ بقرہ سے سورۃ اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں سورت کے بارہ میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ ملکر ایک سورت ہے اور اسی وجہ سے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور یہ دونوں سورتوں کا مجموعہ طوال کی ساتویں سورت ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۃ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں قرآنی حدود اور قصص اور احکام اور امثال و عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فضل کیا کہ یہ ساتوں مثانی آپ کو عطا کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کو یہ سورتیں عطا نہیں ہوئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے دو سورتیں دی گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ عطا ہوئیں۔ جب انہوں نے الواح تورات کو زمین پر ڈالا تو دو سورتیں اٹھالی گئیں اور چار باقی رہ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ سبع مثانی یعنی یہ سات سورتیں بمنزلہ سات صحف کے ہیں یعنی بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں کہ جو دیگر انبیاء کرام پر متفرق نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع مثانی عطا کیں۔ جو بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں۔ اور ان سات کا مجموعہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اور قرآن عظیم تمام اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اور یہ سبع طوال پورے قرآن کا اجمال ہے اور سورۃ فاتحہ سبع طوال کا اجمال اور متن ہے لہٰذا جن صحابہ کرامؓ سے یہ منقول ہے کہ سبع مثانی سے پورا قرآن مراد ہے یا سات لمبی سورتیں مراد ہیں یا سات آیتوں والی سورت سورۃ فاتحہ مراد ہے سب اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں مثانی کا لفظ اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ اور سبع طوال اور قرآن عظیم سب کو شامل ہے مگر اس قول پر اشکال یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت تک سبع طوال کا نزول نہیں ہوا تھا۔ یہ سات بڑی سورتیں مدنی ہیں مدینہ میں جاکر نازل ہوئیں۔ جس کا جواب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید بھی مکہ میں نازل نہیں ہوا تھا مگر اس کے نزول کا وعدہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا اس لیے سبع مثانی سے سبع طوال مراد لینا باعتبار وعدہ نزول کے صحیح ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ حق اور صدق ہے۔

اور یہ بدنصیب اگر سبع مثانی اور قرآن عظیم جیسی نعمت کو قبول نہ کریں تو آپ ان کی محرومی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں یعنی آپ ان کے حال پر رنج و غم نہ کریں اور بجائے ان کے درویشان اسلام یعنی اہل ایمان

پر

تفسیر درمنثور میں ان مستہزئین کی ہلاکت کی روایتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی وقت میں ہلاک ہوئے۔ (فتح الباری ص ۲۱۰ جلد ۸)

نکتہ — بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مستہزء کرنے والوں میں سے کوئی اپنے سر سے آپ کی طرف اشارہ کرتا ہوگا اور کوئی آنکھ سے اور کوئی اپنے پیٹ سے اور کوئی پیر سے جس جگہ سے مستہزئین کے انہیں اعضا کی طرف اشارہ کیا جن کے اشارہ سے وہ حضور پرنور کا مذاق اڑاتے تھے انہیں اعضا کی طرف فرشتوں نے اشارہ کیا اور وہ ہلاک کیے گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کی طرف توجہ فرماتے ہیں، ارشاد ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان کی کفر و استہزاء کی باتوں سے تنگ ہوتا ہے جب یہ لوگ شرک کرتے اور قرآن پر طعنے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تو ظاہر ہے یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتیں اور ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا سو اس کا علاج یہ ہے کہ ملے ہی آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھا کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے تسبیح و تحمید سے اور سجدہ سے سینہ کے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جائیے جس کی ابتداء قیام سے ہوتی ہے اور انتہا سجود پر ہوتی ہے اور سجود قرب خداوندی کی آخری منزل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ اور رکوع تعظیم خداوندی کی درمیانی منزل ہوتی ہے اور قیام اور سجدہ کے درمیان ایک برزخی مقام ہے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے یعنی جب تک جیتا رہے اس وقت تک دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتا رہ۔ جس درجہ آداب عبودیت بجالانے کا اسی درجہ اسرار ربوبیت کا مکاشفہ ہوتا رہے گا۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جگہ یقین سے مراد موت ہے کیونکہ موت کا آنا ایک ایسا امر یقینی ہے جس میں کسی کو شک نہیں۔ یہ بات تم کو بھی ہے کہ موت کا ایک نام یقین بھی ہے۔ اور احادیث اور قرآن میں لفظ یقین بمعنی موت مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک میت کی نسبت آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اما ھو فقد جاءہ الیقین انی لارجوا لہ الخیر۔ اور عارفین نے اس جگہ یقین سے کیفیت یقینیہ مراد لی ہے۔

یقین پر رو باطن خیال — نالہ سرا پردہ لاہوتی

مطلب یہ ہے کہ دم آخر تک اپنے رب کی حمد و تسبیح کیا اور اس کی عبادت میں لگے رہو اللہ تعالیٰ قیامت سے سینہ کی تنگی دور کر دے گا جس کے مستمر تعلق کی دولت سے فکر کی قوت سے ذکر الٰہی اور عبادت کی خاصیت یہی ہے کہ اس سے سینہ کی تنگی زائل ہو جاتی ہے یا مقرب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ اللہ نے مجھے یہ حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتا رہوں اور سجدہ

کرنے والوں میں ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ مجھ کو موت آ جائے۔

(تفسیر قرطبی ص ۶۴ جلد ۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج بروز دو شنبہ بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ بوقت ۹ بجے دن کے سورۃ حجر کی تفسیر سے فراغت ہوئی، و للہ الحمد والمنۃ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ نحل

یہ سورت باتفاق مکی ہے اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۃ نحل ہے اس وجہ سے کہ اس میں نحل کا ذکر ہے۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام سورۃ نعم بھی ہے اس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل توحید ہیں پیرایہ انعام و امتنان کا ہے مگر در پردہ ہر نعمت اس کی وحدانیت کی دلیل اور برہان ہے جن سے مقصود ابطال شرک ہے اس سورت کے زیادہ مضامین تو توحید اور ابطال شرک کے ہیں اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن میں منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ میں کافروں کے پہلے شبہ کا جواب دیا گیا۔

اور هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ میں مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ میں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ میں منکرین بشریت کے چوتھے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اسی طرح اخیر سورت تک زیادہ تر توحید کے دلائل عقلیہ کا بیان چلا گیا اور جا بجا نبوت و رسالت اور حقانیت قرآن اور قیامت اور حشر و نشر کے منکرین پر وعید اور تہدید کا بیان چلا گیا اور آخری رکوع میں رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لیے رسالت ابراہیمیہ کا ذکر فرمایا اور چونکہ کفار اور مشرکین آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء رسانی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس سورت کو صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم فرمایا۔

سورۂ نحل مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے ۔ جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا

پہنچا حکم اللہ کا سو اس کی شتابی مت کرو وہ پاک ہے ۔ اور اوپر ہے ان

يُشْرِكُونَ ① يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ

کے شریک بتانے سے ۔ اتارتا ہے فرشتے بھید دے کر اپنے حکم سے جس

مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

پر چاہے اپنے بندوں میں ۔ کہ خبر پہنچا دو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا

أَنَا فَاتَّقُونِ ②

میرے سو مجھ سے ڈرو ۔

آغاز سورت بوعید و تہدید منکرین توحید

قال اللہ تعالیٰ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ...الیٰ ... لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۔

یہ سورت چونکہ زیادہ تر دلائل توحید پر مشتمل ہے جس سے مقصود مشرکین کا رد ہے اس لیے اس سورت کا آغاز وعید و تہدید سے کیا گیا تاکہ مشرکین متوجہ ہو جائیں اور غور سے دلائل توحید کو سنیں، کیونکہ توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے ۔ اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے اور انبیاء نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اس پر مشرکین یہ کہتے کہ وہ عذاب اور قیامت جس سے آپ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں وہ کہاں ہے اور کب آئے گا اور ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر کبیر ص ۲۹۴ ج ۵) چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کا حکم آچکا ہے کہ دنیا ہی میں کافروں کو سزا ملے گی اور کفر ذلیل و خوار ہوگا۔

اور اسلام سر بلند ہوگا، اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت، اور کفر کی مغلوبیت اور ذلت امر یقینی اور امر مقرر ہے اور ان منکرین کی سزا کا وقت قریب آ گیا۔ سو تم اس کی طلب میں جلدی مت کرو، تمہاری تمنا کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جلدی مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب موعود کا آنا یقینی ہے اس کا حکم آ چکا ہے اپنے وقت پر آئے گا، اور جب آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ عذاب کے آنے سے پہلے شرک سے توبہ کر لو، اللہ پاک و برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، عذاب آنے پر تمہارے یہ معبود تمہاری کوئی شفاعت نہیں کر سکیں گے، رہا یہ امر کہ اللہ نے تم کو براہ راست کفر اور شرک سے کیوں نہ منع کر دیا، نبی اور رسولوں کے واسطے کی کیا ضرورت تھی سو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی اور پیغام دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے ہر کس و ناکس پر نہ فرشتہ آتا ہے نہ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور وحی خداوندی چونکہ حیات روحانی کا سبب ہے اس لیے وحی کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے، جس طرح روح حیات اور زندگی کا ایک سبب ہے اسی طرح وحی بھی مومنوں کے دل کو زندہ کرتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا گیا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا صرف مجھ ہی سے ڈرو میرے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں ہے۔

مرا بندگی کن کہ دارا منم   تو از بندگانی و مولا منم

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا، ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک، وہ برتر

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہے ان کے شریک بتانے سے۔ بنایا آدمی کو ایک بوند سے

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

پھر تبھی ہو گیا جھگڑا بولتا۔ اور چوپائے بنا دیئے تم کو

فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا

ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو۔ اور تم کو ان سے

ہے

جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ

رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو۔ اور اٹھا لے

أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ

چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر،

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ

بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے پیدا کئے اور خچر

وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور رونق۔ اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ

اور اللہ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ، اور کوئی راہ کج بھی ہے، اور وہ چاہے

لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

تو راہ دے تم سب کو۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے

مَاءً ۖ لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

پانی۔ تمہارا اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں جن میں چراتے ہو۔

يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَ

اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور

الْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں نشانی

لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ

ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔ اور کام میں لگا دیا تمہارے رات

وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌۢ

اور دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲

اس کے حکم سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو بوجھ رکھتے ہیں۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ

اور جو بکھیرا ہے تمہارے واسطے زمین میں کئی رنگ کا، اس

فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِىْ

میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے جس

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا

نے کام لگایا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس

مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ

سے گہنا جو پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَ

اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید احسان مانو۔ اور

اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا

ڈالے زمین میں بوجھ کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور ندیاں بنائیں

وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ

اور راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور بنائے پتے۔ اور تارے سے

هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ

راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے، برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا

کیا تم سوچ نہیں کرتے۔ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی نہ

تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

پورا کر سکو ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور جن کو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ

اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ؕ

مردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور جو جتاتے ہیں۔ بے شک وہ نہیں چاہتا

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

غرور کرنے والوں کو۔

ذکرِ دلائلِ توحید

قال اللہ تعالیٰ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ... الیٰ ... اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اول اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرامؑ اسی کی تعلیم دیتے رہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب کریم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور رازق و تمہارا کارساز بھی ہے اور کسی کشیدنی کے نہ ہونے سے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہیے کہ نعمتوں سے متمتع ہو کر اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اول زمین و آسمان کے تغیرات اور ان کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا یہ آسمان کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا مقتضا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش خدا کے کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں کوئی جزو سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار دیا گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا ماں باپ

قسم ہشتم (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کما قال تعالیٰ۔ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ ... الیٰ ... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم (استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال تعالیٰ۔ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آگیا۔

قسم دہم (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کما قال تعالیٰ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ... الخ۔ اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک بابرکات ہے جو ان عجائب و غرائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر اربعہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مانع تھا اس لیے مضمون مذکور کو إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اول — خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوند قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر شتاب اور سرپا ناز کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر

اس میں نہ خانہ یا کنویں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہیٰ معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی اثیر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور اس قدرت و تدبیر کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم ـــ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو یعنی پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات و صفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرۂ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادر شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تقدیر تھی۔

یہ آیت ابی بن خلف جمحی کے بارہ میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا۔ بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم ـــ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ ... الی ... إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ

اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہے جو تم کو جاڑے سے بچاتی ہے جیسے کمبل بنتے ہیں اس کے علاوہ کئی فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تر و تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے اور صبح

کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامان زینت و عزت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صوف اور بال تمہارا سامان لباس ہے۔

قسم چہارم — وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ — اول حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لیے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ سے اجمالاً ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۔

اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آرہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور دہریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جاسکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستہ کو بیان کرنا اللہ کے ذمے ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت

کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتۂ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوال نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

احوال نباتات سے استدلال

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ ... الٰى ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اگتے ہیں جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوئیں نمودار ہوئیں اور زمین میں جڑیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب اصل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے تو اس میں غور و فکر کرنے والا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاریگری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے اسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ جیسی فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ کواکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم

کے تابع نہیں بلکہ یہ تو عالم سفلی میں مدبر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

شعر
ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر و باہر ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم ــــ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ

اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کواکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکر پر ختم فرمایا۔ کیونکہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر و فکر کی حاجت نہیں محض تذکر اور یاد دہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم ــــ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ... الى ... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

حق جل شانہ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرام سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسرے مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسرے مرتبہ میں عجائب حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائب نباتات سے استدلال کیا اب احوال عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کو ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اس کا گوشت شور نہیں یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں۔ کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ اور تاکہ تم اللہ عز و جل کی

شکر گزاری کرو کہ یہ دریائی سفر اور کشتی کی ترکیب اور تیاری اسی طرح سے سفر یہ سب اللہ کی نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نہم — وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَعَلٰمٰتٍ ۔

اب عنصر خاکی سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے نیل اور فرات اور جیحون اور سیحون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو۔ ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنے منزل مقصود کی راہ پالو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلنا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم دہم — وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۔

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لق ودق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ

یہاں تک توحید کے دلائل بیان فرمائے، اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفلیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے ہیں کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق برابر ہوں؟ عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی، عقل دی، سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لیے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اسی قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی۔ پوجے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لیے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہیے اور تمہارے ان معبودوں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے لہذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے، احد اور صمد ہے اس کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ متکبر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت درجہ مبغوض ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید کے مورد اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لیے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ

اور جب کہیے ان کو کیا اتارا ہے تمہارے رب نے، کہیں نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ۝ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ

پہلوں کی۔ کہ اٹھاویں بوجھ اپنے پورے دن

الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ

قیامت کے اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکاتے ہیں بے تحقیق۔

اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۲۵

سنتا ہے برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں۔

منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات اور ان کے جوابات

ربط: یہاں تک دلائل توحید کا ذکر فرمایا اب آگے مشرکین کے قبائح اور منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات کو ذکر کرکے ان کا جواب دیتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کے پانچ شبہے ذکر فرما کر ان کا جواب دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ شبہے کوئی نئے شبہے نہیں پہلی امتوں کے لوگ اسی قسم کے شبہے کرچکے ہیں اور ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی خود ان کے شبہوں کا جواب تھی۔

پہلا شبہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدلال کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ پچھلے لوگوں کے قصے ہیں اور کہانیاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب ان منکرین سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے۔ یعنی کوئی ناواقف شخص بغرض تحقیق ان سے یہ پوچھتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اتاری ہے یا خود ہی آپس میں ازراہ تمسخر ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے ہیں کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ کچھ بھی نہیں۔ یہ اللہ کا اتارا ہوا کلام کہاں سے آیا یہ تو پچھلے لوگوں کے افسانے اور ان کی کہانیاں ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اور اس کی اتاری ہوئی کتاب نہیں پچھلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔ نبوت و رسالت اور قیامت اور جنت و جہنم کی باتیں اور پرانے افسانے اس میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس قسم کی باتیں بنا کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ

اپنے پورے گناہوں کا بوجھ تو اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے گناہوں کا بھی اٹھائیں گے جن کو بے تحقیق یہ گمراہ کر رہے ہیں۔ یعنی یہ متکبرین اور رؤساء کفار اپنے کفر اور شرک اور اپنے گناہوں کا تو پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور اپنے بوجھ کے علاوہ اپنے پیروؤں کے گناہوں کا بوجھ بھی کچھ اٹھانا پڑے گا۔ پیرو بری نہ ہوں گے ان کو اپنے کفر اور شرک کا علیحدہ عذاب ہوگا اور ان گمراہ کرنے والوں کو گمراہی کا سبب بننے کی وجہ سے بمقدار حصہ سببیت گمراہوں کی عقوبت میں سے بھی کچھ حصہ ملے گا غرض یہ کہ ان ائمۃ الکفر کو اپنے کفر اور شرک کا پورا عذاب ملے گا اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے عذاب میں سے بھی ان کو کچھ حصہ ملے گا اس طرح ان کو دگنا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ مگر گمراہوں کے عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام کی پیروی نہ کی۔ اور ان کی بات بے دلیل ہی مان لی۔ اور ان کی جہالت کا عذر قبول نہ ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بہت برا بوجھ ہے کہ جو قیامت کے دن اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے گناہوں کے بوجھ سے بڑھ کر کوئی بوجھ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔ جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہوگا۔ جنہوں نے اس کی پیروی کی ان پیروؤں کے گناہ سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ (رواہ مسلم)

فائدہ اور آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اس کے منافی نہیں اس لیے کہ مراد اس سے وہ وزر ہے کہ جس میں اس کا کچھ عمل و دخل نہ ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور جو شخص کسی برائی یا بھلائی کا سبب بنے گا بقدر سببیت اس کو ثواب و عذاب میں سے حصہ ملے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ

دغا بازی کر چکے ہیں ان سے اگلے ، پھر پہنچا اللہ

بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

ان کی چنائی (عمارت) پر نیو (بنیاد) سے پھر گر پڑی ان پر

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

چھت اوپر سے ، اور آیا ان پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ

جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے ۔ پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

دن قیامت کے رسوا کریگا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

جن پر جھگڑا کرتے تھے۔ بولے جن کو

الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

علم ملا تھا بیشک رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا

جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں تب

السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

آگرائینگے صلح کر ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی۔ کیوں نہیں اللہ خوب

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ سو داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَ

رہا کرو اسی میں۔ سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا۔ اور

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ

کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے۔ بولے نیک بات

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ

جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں ان کو بھلائی ہے اور پچھلا

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ

گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔ باغ ہیں

کی تباہی اور بربادی کے لئے ان کی بنیادوں کی جانب سے تعمیر دوسرے نے تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا، پھر اوپر سے ان پر چھت گر پڑی جس سے چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے اور ہلاک ہوگئے جو سب ان کی حفاظت کا کیا تھا وہی فنا اور ہلاکت کا سبب بن گیا اور ایسی جگہ سے ان پر عذاب آیا جہاں سے ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا عمارت کی بنیادیں اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھیں کہ خیال بھی نہ تھا کہ جڑ سے اکھڑ جائیں گی جتنا بھی مضبوط مستحکم محل تیار کیا تھا اس کا حال یہ ہوا کہ من جانب اللہ ایک دم آندھی چلی جس نے اس محل کو جڑ سے اکھاڑ کر ان پر گرا دیا اور وہ سب چھت اس کے نیچے دب کر مر گئے اور بعض کہتے ہیں یہ شخص بخت نصر تھا۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۹۷ ج ۱۰)

امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ فَاَتَی اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہوں کہ نمرود یا اس جیسے کفار بلند و بالا عمارتیں بناتے تھے اور انبیاء کرام کا مقابلہ کرتے تھے خدا تعالیٰ نے ان کو جڑ سے گرا دیا اور اوپر سے ان پر چھت آ پڑی جس کے نیچے دب کر مر گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ انہوں نے حق کے مقابلہ میں مکر و فریب کی بہت بلند عمارات بنائیں اور مکر و فریب کے بڑے اونچے محل تیار کئے مگر جب حکم الٰہی آ پہنچا تو مکر و فریب کی بلند عمارت کی چھت انہی پر گر پڑی اور اس کے نیچے دب کر وہ دوزخ میں جا پہنچے اور سب تباہ ہوئے۔ (تفسیر کبیر ص ۲۲ ج ۵)

الغرض متکبرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ پھر اس دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اور رسوا اور ذلیل کرے گا کیونکہ اس دن پوشیدہ باتیں ظاہر کی جائیں گی اور منجملہ رسوائیوں کے ایک رسوائی یہ ہوگی کہ اللہ بطور غضب یہ کہے گا کہ بتلاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم انبیاء کرام اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے، آج وہ تمہارے ساتھ حاضر کیوں نہیں ہوتے جو تمہاری مدد کرتے اور اس ذلت اور مصیبت سے تم کو نکالتے اس حالت کو دیکھ کر وہ اہل علم جو دنیا میں انہیں نصیحت کیا کرتے تھے اور یہ ان کے وعظ و نصیحت کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اس وقت بطریق شماتت اہل علم ان سے یوں کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن پوری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ بظاہر اس وقت انبیاء کرام تو خاموش رہیں گے اور ان متکبرین کی بات کا جواب نہ دیں گے البتہ اہل علم جو دنیا کی حالت میں کافروں کو منکر سمجھتے تھے مگر وہ دنیا میں ان کی باتوں پر دھیان نہ دیتے تھے قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت ذلیل وہی ہیں اور کافروں کی ذلت ان کی موت کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے اسی لئے اگلی آیت میں کافروں کی موت کے وقت کی عبرت ناک حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان متکبر کافروں کی فرشتے ایسی حالت میں جان نکالتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک کفر اور تکبر پر قائم رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے یعنی مرتے دم تک کفر اور شرک میں مبتلا تھے، اگر مرنے سے پہلے کفر اور شرک سے باز آجاتے تو ان کو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا، ساری عمر خواب غفلت میں سوتے رہے ہوش ہی نہ آیا۔ جب موت کا فرشتہ سر پر آ پہنچا تب آنکھ کھلی ہے اس وقت یہ اسلام صلح کا پیغام ڈالیں گے اور تمام اکڑ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور یہ روح

نکلنے سے ذرا پہلے ہوگا اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام کفر و شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ حالت کو دیکھتے ہی غرور و تکبر کافور ہو جائے گا اور سر دلی خوف نا امیدی کی وجہ سے نکل جائے گی مگر قدیمی جھوٹ ابھی باقی رہ جائے گا۔ اور کہیں گے کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ اور اسی طرح آخرت میں کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کیوں نہیں، تم دنیا میں ضرور برے کام کفر اور شرک کرتے تھے۔ کیا تم جھوٹ بول کر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہو بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے یعنی تمہارا یہ انکار تمہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے تم قرآن اور رسول اور اہل ایمان کی دشمنی میں ڈوبے ہوئے تھے اور توحید کے نام سے چڑتے تھے اب تم کو تمہارے اعمال کی سزا دی جائے گی اور سزا یہ ہوگی کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو پس البتہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے ایمان سے تکبر کرنے والوں کا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق کے مقابلہ میں تکبر کا انجام دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و خواری کے کچھ نہیں اور ان متکبرین ہی کا یہ حال ہے کہ جب کوئی بغرض تحقیق ان سے یہ پوچھے کہ کہو یہ کیا چیز نازل ہوئی تو ازراہ تمسخر یہ کہتے کہ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ کہ پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں یہاں تک تو منکرین اور ظالمین کا حال بیان ہوا اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی عزت و کرامت کو بیان فرماتے ہیں جنہوں نے حق کے مقابلہ میں کوئی غرور اور تکبر نہیں کیا غرض یہ کہ پچھلی آیت میں اشقیاء اور بدبختوں کے حال سے خبر دی۔ اب ان آیات میں سعداء اور نیک بختوں کے حال اور انجام سے خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب قرآن کے بارہ میں ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ جو کفر اور شرک سے اور تکبر سے پرہیز کرتے تھے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے یعنی وحی قرآنی سے سوال کیا گیا تو متقین نے جواب دیا کہ ہمارے پروردگار نے بڑی خیر و برکت کی چیز کو نازل فرمایا بخلاف کافروں اور منکروں کے جب ان سے یہ سوال کیا جاتا تو کہتے کہ یہ اساطیر الاولین ہیں۔

نکتہ متقین کے جواب میں خیرًا منصوب آیا ہے اور منکرین کے جواب (قَالُوْٓا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ) میں اساطیر مرفوع آیا ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی هُوَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ منکرین نے اس قرآن کے نزول ہی سے انکار کیا اور مرفوعًا ذکر کیا مطلب یہ تھا کہ قرآن منزل من اللہ نہیں بلکہ اس کا اساطیر الاولین ہونا ثابت اور مستمر ہے کیونکہ جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور متقین نے جواب میں خیرًا منصوب کہا جو فعل محذوف کا مفعول بہ ہے یعنی أنزل الله خيرًا یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رحمت اور خیر و برکت ہے اور یقینًا منزل من اللہ ہے حاصل کلام یہ کہ کافروں اور متقیوں کے جواب میں مرفوع اور منصوب ہونے کا فرق اسی نکتہ کی بنا پر ہے (تفسیر کبیر صفحہ ۲۱۴ ج ۵)

أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَ

حکم تیرے رب کا۔ اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے۔ اور

مَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر، لیکن اپنا برا کرتے رہے۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا

پھر پڑے اُن پر ان کے بُرے کام اور الٹ پڑا ان پر جو

بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾

ٹھٹھا کرتے تھے۔

دوسرا شبہ

قال اللہ تعالیٰ۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ... الیٰ ... مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

(ربط) منکرین کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو کر آپ کی صداقت کی شہادت دے اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین بہت اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس موت کے فرشتے آجائیں اور ان کی روحیں قبض کرلیں یعنی یہ لوگ دنیا ہی سے رخصت ہونے والے نہیں بلکہ منتظر ہیں کہ جب قبض روح کے واسطے آویں تب یقین کریں گے مگر اس وقت کا یقین سودمند نہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں کہ وہ آکر فیصلہ کریں یعنی سب کے سامنے آکر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی گواہی دیں اور یہ ممکن نہیں اور محال ہے فرشتہ کی اصل صورت میں دیکھنا طاقت بشری سے باہر ہے یا اس بات کے منتظر ہیں کہ تیرے پروردگار کا کوئی حکم آجائے کہ ان پر کوئی عذاب نازل ہو اور یکلخت سب ہلاک ہو جائیں اس وقت عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے یا حکم خداوندی سے قیامت کا آنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ موت کے منتظر ہیں کہ جب رخصت ہونے لگیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر ہوگا ایسا ہی معاملہ ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی اسی طرح کی باتیں پہلے کافر بھی کرتے تھے بالآخر عذاب سے ہلاک ہوئے اور عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے کہ اللہ نے ان پر حجت قائم کردی تھی اور رسول بھیج دیئے تھے اور کتابیں اتار

دی تھیں لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے کہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے تھے یعنی وہ اپنی کفر اور شرک سے اور تکذیب سے خود اپنی ہلاکت کا باعث بنے پس پہنچیں ان کو برائیاں ان کے اعمال کی یعنی اپنے اعمال کی سزا میں گرفتار ہوئے اور ان کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں کا عذاب اور کہاں کا حساب و کتاب اور کہاں کی قیامت اور کہاں کی دوزخ اور جنت ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
اور بولے شریک کرنے والے اگر چاہتا اللہ

مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ
نہ پوجتے ہم اس کے سوا کوئی چیز ہم

وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ
نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھیراتے ہم اس کے سوا کوئی چیز

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى
اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے سو رسولوں پر

الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ
ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر اور ہم نے اٹھائے ہیں

كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا
ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو بتوں سے

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اسے سو کسی کو راہ دی اللہ نے اور کسی پر

حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
ثابت ہوئی گمراہی سو پھرو زمین میں اور دیکھو

کی نئی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے جتنے مشرک گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیاء کرام کی تکذیب کے لئے
اسی قسم کے حیلے بہانے ڈھونڈے تھے جن کا جواب ہو چکا تھا اور اسی طرح انہوں نے بھی رسولوں کا مقابلہ کیا اور ہلاک ہوئے
تھے اس سے رسولوں کا کیا بگڑ گیا، رسولوں پر تو صرف اس قدر ذمہ داری ہے کہ صاف صاف حکم اللہ کا پہنچا
دیں۔ منوا دینا لوگوں کا اختیار ہے، انبیاء کا کام تو پہنچا دینا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے وہ
مالک ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے جنتی
اور جس کو چاہے دوزخی بنائے جنت کا ذریعہ صرف دعوت الی الحق ہے باقی سعادت و شقاوت اور ہدایت
ضلالت وہ سب اللہ کے اختیار میں ہے، کسی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے
وقت سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین نے بالاتفاق حق کے ساتھ
شرک سے منع کیا اور توحید کا حکم دیا، ایمان لانے والا نجات پائے گا اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک اور برباد ہوگا۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر و شر کرنے کی قدرت دی اور انبیاء کے ذریعے یہ بتلا دیا کہ یہ چیز خیر ہے
اور یہ چیز شر ہے پھر جس نے شرک کا ارتکاب کیا وہ عذاب الٰہی سے ہلاک ہوا معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کے
نزدیک ناپسندیدہ ہے ابتداء میں انبیاء کرام نے آگاہ کیا اور کفر و شرک سے منع کیا اور آخر میں ان
کے ارتکاب پر قہر الٰہی نازل ہوا جس کے آثار اب بھی زمین میں موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک
قطعاً ناپسندیدہ ہے تم ذرا دنیا میں چل پھر کر عبرت ناک سزائیں دیکھ لو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک
جرم عظیم ہیں پسندیدہ چیز کے کرنے پر تو عذاب نازل نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو
کیوں کرنے دیتا۔ ہر مذہب و فرقہ کے نزدیک بعضے کام برے ہیں پھر وہ کیوں ہوتے ہیں کیا ان کے نزدیک
خدا تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا دنیا میں اعمال اور افعال مختلف ہو رہے ہیں چنانچہ یہ مختلف اور
متضاد کام سب اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور سب اس کی مرضی سے ہو رہے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے
مجمل جواب فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں جن کی قسمت میں ہدایت تھی انہوں نے ہدایت پائی اور
جو خراب ہونا تھی وہ خراب ہوا اللہ کو یہی منظور ہے۔ (انتہیٰ)۔

حاصل یہ کہ اللہ نے بندوں کو قدرت اور ایک اختیار دے دیا کہ خیر و شر دونوں کے کرنے پر قادر ہو
جنت اور پتھر کی طرح مجبور نہ ہو مگر تمہارے علم ازلی میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ بعض ایمان لائیں گے اور بعض
کفر پر قائم رہیں گے اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا کہ دنیا کو آگاہ کر دیں کہ کفر اور شرک صریح
گمراہی ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا غرض یہ کہ انبیاء و رسل کی تبلیغ اور دعوت سے
اور پھر ان نازل شدہ عذابوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کفر و شرک خدا کے نزدیک جرم
عظیم ہے اور تحقیق ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس
صریح حکم کے ساتھ کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے راستے سے بچو کفر و شرک سے بچو مطلب

یہ ہے کہ توحید کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں قدیم سے یہی تعلیم چلی آرہی ہے سارے پیغمبر یہی
کہتے رہے کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ سے بچو، انہوں نے تو اللہ کو چھوڑ کر انبیاء یا بتوں کی مختلف
اور متفرق ہو گئے کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا جیسا کچھ تم جانتے ہی ہو۔

پھر ان میں سے جن کے پاس گئے کسی کو اللہ نے ہدایت دی کہ اس نے حق قبول کیا اور کسی پر
بر بنائے اپنی گمراہی ثابت ہوئی یعنی گمراہی اس کو ایسی چمٹی کہ مرتے دم تک اس کو چھوڑا نہ جیسا کہ
دوسری آیت فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ یعنی ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے
نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت اور قائم ہوگئی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم
اور اس کی رضا مندی اور شئی ہے اور اس کا ارادہ اور مشیت اور شئی ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔
اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ سب اس کی عبادت کریں اور کفر و شرک سے بچیں اور یہ حکم عام ہے اور سب
کے لیے ہے مگر اس کا ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ بعض کو ہدایت دے اور بعض کو گمراہ کرے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اگر وہ سب کی ہدایت چاہتا تو سب ہدایت پر ہو جاتے کما قال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ
أَجْمَعِينَ۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی ہدایت دیتا لیکن اللہ کا یہ ارادہ اور یہ مشیت کہ بعض ایمان
لائیں اور بعض کفر کریں۔ یہ اس کی تقدیر ازلی ہے اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں جس نے
اپنی تقدیر ازلی کو پوشیدہ رکھا اور اپنے حکم کو پیغمبروں کی زبانی ظاہر فرما دیا اور بندوں کو یہ حکم دیا کہ سب
اس کی عبادت کریں بندوں کو چاہئے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں اور اس کی مشیت اور اس کی تقدیر ازلی میں
نہ پڑیں وہ ایک سر مکتوم ہے جس کا سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں مشرکین کے اس شبہ کا منشاء یہ تھا کہ
انہوں نے مشیت خداوندی اور رضائے خداوندی میں فرق نہ کیا اللہ نے جواب میں فرق کی طرف اشارہ
فرما دیا خلاصہ جواب یہ ہے کہ بے شک ہر چیز اللہ کی مشیت سے ہے مگر اس کی مشیت اور چیز ہے
اور اس کا حکم اور رضا مندی اور چیز ہے اللہ پر کوئی حجت باقی نہیں انبیاء کرام کے ذریعے اس نے اپنے
احکام اور مرضیات سے تم کو باخبر کر دیا اور اپنی رضا مندی کو تم پر ظاہر کر دیا اور اپنے ارادہ اور مشیت کو
تم سے پوشیدہ رکھا پس تم ملک میں پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں اور انبیاء کے جھٹلانے
کا انجام کیا ہوا اگر خدا کے نزدیک کفر و شرک اور انبیاء کی تکذیب پسندیدہ ہوتی تو یہ گذشتہ قومیں اس
ذلت اور رسوائی کے ساتھ تباہ نہ ہوتیں اور مشرکین اور مکذبین کا عذاب الٰہی سے مسلسل اس طرح تباہ و
برباد ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعات اتفاقی نہ تھے بلکہ ان کی تکذیب اور کفر کی سزا تھی جو انبیاء کرام
کی پیشین گوئی کے بعد پیش آئے جس سے کفار ہلاک ہوئے اور اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے عذاب
ایک ہے مگر بحکم خداوندی کافروں کو تہ و بالا کر رہا ہے اور مومنین سے کنارہ کشی کر رہا ہے پس کفار اور
مشرکین پر اس طرح مسلسل قہر خداوندی کا نزول اس امر کی دلیل ہے کہ کفر اور شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک

نہایت درجہ معقول ہے اور انتہا درجہ کا جرم ہے جو زمانہ حال کے مشرکین کو چاہئے کہ گذشتہ زمانے کے مشرکین کی عبرتناک سزاؤں کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کے ارادہ اور مشیت کو بہانہ نہ بنائیں بے شک عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہو رہا ہے عالم کا کوئی ذرہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت نہیں کر سکتا لیکن کسی چور اور قزاق کو اپنی چوری کے جواز کے لئے یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا تو میں چوری نہ کرتا اس سے اس کے جرم میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور چور کا یہ عذر جرم بالائے جرم متصور ہو گا۔

اور چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گمراہی سے نہایت درجہ رنج و قلق ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں اے نبی اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں اور آپ کی دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں تاکہ دوزخ سے بچ جائیں۔ اس امید سے آپ اپنے دل کو ہلکان کر رہے ہیں۔ تحقیق اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو علم ازلی میں گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اللہ کا سابق ارادہ ازلی اور قدیم ہے وہ کسی حادث کے روکنے سے رک نہیں سکتا لہذا آپ کی یہ حرص اور طمع ان کی ہدایت کے بارے میں بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے ان کا کوئی مددگار نہیں کہ جو ان کو اللہ کی مشیت سے بچا سکے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان سرکشوں کی ہدایت منظور نہیں یہ کسی طرح ہدایت نہیں پائیں گے آپ ان کی فکر میں نہ پڑیں اور تنگ دل نہ ہوں۔ ازلی گمراہ کو کون ہدایت پر لا سکتا ہے جن پر اللہ کی گمراہی ثابت ہو چکی ہے ان کی ہدایت کی حرص میں نہ پڑیں۔ خود ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ اللہ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اس نے اللہ کے تمام بندوں کو ایمان کی دعوت دی اور کفر و شرک سے سب کو منع کیا اب ان اخیر آیات میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر سب بندوں کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا ہدایت اور توفیق اس کا عطیہ ہے۔ اس کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنی عطا سے نوازے اور جس کو چاہے نہ نوازے اس کے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

خلاصہ کلام یہ کہ پیغمبروں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچا دینا ہے سو انبیاء کرام نے پہنچا دیا مگر تکوینی طور پر اس کا فیصلہ ازل میں پہلے ہو چکا ہے کہ سب ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تشریعی طور پر انبیاء کرام کی زبانی یہ بتلا دیا کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ کفر اور شرک سراسر گمراہی ہے اور جہنم تک لے جانے والا ہے اور ایمان اور اطاعت سراسر ہدایت ہے اور تریاق ہے اور عالم میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ جو ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادہ اور مشیت کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ہدایت اور ضلالت اور سعادت و شقاوت ازل میں جاری ہو چکی ہے۔ ان میں تبدیلی و تحویل کی گنجائش نہیں، مثلاً زہر اور گلاب دونوں اطباء تمہارے سامنے ہے اور جانتا اور پیشاب (الغرض) شرک ابھی تمہارے سامنے ہے اگر کوئی دیوانہ بجائے عرق گلاب کے پیشاب پینے لگے اور دلیل یہ بیان کرے کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور میرا پینا بھی اللہ کی مشیت

اور ارادہ سے ہے جو بنتا ہے پیشاب سے بنتا جاتا ہے تو یہ دلیل نہیں بلکہ دیوانگی ہے۔

(اطلاع) اسی قسم کی آیت پارہ ہشتم میں گزر چکی ہے وہاں اس کی مفصل تفسیر ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھاوے گا اللہ جو

يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

کوئی مر جاوے۔ کیوں نہیں! وعدہ ہو چکا ہے اس پر ثابت، لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ

نہیں جانتے۔ اس واسطے کہ کھول دے ان پر جس بات میں جھگڑتے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿۳۹﴾

اور تا معلوم کرلیں منکر کہ وہ جھوٹے تھے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ

ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم نے اس کو چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو

فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ

تو وہ ہو جاوے۔ اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے

مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ

کہ ظلم اٹھایا، البتہ ان کو ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب

الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَ

آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت رہے اور

عَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۲﴾

اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

چوتھا شبہ

قال اللہ تعالیٰ: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

(ربط) اس آیت میں بھی کافروں کی ایک جہالت کا بیان ہے کہ وہ لوگ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ جو مر گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب انسان دوسری زندگی کا قائل نہیں ہوتا تو پھر وہ نیکی اور بدی کی پروا نہیں کرتا، دنیا کی کامیابی اور بہبودی ہی اس کا مطمع نظر ہوتی ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں، الغرض یہ اسی عقیدہ کے آثار ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ قیامت کا آنا برحق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے حق اور ناحق کے فیصلہ کے لیے اور فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی جزاء اور سزا کے لیے قیامت کا قائم ہونا اور مُردوں کا زندہ ہونا ضروری ہے جس قادر مختار نے پہلی بار تم کو ایک قطرہ آب سے پیدا کیا اس کے لیے تم کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اس کے بعد اپنی قدرت کا طریقہ بیان کیا۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ اس آیت میں اپنا قادر مطلق ہونا بیان کیا کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں پھر اس کے بعد وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ الخ میں مہاجرین کی فضیلت اور بشارت کو بیان کیا جنہوں نے خدا کی راہ میں آخرت کے یقین اور ثواب کی امید پر کفار اور مشرکین کے ہاتھ سے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں بالآخر جلا وطن ہو کر وطن چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے کیا ان مہاجرین کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ ان سب کی جزاء اور انعام ان کو دار آخرت میں ملے گا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور قسمیں کھاتے ہیں ان لوگوں نے اللہ کی سخت قسمیں یعنی انتہائی کوشش اور بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے زور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اللہ نہیں اٹھائے گا اس کو کہ جو مر جائے گا اور قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کیوں نہیں وہ اٹھائے گا، یہ وعدہ ہو چکا ہے جس کا ایفاء اس پر لازم ہے تمام پیغمبروں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے حق تعالیٰ حسب وعدہ بندوں کو ضرور زندہ کرے گا تاکہ اللہ ان پر کھول دے اس امر کو جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ خدا کے پیغمبر جو بیان کرتے تھے وہ سب حق تھا قیامت اور جنت اور جہنم سب حق ہے اور جو ان کے قول کے مخالف تھے وہ سب غلطی پر تھے اور دوسری حکمت قیامت کے قائم ہونے کی یہ ہے کہ کافر جان لیں کہ وہ منکر قیامت اور تکذیب رسالت میں جھوٹے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قائم ہونے میں دو حکمتیں ہیں اول تو یہ کہ حق اور باطل کے بارہ میں جو اختلاف تھا اس کا فیصلہ

ہو جائے اور آنکھوں سے حق اور باطل نظر آجائے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ صدق اور کذب کا فیصلہ ہو جائے

اب آگے کافروں کے شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہماری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو جو چیز ہمارے علم میں ہوتی ہے ہم اسے کہتے ہیں "کن" ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے پیدا کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے فقط ہمارا ارادہ کافی ہوتا ہے ہمارا ارادہ کسی مادہ اور مدت پر موقوف نہیں، کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ بعث اموات سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ کسی بات سے عاجز نہیں جب وہ قادر مطلق معدوم سے کہتا ہے ہو جا تو فوراً عدم سے نکل کر وجود میں آ جاتا ہے ایسی ذات کو مُردوں کا زندہ کرنا کیا دشوار ہے جب زندہ کرنا چاہے گا فوراً زندہ ہو جائیں گے۔

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد — ہم تواند کہ بعد ازاں بخشد

چوں در آورد از عدم بوجود — چہ عجب باز گر کند موجود

یہاں تک منکرین بعث اور مکذبین قیامت کا ذکر تھا اب آگے ان مؤمنین کاملین کی فضیلت اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں جن کا آخرت اور قیامت پر یقین کامل ہے اور اسی یقین کامل کی بنا پر انہوں نے ہجرت کی اور قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں پر صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ بعد اس کے کہ کافروں کی طرف سے ان پر ظلم کیا گیا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ جہاں احکام اسلام پر عمل کرنے میں کوئی حارج اور مزاحم نہ ہو اچھا ٹھکانہ دینے سے دنیا میں سلطنت دینا مراد ہے جہاں اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرما دیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کفر اور کافروں پر غلبہ عطا کیا اور جن ظالموں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین کا مسلمانوں کو وارث بنایا اور اس کے علاوہ البتہ آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے کاش کافر جان لیتے کہ خدا تعالیٰ نے مہاجرین سے کیا وعدے کیے ہیں اور یہ مہاجرین وعدہائے خداوندی کے اس لیے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کفار کے مظالم پر صبر کیا۔ اور مضبوطی کے ساتھ حق پر ثابت قدم رہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ صابرین کو بے حساب اجر عطا فرمائیگا اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو اللہ کریم پر بھروسہ کرے اور مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو جائے اور بالکلیہ خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور جس میں صبر اور توکل کی صفتیں جمع ہو جائیں وہ بلا شبہ انعامات خداوندی کا مستحق ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وعدۂ مہاجرین اولین میں نص صریح ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے لیے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں دنیا میں بھی نیکی اور بھلائی عطا کرے گا اور آخرت میں بھی۔ اور دنیا کی نیکی سے بھی فتح ونصرت اور خلافت وامارت اور اقلیم شام مراد ہے بعد ازاں جب ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں حسنہ اور بھلائی عطا فرمائی تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت

بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو۔ اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف معلوم ہوا کہ نبوت و رسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت و رسالت بھیجی۔ حضرت مریم اور ام موسیٰ علیہا السلام کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور وحی ولایت تھی نہ کہ وحی نبوت و رسالت کیونکہ لفظ وحی کو لفظاً قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے الہام کے معنی میں بھی آیا ہے جیسے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ میں۔ یہاں سے وحی الہام مراد ہے۔ اور وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ میں بہکانے اور وسوسہ مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القاء خفی کے ہیں اور وحی نبوت اور وحی الہام اور وسوسہ وغیرہ کو شامل ہے۔ مشرکین کہتے تھے کہ شان خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کرلو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتلادیں گے کہ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرے وہ مرد تھے فرشتے نہ تھے اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ مکہ والے ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اسی طرح سے ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب نازل کی تاکہ تو تمام لوگوں کے لیے جو ان کی طرف نازل کردہ احکام اور مراد الٰہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور تیری یہ نصیحت کی کتاب اس لیے نازل کی گئی کہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور یقین کریں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پا جائیں۔ غور و فکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ و برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

فائدہ اولیٰ (۱) اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔

اور بغیر دلیل مسئلہ پوچھے اس پر عمل کرے یہ تقلید شخصی ہو یا کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے جیسے بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاری کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی ثقاہت اور دیانت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے

فتوے کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا یہ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلوم وجہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن وحدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ وہ محققین اعلام اور مستنبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے ۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ۔۔۔ باز بادان گریہ وآشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر برتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع وشراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغ کا فتویٰ غیر معتبر ہے۔ ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ اور احمدؒ کی تصدیق اور روایت کے معتبر ہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے۔ اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم وعقل کے بالغ ہیں جیسے کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم وعقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

فائدہ دوم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کہ سب مسائل ضرورہ ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے اور دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کرکے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے وہ ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہٰذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی لہٰذا تقلید کی دونوں قسمیں جائز ہیں برابر ہیں اور صحابہ کرام وتابعین کے زمانہ میں مسلمان اپنے اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کرکے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قرأت قرآن بہ سبعۃ احرف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمانؓ نے باجماع صحابہ کرام قرأت قرآن کو لغت قریش پر منحصر کردیا اور باقی حروف پر قرأت قرآن کو ممنوع قرار دیا۔ تقلید غیر شخصی کی صورت اگرچہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور پیروی نفسانی سے مقابل ہو اور اگر مقصود اتباع ہوائے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے لے تو یہ تلفیق ہے اور بالاجماع اتفاقاً حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کی تصریح کی ہے تقلید غیر شخصی سے دین کھیل تماشہ بن جاتا ہے اور تھوڑا پڑھا لکھا مجتہد بن جاتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے الغرض یاد رکھیے جس نے علم نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابو حنیفہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام مثل حضرت علی اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابو حنیفہ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید تو شرک اور بدعت ہو جائے۔ اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید توحید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے سمجھ کر سوچ لو۔ (وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ)

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ

سو کیا نڈر ہو گئے وہ جو برے داؤ کرتے ہیں کہ دھنسا دے اللہ ان

بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ

کو زمین میں یا پہنچے ان کو عذاب جہاں سے خبر نہ

لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا

رکھتے ہوں۔ یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ

هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ

نہیں تھکانے والے۔ یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کی [illegible]

رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان۔

تہدید اہل مکر بانواع اقسام قہر

قال اللہ تعالیٰ: أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ ... الیٰ ... فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

ربط: اب ان آیتوں میں اُن سرکشوں کو جو دین حق کے مقابلہ میں مکر و فریب کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قسم قسم کے قہر اور عذاب سے ڈراتا دھمکاتا ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) کیا تم کو اطمینان ہو گیا ہے کہ اللہ تم کو زمین میں دھنسا دے أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ جیسے پہلے بہت سی قوموں پر نزول آیا اور زمین پھٹ گئی اور وہ زمین میں دھنس گئے

ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ

پھاویں ان کے داہنے سے اور بائیں سے، سجدہ کرتے اللہ کو اور وہ

دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

عاجزی میں ہیں۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو

الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا

زمین میں ہے کوئی جانور اور فرشتے اور وہ

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ

بڑائی نہیں کرتے۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے اور

يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

تذکیر آثار قدرت و تنبیہ بر غفلت

قال اللہ تعالیٰ: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ... الیٰ ... وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

ربط: اب ان آیات میں اپنے آثار جبروت اور آثار ملکوت کو یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تمام چیزیں اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں اور ہر چیز اسی کے حکم کے آگے سرنگون جھکائے ہوئے ہے اور افسوس ہے کہ تم بنی آدم اور اشرف المخلوقات ہو کر اس کی اطاعت سے انحراف کرتے ہو اور خیر و شر کے اسباب میں گرفتار ہو اور خداوند ذوالجلال کے قہر اور عذاب سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کیا نہیں دیکھا کافروں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو کہ ان کا سایہ داہنی جانب سے اور بائیں جانب سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتا ہے درآں حالیکہ یہ سب سائے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شئے کا سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور منقاد ہے اس کے حکم کے بموجب داہنے بائیں اور بائیں سے داہنے کو پھرتا رہتا ہے اور سایہ بھی ہر وقت زمین پر پڑا رہتا ہے گویا کہ اللہ کے آگے سربسجود ہے مقصود یہ ہے کہ کافر گو خدا کو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے سائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ سایوں کی حالتیں اور حرکتیں بدلتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سایوں کا یہ اختلاف اور تغیر و تبدل کوئی امر اتفاقی نہیں بلکہ کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ

ہے۔ پھر لوگ بندوں کو اپنی قدرت کے تماشے دکھا رہا ہے تاکہ سمجھیں کہ یہ کٹھ پتلیاں کس کے اشارہ پر ناچ رہی ہیں۔

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے یعنی ہر وہ جانور جو زمین پر حرکت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے تابع حکم ہیں جس کو جس کام کے لیے بنایا ہے وہی کام اس سے سرزد ہوتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جب تکوینی طور پر تمام چیزیں اللہ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ڈھلتا اور مٹتا ہے تو پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے ایسے قادر و قاہر کے عذاب سے تم کیوں بے خوف ہوگئے اور فرشتے اسی کو سجدہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ علوی اور نورانی ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور ملائکہ اس کی بندگی سے سرکشی نہیں کرتے اور تکبر سے پاک ہیں تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ ہے بندہ کی بڑائی اسی میں ہے کہ خدا کے سامنے زمین پر اپنا سر رکھ دے اور فرشتے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کی عظمت و جلال سے جو ان پر قاہر و غالب ہے۔ یہ اللہ کی فوقیت سے فوقیت حسیہ و مکانیہ مراد نہیں بلکہ عظمت و جلال اور غلبہ اور قہر کی فوقیت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بلندی شان اور عظمت میں تمام مخلوق پر بالا اور برتر ہے اسی کی اطاعت کرو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۔

ان تمام آیات میں فوقیت حسیہ مراد نہیں بلکہ فوقیت مرتبہ مراد ہے اور فرشتوں کا یہ خوف، خوف اجلال و اعظام ہے نہ کہ خوف اجرام اور قرب خداوندی کا مدار اسی خوف پر ہے جس درجہ کا خوف ہو اسی درجہ کا قرب ہوگا اور فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے ان کی جبلت ہی اطاعت فرمانبرداری ہے اس آیت کے پڑھنے والے اور سننے والے پر ائمہ و حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سنت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس ذات بابرکات کی عظمت و جلال کا یہ حال ہو کہ ہر چیز اس کے سامنے سربسجود ہو اس کا شریک کہاں ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے جب دن ڈھلا سایہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع اور رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف" (موضح القرآن)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ

اور کہا اللہ نے مت پکڑو معبود دو ۔ وہ معبود

لم یلد و لم یولد او را لائق است — والد و مولود را او خالق است

چونکہ خدائے لم یلد کے لیے بیٹا اور بیٹی کا ہونا عقلاً محال ہے اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا سراسر حماقت اور جہالت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ لفظ سبحانہ فرما کر اپنی تنزیہ تقدیس کو ظاہر فرما دیا عجیب نادان ہیں کہ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ جو ان کی چاہتی اور مرغوب چیز ہے اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں تو غم کے مارے ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ میں گھٹا ہوا ہوتا ہے مشرکین عرب لڑکی کے پیدا ہونے سے سخت ناخوش ہوتے تھے اور اس غریب کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور یہ احمق خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے تھے اور اس خبر یعنی تولد دختر کی برائی سے جس کی بشارت اس کو دی گئی ہے قوم سے چھپا پھرتا ہے عربوں میں جب کسی کی بیوی بچہ جننے کے قریب ہوتی تو بچہ پیدا ہونے تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ خوش ہوتا اور ظاہر ہو جاتا اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو وہ غم کرتا اور کچھ دنوں تک ظاہر نہ ہوتا اور سوچتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ آیا ذلت گوارا کر کے اپنے پاس رکھے یا اس کو مٹی میں چھپا دے۔ مضر اور خزاعہ اور تمیم اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے آکر جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا اور صاحب قلب کی بے رحمی کو شفقت و رحم سے بدل دیا آگاہ ہو جاؤ بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں وہ فیصلہ یہی ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور خود لڑکیوں سے کراہت اور نفرت کرتے ہیں اور بیٹوں کو چاہتے ہیں دوسرے موقعہ پر خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ یعنی تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں یہ تو نا انصافی کی تقسیم ہے عجیب بے وقوف ہیں کہ بیٹا اور بیٹی میں خود فرق کرتے ہیں اور بیٹی سے بیٹا افضل جانتے ہیں اور اپنے لیے بیٹا چاہتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں جو چیز اپنے لیے معیوب سمجھتے ہیں وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی صفت بُری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور ایسے بے رحم اور سنگدل ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں حالانکہ جو خدا دے سب اچھا ہے نہ لڑکا بُرا ہے اور نہ لڑکی اور اللہ ہی کے لیے ہے صفت اعلیٰ وہ بے نیاز ہے بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے کسی کے عیب لگانے سے اس کو عیب نہیں لگتا اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔ کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہو سکتا اور یہ گروہ مشرکین عجیب نادان گروہ ہے کہ ان کے نزدیک شجر اور حجر کا خدا کا شریک ہو جانا اور فرشتوں کا خدا کی دختر ہو جانا تو جائز ہے مگر کسی بشر کا پیغمبر ہونا ان کے نزدیک ناممکن اور محال ہے۔ ع

برین عقل و دانش بباید گریست

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ

اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے

عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وعدہ

مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا

ٹھہرے تک پھر جب پہنچا ان کا وعدہ نہ دیر کر سکیں گے ایک گھڑی نہ

يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَ

جلدی ۔ اور کرتے ہیں اللہ کا جو اپنا جی نہ چاہے اور

تَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا

بتاتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کو خوبی ہے آپ ہی

جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

ثابت ہوا کہ ان کو آگ ہے اور وہ بڑھائے جاتے ہیں ۔

بیان حلم خداوندی

قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم ... الیٰ ... وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال شنیعہ اور اعمال قبیحہ کو بیان کیا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے حلیم و کریم ہیں باوجود جرم عظیم کے مؤاخذہ اور گرفت میں جلدی نہیں کرتے بلکہ حلم سے مجرمین کو مہلت دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔ اور اللہ کی عزت و رفعت اس کو مقتضی ہے کہ ان ظالموں اور گستاخوں کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کا حلم اور حکمت اس کی مقتضی ہے کہ ان ظالموں کو کچھ مہلت دی جائے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑنے لگے یعنی ان کے کفر و شرک پر فوراً پکڑنے لگے تو زمین پر کسی جاندار کو جو زمین پر چلتا ہے نہ چھوڑے بلکہ سب

کے سبب تباہ کر دیئے جاتے لیکن وہ حلیم و کریم ہے، اپنے علم سے ان کو ایک وقت مقرر تک یعنی ان کی موت کے وقت تک مہلت دیتا ہے تاکہ کوئی توبہ کرنا چاہے تو اس کے لئے گنجائش رہے اور یہ اس کی رحمت اور اس کے جود و کرم اور اس کے علم کا تقاضا ہے، پھر جب ان کی موت کا وقت مقرر آجاتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے نہ ایک گھڑی آگے جا سکیں گے مرتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی اور اللہ کی عزت و حکمت سامنے آجائے گی۔

مرگ یک خطرہ است در ہر دمان   نہ بیابد مہلت پیوستہ جاودان

اور اللہ کے لئے ٹھہراتے ہیں وہ چیزیں جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں مثلاً بیٹیاں یا اپنی ملکیت میں کسی کی شرکت یا اپنے ماتحتوں کی اہانت۔ یہ چیزیں اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں اور خدا کے لئے بیٹیاں اور شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسولوں کی اہانت کرتے ہیں اور باوجود ان کفریات اور شرکیات کے ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ اگر بالفرض والتقدیر قیامت قائم ہوئی تو ہمارے لئے وہاں بھی بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ اور ہم ہی جنت میں جائیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى یعنی منکر قیامت یہ کہتا ہے کہ اگر بالفرض میں خدا کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ یہ مطالبہ سب جھوٹ ہیں اور زبان سے جھوٹ موٹ کی باتیں بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لامحالہ ان بدکاروں اور ستمگاروں کے لئے بھلائی کہاں سے آسکتی ہے۔ بلاشبہ ان کے لئے قیامت کے دن آگ ہے اور بے شک وہ دوزخ میں آگے آگے ہوں گے یہ معنی ہیں کہ وہ سب سے پہلے جلدی ہی دوزخ کے مقام میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

فائدہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ عذاب ان سب کو پہنچ جاتا ہے جو اس قوم میں موجود ہوں لیکن قیامت کے دن گنہگار اور بے گناہ اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

جب ظلم و معصیت عام ہو جائے تو اللہ کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ عام ہوتا ہے ظالم اور غیر ظالم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ظالم اپنے ظلم کے سبب ہلاک ہوتا ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ظالم کی ہلاکت بطور انتقام ہوتی ہے اور غیر ظالم ظالم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً پھر قیامت کے دن ہر ایک اپنی نیتوں کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ

قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے کتنے فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر سنوارے

شیطان کی باتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں لیکن آخرت میں یہ اعمال جزا اور درد ناک کا باعث ہوں گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ میں الیوم سے یوم قیامت مراد ہے اور ولی سے مراد یار و مددگار ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا یار و مددگار صرف شیطان ہوگا اور ظاہر ہے شیطان نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی کو بچا سکتا ہے۔ مقصود اس سے توبیخ و ملامت ہے کہ تم نے شیطان کو اپنا رفیق اور دوست بنایا جو قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گا وہ جہنم میں جائے گا وہ تو آگے ہوگا اور تم اس کے پیچھے پیچھے ہوگے شیطان کی دوستی ان کو آخرت میں کام نہ دے گی۔ جیسے دنیا میں ان کے کوئی کام نہ آئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب شیطان کے پیرو ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فکر اور غم میں نہ پڑیے۔ اور ہم نے نہیں اتاری آپ پر کتاب جس کا نام قرآن ہے مگر صرف اس امر کے لیے کہ ان لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں یعنی توحید کو اور معاد کو اور حلال و حرام کو واضح کر دیں۔ اور جتلا دیں کہ توحید اور آخرت اور جزا اور سزا سب حق ہے اور دنیا فانی ہے یہ تو تنزیل قرآن کا عام فائدہ ہوا اور خاص فائدہ یہ ہے کہ خاص اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہو اللہ کی ہدایت اور رحمت سے نفع اٹھانے والے یہی اہل ایمان ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی ، پھر اس

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ

سے جلایا زمین کو اس کے مرنے پیچھے ، اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵ وَاِنَّ لَكُمْ فِي

پتے ہیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں ۔ اور تم کو چوپایوں

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ

میں سوچ کی جگہ ہے ۔ پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶

میں سے ۔ گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

اور میووں سے کھجور کے، اور انگور کے بناتے ہو

مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اس سے نشہ، اور روزی خاصی - اس میں نشانی ہے ان

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ

لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ

اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

بنالے پہاڑوں میں گھر، اور درختوں میں اور جہاں

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ

ٹٹیاں باندھتے ہیں۔ پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

راہوں میں اپنے رب کی صاف۔ پڑی ہیں نکلتی اس کے پیٹ میں سے پینے کی

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ

چیز جس کے کئی رنگ ہیں، اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں لوگوں کے۔ اس میں پتہ

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں - اور اللہ نے تم کو پیدا کیا،

ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

پھر تم کو موت دیتا ہے۔ اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے نکمی عمر کو کہ

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔ اللہ سب خبر رکھتا ہے

قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي

قدرت والا۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک سے

الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ

روزی کی۔ سو جن کو بڑائی دی نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۚ أَفَبِنِعْمَةِ

جو ان کے ہاتھ کا مال ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کے

اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٧١﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

فضل سے منکر ہیں۔ اور اللہ نے بنا دیں تم کو تمہاری قسم سے

أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً

عورتیں اور دیئے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے

وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَ

اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں۔ سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور

بِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿٧٢﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ

اللہ کے فضل کو نہیں مانتے۔ اور پوجتے ہیں اللہ

دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَاوَاتِ

کے سوا ایسوں کو جو مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان اور

وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوا

زمین سے کچھ اور نہ مقدور رکھتے ہیں۔ سو مت بٹھاؤ

لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾

اللہ پر کہاوتیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى

اللہ نے بتلائی ایک کہاوت، ایک بندہ پرایا مال، نہیں مقدور رکھتا

شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ

کسی چیز پر، اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا

مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

ہے اس میں سے چھپے اور کھلے، کہیں برابر ہوتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کو ہے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

پر وہ بہت لوگ نہیں جانتے ۔ اور بتلائی اللہ نے ایک مثال

رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ

دو مرد ہیں، ایک گونگا کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ

كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ هَلْ

بوجھ ہے اپنے صاحب پر، جس طرف اس کو بھیجے کچھ بھلا نہ کر لاوے، کہیں

یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى

برابر ہے وہ اور ایک شخص جو حکم کرتا ہے انصاف پر اور ہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

سیدھی راہ پر ۔ اور اللہ پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے۔

وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ

اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس سے بھی قریب ۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور اللہ نے تم کو نکالا ماں

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ

کے پیٹ سے ۔ تم کچھ نہ جانتے تھے ۔ اور دیئے تم کو

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

کان اور آنکھیں اور دل ، تاکہ تم احسان مانو ۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا

کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور ؛ حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں ، کوئی

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

نہیں تھام رہا ان کو سوا اللہ کے ۔ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

جو یقین لاتے ہیں ۔ اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

جگہ اور بنا دیئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں تم کو

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ

جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ، اور ان کی اون سے اور

اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

ببرکوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیز ایک وقت تک ۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ نے بنا دیئے تم کو اپنی بنائی چیزوں کی چھاؤں اور بنا دیں

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ

تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں

(۱۳) اس کے بعد حق تعالیٰ نے پھر اپنے آثار قدرت اور انسان پر اپنی مرحمت اور مکرمت کے علامات کو بیان کیا تاکہ بندے اللہ کی نعمت کو پہچانیں اور نعمت سے منعم تک پہنچیں۔

تفصیل

دلائل قدرت و دلائل نعمت

برائے اثبات الوہیت و وحدانیت

دلیل اوّل اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے زمین کو بعد خشک اور مردہ ہو جانے کے زندہ فرمایا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی برسا کر اس میں قوت نمو پیدا کی اور اس سے کھیتی اور سبزہ کو اگایا بے شک اس میں یعنی آسمان سے بارش نازل کرنے میں اور پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں ہماری کمال قدرت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو دل کے کانوں سے ہماری قرآنی آیتیں سنتے ہیں اور جو لوگ صرف کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے متوجہ نہیں ہوتے ان کو آیات قرآنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

دلیل دوم اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو غیبات سے گزر کر علم نور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور خدا کی کمال قدرت کو معلوم کر لو چنانچہ ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لیے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے ہم اپنی کمال قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ یعنی ذرا دیکھو دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر بایں ہمہ خالص سفید ہوتا ہے اور خون اور گوبر کی آمیزش سے بالکلیہ پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ جیسا تھا، برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا اس سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دودھ پاک اور گندگی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرما دی اور مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی قدرت اور نعمت میں غور کرو ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست اور گندگی کے شائبہ سے خالص ہے

پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ جو آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوشگوار ہے اور زود ہضم بھی خوب ہوتا ہے غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتا ہے تو ہضم اور طبخ کے بعد کچھ حصہ گوبر بنتا جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور ہر چیز اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے، یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جو خون اور گوبر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے ہر پستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرمایا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچے کے لیے بہترین لطیف غذا ہے یہ صنعت سوائے خداوند قدیر کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لیے یہ نعمت پیدا کی اسی کی پرستش کرو۔

دلیل سوم اور کھجور دانی قدرت و حکمت یہ ہے کہ تم کھجور اور انگور کے پھلوں سے نشہ کرنے والی شراب بناتے ہو اور اچھی روزی بناتے ہو جیسے خرمائے خشک اور کشمش اور کھجور اور انگور کا شیرہ، وغیرہ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں خدا کی قدرت کی نشانی ہے آخر یہ چیزیں کس نے بنائیں اور کس نے ان میں یہ شیرینی اور لذت پیدا کی یہ آیت شراب کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی مگر اسی آیت میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ سکر کو رزق حسن یعنی اچھی روزی کے مقابلہ میں ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی روزی نہیں اور یہی معنی حرام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خاص عنایت فرمائی کہ ان کی عقلوں کی حفاظت کے لیے شراب کو حرام کر دیا۔

دلیل چہارم گزشتہ آیت میں حیوانات کے شکم سے خالص دودھ نکالنے کا بیان فرمایا اب اس آیت میں مکھی سے شہد کی مکھی کے منافع بیان فرماتے ہیں اور الہام کیا تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف یعنی ان کے دل میں ڈالا کہ تم پہاڑوں میں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ یعنی ایسی بلند اور اونچی جگہ پر اپنا چھتہ بناؤ جہاں ہر ایک کا ہاتھ نہ پہنچے پھر اس کو یہ الہام ہوا کہ تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور ان کو چوس پھر تیسری بات اس کو یہ الہام فرمائی کہ تو اپنے پروردگار کی ان راہوں پر چل جو اس نے تیرے لیے مسخر اور آسان کر دی ہیں تجھے ان راہوں پر چلنا دشوار نہیں اب آگے اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مکھیوں کے پیٹوں سے یعنی منہ سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے یعنی شہد۔

جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں یعنی سفید اور سرخ اور زرد اور سبز نیز اس شہد میں لوگوں کی تکلیف بیماریوں کے لیے شفا ہے بے شک شہد کی مکھی میں قدرت ربانی کی کھلی نشانی ہے اس گروہ کے لیے

شفاء دی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلاتے جاؤ انشاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا مگر تیرے بھائی کا پیٹ ایسا ہو گیا ہے کہ اس کو ایک یا دو دفعہ کا شہد پلانا کافی نہ ہوا غرض یہ کہ حدیث قواعد طبیہ کے خلاف نہیں۔ بہت سے اقسام کے اسہال میں خود اطباء نے شہد کو مسہل تجویز کیا ہے۔ البتہ اطباء کا قول یہ ہے کہ شہد صفراوی مزاج والوں کے لیے مضر ہے حرارت کو بڑھاتا ہے اور گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے: ہو سکتا ہے سو خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد کل مرضوں کی دوا ہے "شفاء" نکرہ ہے۔ مقام اثبات میں وارد ہوا ہے عموم پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اتنا کافی ہے کہ شفاء کی تنوین تعظیم کے لیے لی جائے تو اس سے شہد کا شفاء عظیم ہونا مفہوم ہوگا۔ عموم مفہوم نہ ہوگا اور اکثر مرضوں کی دوا ہونا شہد کا اطباء بھی بتلاتے ہیں اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اس کا نفع مضرت سے بڑھا ہوا ہے۔ خصوصاً اصحاب بلغم اور مشائخ رطب مزاج والوں کے لیے تو مجرب تریاق ہے اور معجونات کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدر و منزلت کو ثابت کرتا ہے کہ اس میں شفاء عظیم ہے۔

نیز اطباء نے شہد کو "جالی" یعنی معدہ کا جلا کرنے والا لکھا ہے اور تمام امراض کی اصل معدہ ہے تو جب معدہ صاف ہوگا تو بیماری کیوں کر آئے گی اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ علی الصبح ہر روز تین انگلیاں شہد کی چاٹ لیا کرو۔

خلاصہ کلام یہ کہ شہد کی مکھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ اگر کسی کے کاٹ لے تو بلبلا اٹھے یہ تو اس کی حقیقت ہوئی اور اس کا شہد تریاق اور شفاء عظیم ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے چرند اور پرند میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرمایا اب خود انسان میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔

دلیل پنجم

اور منجملہ دلائل قدرت کے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور پھر ایک کی عمر کی مدت مقررہ کی پھر تم کو موت دیتا ہے اور دوبارہ عدم میں لے جائے گا اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو ذلیل اور ناکارہ عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی ایسا بڑھا پھوس ہو جائے کہ عقل بھی جاتی رہے اور عالم ہونے کے بعد جاہل بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ مارنے اور جلانے پر قادر ہے ویسے ہی وہ عالم سے جاہل بنانے پر بھی قادر ہے پس جس کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور علم اور جہل ہے اسی کی پرستش کرو۔ بڑھاپے میں جو ضعف دماغ میں تو سب کے لیے فتور آ جاتا ہے مگر جو قرآن خواں ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ ارذل العمر کو نہیں پہنچتا۔ بہرحال انسان کا نطفہ سے پیدا ہونا اور پھر اس کا بڑھا ہو کر مر جانا مادہ اور طبیعت کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور طبیعت تو بے شعور ہیں بلکہ یہ کسی مدبر حکیم کا کام ہے۔
بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اور بندہ اس کے لیے تو زوال ہے بندہ کو چاہیے کہ اپنے علم اور قوت پر گھمنڈ نہ کرے بڑھاپے میں نہ علم رہتا ہے نہ قدرت رہتی

سو ماسبق آیت دوم میں انسان کے حالات مختلفہ سے اپنی قدرت پر استدلال فرماتے ہیں خلاصہ یہ کہ انسان کا عدم سے وجود میں آنا اور پھر اس کا نشوونما پانا اور بچپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کرکے پردۂ عدم میں چھپ جانا یہ تمام امور مذاق کی ایں اور فطرت نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عمروں کا تفاوت بیان کیا اب آئندہ ارزاق کا تفاوت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح بنی آدم کی عمریں مختلف اور متفاوت ہیں اسی طرح ان کی روزیاں بھی متفاوت ہیں۔

دلیل ششم اور من جملہ دلائل قدرت اور الوہیت میں سے یہ ہے کہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو مملوک اور غلام بنایا غرضیکہ بنی آدم کو اوصاف متباین اور متفاوت پر پیدا کیا مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے اور اس اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمت بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں اور اس کے اسباب کا ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں جس طرح حق تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا اسی طرح معنوی رزق یعنی علم و عقل اور فہم اور حسن صورت اور حسن سیرت اور صحت اور مرض اور ضعف اور قوت اور بصارت اور بصیرت میں بھی تفاوت رکھا کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم کسی کو قوی اور جسیم اور ہیکل بنایا اور کسی کو ضعیف اور ناتواں بنایا کسی کو دانا اور کسی کو نادان کسی کو عالم اور کسی کو جاہل کسی کو حسین اور کسی کو بدشکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم الٰہی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اگر یہ بات علم و عقل اور فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بدعقل اور جاہل دولت مند اور مالدار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانۂ عالم انہی اختلافات اور تباین و تفاوت پر مبنی ہے اگر سب لوگ سب باتوں میں یکساں ہو جائیں تو پھر نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم اور نہ کوئی مالدار اور نہ کوئی نادار اور نہ کوئی مالک مکان اور نہ کوئی کرایہ دار اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے پس جن کو اللہ کی طرف سے رزق میں فضیلت اور وسعت دی گئی اور اللہ نے ان کو سردار اور امیر اور دولت مند بنایا اور ان کے پاس مال و دولت بھی ہے اور ان کے پاس غلام بھی ہیں وہ اپنی روزی اور دولت اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ سب آقا اور غلام اس روزی میں برابر ہو جائیں یعنی آقا اور مالدار اس پر راضی نہیں کہ اپنے مال و دولت کو اپنے غلاموں پر اس طرح تقسیم کر دیں کہ غلام اور آقا سب برابر ہو جائیں۔ حالانکہ وہ بھی تمہارے ہم جنس اور ہم عقل اور ہم شکل ہیں

اور وہ مال جن کا مخلوق (پیدا کیا ہوا ہیں) پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی مملوک اور اس کی مخلوق خدا کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ عجیب احمق لوگ ہیں کہ اپنے غلاموں کو تو اپنا شریک اور برابر بنانا پسند نہیں کرتے مگر خدا کے غلاموں کو اور اس کے پیدا کیے ہوئے بندوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کوئی آقا اس بات پر راضی نہیں کہ اس کا غلام اس کے مساوی اور برابر ہو جائے غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتے پس جب کہ دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک اور مملوک میں شرکت اور مساوات نہیں تو خالق اور مخلوق کو معبودیت میں کیسے برابر کیا جا سکتا ہے پس جب کہ تمہارے غلام شریک اور برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ کے بندے اور اس کے خدام اس کی الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو آپؓ کی طرف سے کوفہ بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا۔

اقنع برزقك من الدنيا
فان الرحمان فضل بعض
عباده على بعض في الرزق
بلاء يبتلي به كلا فيبتلي من
بسط له كيف شكره لله وأداؤه
الحق الذي افترض عليه فيما
رزقه وخوله
(رواه ابن ابی حاتم)

اے ابو موسیٰ! تو اپنے اس رزق پر قناعت
کر جو تجھ کو دنیا میں ملا ہے کیونکہ رحمٰن نے
اپنے بعض بندوں کے اعتبار سے رزق
زیادہ دیا ہے اور یہ رزق من جانب اللہ
ابتلاء اور امتحان ہے جس کے ذریعہ ہر ایک
کا امتحان کرتا ہے جس جس کو رزق زیادہ دیا
اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح
اللہ کی دی ہوئی دولت کا شکر بجا لاتا ہے اور
جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیونکر ادا کرتا ہے۔
(ابن ابی حاتم نے اس روایت کو روایت کیا)

معلوم ہوا کہ بنی آدم میں امیری اور فقیری اور فراخی اور تنگ دستی میں تفاوت من جانب اللہ ہے جس کو اللہ نے مال و دولت دیا اس پر اللہ کا شکر اور اس کا حق ادا کرنا واجب ہے اور جس کو اللہ نے مفلس بنایا اس پر صبر اور قناعت واجب ہے فقیر اور نادار کو یہ تو جائز ہے کہ صنعت و حرفت یا تجارت یا زراعت کے ذریعہ حلال طریقہ سے جس طرح چاہے دولت حاصل کرے اس پر کوئی تحدید نہیں لیکن کسی نادار کو ازراہ حسد و رقابت کسی مالدار کے مال پر نظر کرنا ناجائز اور حرام ہے جیسے آج کل اشتراکی لوگ مزدوروں کو اکساتے ہیں کہ تم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی دولت کو لوٹ لو اور مساوات کا فریب نظر کر جاہلوں کو اس پر آمادہ کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ رزق میں مساوات عقلاً محال ہے رزق کا تفاوت تکوینی خداوندی کا کرشمہ ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا اور بفرض محال اگر کبھی مال و دولت سب پر برابر تقسیم ہو گیا تو یہ بتلائیں کہ علم اور عقل اور حسن و جمال اور قوت و صحت اور صحت و بیماری

اور موت و حیات میں مساوات کی کیا صورت ہوگی کسی کو ایک چپاتی کھانا مشکل ہے اور کوئی دس نان کھا کر بھی ڈکار نہیں لیتا اگر سب کے سامنے دس دس نان رکھ دیئے گئے تو سب کے معدے کی اشتہاء اور سب کی بھوک یکساں برابر ہوگی مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری اور باطنی سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو چاہا کم دیا اور جس کو چاہا زیادہ دیا کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کی نعمت سے منکر ہونا ہے جیسا کہ منجمین و طبیعیین خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو کواکب اور نجوم کی طرف اور مادہ اور طبیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں جس میں بھی اللہ کی نعمت سے انکار کرنا ہے۔

دلیل ہفتم | اور من جملہ دلائل قدرت و وجود نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور پھر تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے تاکہ تمہاری نوع اور نسل باقی رہے اور پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہارا وجود شخصی باقی رہ سکے تمہاری راحت و آرام کے لیے بیبیاں پیدا کیں اور خدمت کے لیے اولاد دی کہ تمہاری خدمت کریں اور تمہارے بعد تمہاری نسل باقی رہے اور بقاء و زندگی کے لیے پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کیں کیونکہ بقاء و زندگی رزق پر موقوف ہے کیا توحید کے ان دلائل و نعم کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیزوں پر عقیدہ اور ایمان رکھتے ہیں باطل سے مراد شرک اور بت پرستی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا یا بیٹا دیا یا روزی دی اور یہ سب جھوٹ ہے وہ کچھ نہیں دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر رزق پہنچانے کی مالک نہیں نہ آسمان سے مینہ برسا سکتے ہیں اور نہ زمین سے کوئی چیز اگا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کچھ اختیار ہے اور قدرت ہے یعنی عاجز محض ہیں کسی قسم کی استطاعت نہیں رکھتے پھر کس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو اس کا نہ کوئی مثل ہے نہ کوئی مشابہ اور مثیل ہے۔

شاہ عبد القادر فرماتے ہیں مشرک کہتے ہیں کہ مالک تو اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں اس واسطے ان کو پوجتے ہیں کہ بڑی سرکار تک ان کے ذریعے ہماری رسائی ہو جائے یہ مثل غلط ہے اللہ تعالیٰ پر چسپاں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز آپ کرتا ہے کسی کے سپرد نہیں کر رکھا اور اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ (موضح القرآن)

مشرکین یہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم ناچیز بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا یہ ہمارے لیے وسائل اور ذرائع ہیں ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں گے جس طرح بادشاہ وزیروں کا محتاج ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مثال غلط ہے اللہ تعالیٰ پر چسپاں نہیں بادشاہ عالم الغیب نہیں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس

سے

کے علم اور ارادہ اور مشیئت سے ہو رہا ہے۔ سلاطین دنیا کی طرح نہیں کہ وہ اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض اور سپرد کر دیتے ہیں کہ تفویض تو بارادہ اور اختیار سے کیا لیکن تفویض کے بعد وہ ماتحت حکام ان اختیارات کے استعمال میں آزاد ہیں بغیر بادشاہ کے علم اور بغیر اس کے ارادہ اور بغیر اس کی اجازت کے بہت سے کام کر گزرتے ہیں جیسے بسا اوقات وزراء کوئی فیصلہ کر گزرتے ہیں اور بادشاہ کو اس فیصلہ کا سرے سے علم نہیں ہوتا اور بادشاہ کے ارادہ اور مشیئت کو اس فیصلہ کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا سو بارگاہ خداوندی میں یہ بات ممکن نہیں اس لیے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ خدا اپنی قدرت اور اختیار کو کسی کے تفویض کر دے بے شک۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کوئی شئی اس کے دائرہ علم اور ارادہ اور مشیئت سے باہر نہیں۔ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے خواہ بلاواسطہ اسباب ہو یا بالواسطہ اسباب ہو وہ سب اس کے علم محیط اور مالک کے ارادہ اور مشیئت سے وقوع پذیر ہو رہا ہے لہذا ہر کلی اور جزئی میں اسی کو فاعل حقیقی سمجھ کر اسی کو اپنا معبود اور مستعان سمجھو بلا واسطہ سبب تمہارا مشتکیٰ ہے اور بغیر کسی کے خبر دیئے ہوئے تمہارا سب حال جانتا ہے بادشاہ اور بڑے آدمیوں کو وزیر اور پیشکار کی اس لیے ضرورت ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں اور سارے کام خود سرانجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے معین اور مددگار کے محتاج ہیں اور خدا تعالیٰ علیم و خبیر اور مالک و قدیر ہے وہ علی الاطلاق بے نیاز ہے۔ اسے کسی وزیر اور مشیر کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کارخانہ ربوبیت میں کوئی دخیل ہے اور نہ دربان کی ضرورت ہے لہذا خداوند ذوالجلال کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے معلوم ہوا کہ جو مثال تم نے بیان کی وہ غلط ہے اگر صحیح مثال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہیں غور سے سنو۔

مثال اول اللہ تعالیٰ نے شرک کے بطلان ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور ایسا غلام ہے کہ وہ کسی تصرف پر قادر نہیں کیونکہ بعض غلام ایسے ہوتے ہیں کہ آقا ان کو تصرفات کی اجازت دیدیتا ہے جیسے عبد ماذون اور جیسے مکاتب کہ آقا نے اس کو نوشتہ دے دیا کہ اس قدر روپیہ کما کر دے دو تو آزاد ہے یعنی ان کو کچھ تصرف کی اجازت ہو۔ لیکن یہ تو ایسا ہے کہ عبد مملوک ہے کسی تصرف پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے اور اپنے فضل سے عمدہ روزی دی یعنی وسعت اور کثرت سے اس کو رزق دیا جو لوگوں کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور ہم نے اس کو اس کا مالک اور مختار بنایا یعنی وہ شخص ہمارے دیئے ہوئے رزق حسن میں سے خیرات کی راہوں میں اور طرح طرح کی نیکیوں میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے یعنی جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا کیا یہ دو شخص برابر ہو سکتے ہیں یعنی ہرگز نہیں۔ الحمد للہ غلام آقا کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو بت جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز ہیں وہ کیونکر معبود کے شریک ہو سکتے ہیں اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ جب مالک مجازی اور مملوک برابر نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور مملوک حقیقی کب برابر ہو سکتے ہیں حالانکہ آقا اور غلام تو نفس خلقت اور صورت بشری میں بھی برابر تھا

ہیں۔ تو کیا یہ دونوں برابر نہیں؟ تو اللہ جو کہ متصرف مطلق اور مالک مطلق ہے اس میں اور بتوں کے درمیان مساوات کیونکر ہو سکتی ہے جو نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کسی شئی پر قادر ہیں اور دنیا کا کوئی عاقل، قادر اور عاجز کے درمیان مساوات کا قائل نہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مثال مؤمن اور کافر کی ہے کافر بمنزلہ مملوک کے ہے جو کسی شئے پر قادر نہیں کیونکہ جب وہ اللہ کی عبادت سے اور اس کی توفیق سے محروم ہے اور اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے محروم ہے تو گویا وہ ایک غلام حقیر و ذلیل ہے اور عاجز ہے جو کسی شئے پر قادر نہیں خدا تعالیٰ نے اس کو معرفت سے محروم رکھا ہے اور مؤمن وہ شخص ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے پاس سے رزق حسن یعنی حلال روزی دی اور وہ دن رات اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور اپنے مال کو راہ خدا میں پوشیدہ اور علانیہ طور پر جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے تو یہ دونوں شخص برابر نہیں نہ آزاد اور غلام برابر ہے نہ بخیل اور سخی برابر ہے اور نہ کافر اور مؤمن برابر ہے سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب کا خالق اور تمام کائنات کا مالک مطلق اور مختار مطلق ہے اور تمام کائنات اس کی مملوک اور غلام ہے لیکن باوجود اس کے یہ لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نادان اور بے عقل ہیں کہ صاف اور واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے اور ایسے بے جان بتوں کو مستحق تعریف سمجھتے ہیں۔

دوسری مثال

اور اگر اس مثال سے ان پر حق واضح نہ ہو تو اللہ نے ان کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرمائی۔ فرض کرو کہ دو شخص ہیں ان میں کا ایک تو گونگا غلام ہے اور بہرا بھی ہے کیونکہ جو پیدائشی گونگا ہوتا ہے وہ بہرا بھی ہوتا ہے کہ کسی بات کے سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے یعنی وہ کسی کام کا نہیں اور نہ اس سے کسی بھلائی کی توقع ہے۔ وہ آقا اس کو جہاں بھیجے وہاں سے کوئی خیر اور بھلائی لے کر واپس نہ آئے کیا ایسا منحوس غلام اس مبارک شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم کرتا ہو اور خود سیدھی راہ پر ہے یعنی اس کے قول اور عمل کی درستی یہ ہے نہایت عقلمند اور بامروت دانا اور نیک کردار ہے جو شخص خود صاحب فہم و فراست ہو اور وہ دوسروں کو انصاف اور نیکی کی بات کی ہدایت کر سکتا ہے پس جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے اور بہرے بت خدائے قدیر و دانا کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کافر اور مؤمن کی مثال ہے کافر اندھے اور بہرے اور گونگے غلام کی طرح ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ حق کو سنتا سمجھتا ہے اور نہ بول سکتا ہے اور ناکارہ ہے کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مؤمن ثابت سیدھی راہ پر جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانا چاہتا ہے یہ دونوں شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی خدا کے دو بندے ایک بت کہ نہ بول سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتاتا ہے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے تابع؟ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ میں فرماتے ہیں حاصل ایں دو مثل آنست کہ

جو اللہ کو مانتے ہیں وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھ جاتے ہیں اور جو مؤمن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پرندوں کو عجیب طرح سے پیدا کیا کہ ان کے پر و بازو میں ان کو پھیلا کر ہوا میں اڑتے ہیں اور ہوا میں اڑنے کی قوت پیدا کی وہ پر پھیلا کر ہوا میں اس طرح اڑتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی چیز ان کو ہوا میں روکنے اور تھامنے والی نہیں نہ اوپر سے کوئی چیز پکڑے ہوئے ہے اور نہ نیچے سے ان کو کوئی چیز تھامے ہوئے اور سہارا دیئے ہوئے ہے ورنہ ان کے ثقل جسمانی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اوپر سے نیچے گر پڑتے اور ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیرتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے اور اترتا ہے اور پھر ہوا کو چیرتا ہوا نیچے اترتا ہے اس عجیب و غریب تسخیر میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں غرض یہ کہ پرندوں کا ہوا میں معلق رہ سکنا یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے شیفتگان اسباب و علل و دلدادگان فلسفہ ان چیزوں کے جو اسباب طبعی بیان کرتے ہیں وہ سب پا در ہوا ہیں اور ان کی کوتاہ نظری اور کج عقلی کی نشانیاں ہیں،

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"یعنی ایمان لانے میں بعض اٹکتے ہیں، معاش کی فکر سے سو فرمایا کہ ان کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لایا اسباب کمائی کے، آنکھ، کان، دل اللہ ہی کا دیا ہے، ہوا اڑتے جانور اوپر کس کے سہارے رہتے ہیں۔"

(موضح القرآن)

دلیل یازدہم

اور من جملہ دلائل قدرت الوہیت یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے حالت حضر میں تمہارے گھروں میں سے جائے سکونت بنائی جہاں تم آرام کرتے ہو کیونکہ انسان معاش کے لیے حرکت کرتا ہے اور حرکت کے بعد اس کو سکون کی حاجت ہوتی ہے تو اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے اور حالت سفر میں چوپایوں کی کھالوں سے اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے یعنی خیمے تم ان کو اپنے سفر کے دن اور حالت سفر میں ہلکا پاتے ہو اور بے تکلف اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو مٹی اور پتھر کے گھروں میں یہ بات حاصل نہیں خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے ہماری بود و باش کے لیے ہمیں رہنے کو دو گھر دیئے ایک تو وہ جو مٹی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے دوسرے وہ گھر جنہیں جہاں چاہیں لے جائیں جیسے خیمے جو سفر اور حضر دونوں حال میں آسان اور ہلکے ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اور احسان ہے اور اللہ نے تمہاری آسائش کے لیے بھیڑوں کے بالوں اور اونٹوں کے بالوں اور بکریوں کے بالوں سے اثاثہ اور سامان منفعت بنایا جس سے تم ایک وقت اور مدت تک نفع اٹھاؤ یعنی ان کے کہنہ ہونے تک یا وقت موت تک اس سامان سے نفع اٹھاؤ۔

دلیل دوازدہم

اور من جملہ دلائل قدرت و الوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہاری راحت اور حفاظت کی چیزوں کو پیدا کیا چنانچہ تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں

بن سے بعض سے تمہارے لیے سایہ بنا دیا جس سے تم گرمی اور سردی اور برف و باراں وغیرہ کی تکلیف سے بچتے ہو سایہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے سایہ میں آدمی رہتا ہے جیسے مکان اور دیوار اور درخت وغیرہ اگر وہ اپنی رحمت سے سایہ دار چیزیں پیدا نہ کرتا تو سردی و گرمی سے نہایت مشکل ہو جاتی۔

دلیل سیزدہم اور من جملہ دلائل قدرت و الوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپ رہنے کی جگہیں بنائی ہیں یعنی غار وغیرہ بنائے جہاں سردی اور گرمی اور بارش اور دشمن اور موذی جانوروں سے محفوظ رہ سکیے اور جس میں گھر بنانے کی استطاعت نہ ہو وہ وہاں پناہ لے سکے یہ سامان حفاظت بھی اسی کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ ہے۔

دلیل چہاردہم اور من جملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ سرابیل سے مطلق لباس مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تم کو گرمی سے بچاتا ہے اور سردی سے بھی بچاتا ہے مگر آیت میں ایک شق کو بیان کر دیا تو دوسری شق کو اس پر قیاس کر لیا جائے چونکہ عرب میں گرمی کی شدت تھی اس لیے آیت میں صرف حر کا ذکر فرمایا اور برد کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مختلف مواضع میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کسی جگہ گرمی سے حفاظت کا ذکر فرمایا اور کسی جگہ سردی کے سامان حفاظت کا ذکر فرمایا ——— نیز گرمی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان برودت اور سردی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے تقیکم الحر میں حر کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس طرح نہیں فرمایا کہ تقیکم الحر والبرد۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بھی بنائے جو تم کو آپس کی لڑائی کی زد سے بچاتے ہیں جیسے زرہیں اور جوشن وغیرہ جو جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

امتنان بر اتمام احسان

اب ان دلائل قدرت و وجوہ نعمت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم اس منعم حقیقی کے سامنے گردن جھکا دو اور ہر بن مو سے زبان شکر بن جاؤ لیکن اگر یہ ناقدرے اور ناشکرے منعم حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے اعراض کریں تو آپ کوئی غم نہ کریں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ صرف صاف کھول کر اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے ان کے اعراض کا وبال انہی کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو خوب پہچانتے ہیں پھر باوجود اس علم یقینی کے ان نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض اگرچہ شکر گزار بھی ہیں لیکن ان میں کے اکثر ناشکرے ہیں۔ منعم کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں اور دل سے

مانتے ہیں مگر عناد اور ضد کی بنا پر ان کا انکار کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا
اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا پھر

يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾
حکم نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے توبہ مانگئے۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ
اور جب دیکھیں بے انصاف مار پھر ہلکی نہ ہو

عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے۔ اور جب دیکھیں شریک

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا
کرنے والے اپنے شریکوں کو، بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ
جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ تب وہ ان پر ڈالیں

الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ
بات کہ تم جھوٹے ہو۔ اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن

السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾
عاجز ہو کر اور بھول جاوے ان کو جو جھوٹ باندھتے تھے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ
جو منکر ہوئے اور روکتے رہے اللہ کی راہ سے ان کو ہم نے بڑھائی

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾

مار پہ مار بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ

اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا ان پر انہی

اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ

میں کا اور تجھ کو لاویں بتانے کو ان لوگوں پر ۔ اور

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ

اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا اور راہ کی سوجھ

رَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾

اور مہر اور خوشخبری حکم برداروں کو ۔

ذکر قیامت

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

ربط: یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کو ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ بہت سے لوگ اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر اللہ کی نعمت کے منکر بنے ہوئے ہیں اب قیامت کو ذکر فرماتے ہیں کہ اس دن ان لوگوں کو جنہوں نے دیدہ و دانستہ حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا کفر کیا اور ناشکری کی کیا حال اور مآل ہوگا اس دن سب کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے باز پرس ہوگی اور سب ذلیل و خوار ہوں گے اور انبیاء کی گواہی سے ان کا جرم ثابت ہوگا گواہی کے بعد کفار اجازت چاہیں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ درخواست منظور نہ ہوگی اور ان کے فرضی معبود ان کی تکذیب کر دیں گے غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی دار آخرت میں ذلت و رسوائی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اس دن ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کو عذر کا موقع بھی نہیں ملے گا کیونکہ اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب مبین نازل فرمادی ہے جس میں دین و دنیا کے تمام امور کو بتلا دیا گیا ہے۔

جیسا کچھ فرماتے ہیں۔ اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہ جو ان منکرین نعمت کے انکار کا پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفر و شرک پر گواہی دے گا کہ ہم نے ان کو خدا کا حکم پہنچا دیا تھا مگر پھر بھی یہ نہ مانے یہ گواہ انبیاء کرامؑ ہوں گے جو اپنی امت پر ان کے اچھے اور برے اعمال پر گواہی دیں گے اور ان کی گواہی پر کوئی جرح نہ کر سکے گا اور وہ قطعی حجت ہوگی پھر دیا گے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ پھر انبیاء کرام کی شہادت کے بعد ان کافروں کو کچھ بولنے کی اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان سے کوئی معذرت اور توبہ طلب کی جائے گی۔ یعنی ان کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا اس لیے کہ عذر اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ آخرت تو دارالجزاء ہے نہ کہ دارالعمل۔ اب وقت سزا کا ہے نہ کہ کسی عمل کا۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر اور شرک اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور گواہوں کی گواہی کے بعد ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ لوگ جب عذاب دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو چلائیں گے اور چلائیں گے اور مالک داروغہ جہنم سے تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی کہ ان سے عذاب کچھ ہلکا اور کم کر دیا جائے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے کہ چند روز کے وقفہ کے بعد عذاب شروع ہو مطلب یہ ہے کہ گواہوں کی گواہی کے بعد عذاب شدید کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب اس میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا قیامت کے دن اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں یعنی بتوں اور معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں خدا کا شریک بناتے تھے تو بطور اقرار جرم و دفعاً اپنے اوپر سے الزام اٹھانے کے لیے یوں کہیں گے کہ اے پروردگار یہ ہمارے مقرر کیے ہوئے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا معبود سمجھ کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارا کرتے تھے انہیں کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور انہیں کی وجہ سے ہم مارے گئے۔ ورنہ ہم تو بے قصور ہیں۔ شاید یہ کہنا اس غرض سے ہوگا کہ اصل ہمارے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے یا عذاب تقسیم ہو جائے۔ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اپنی غفلت اور ندامت دور کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو وہ شرکاء جو وہاں ہوں گے باذن الٰہی بولنے لگیں گے۔ اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنے کے لیے یہ بات انہیں کی طرف ڈال دیں گے اور فوراً ان کے جواب میں کہیں گے کہ بے شک تم جھوٹے ہو اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے تم کو گمراہ کیا اور اپنے جرم کا ہم کو سبب قرار دینا سب جھوٹ ہے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ ہم خدا کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں تم ہماری پرستش کرو تم ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ سب بے خبر ہیں ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر آپ کو پجواتا ہے اس سے ان کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔

غرض یہ کہ معبود و عابد دونوں کی تکذیب کریں گے اور اپنی براءت اور بے تعلقی کا اظہار کریں گے تا کہ ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے۔ انبیاء اور ملائکہ اور شیاطین جن کو مشرکین نے معبود بنایا ہوا تھا۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ کو اپنا ضامن ۔ اللہ جانتا

يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۹۱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ

ہے جو کرتے ہو ۔ اور مت ہو جیسے وہ عورت کہ توڑا

غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ

اپنا سوت کاتا محنت کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے کہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں پیٹھنے

دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ

کا بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا

اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ

دوسرے سے یہ تو اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے ۔ اور آگے کھول دے گا اللہ تم

الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۲ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

کو قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے ۔ اور اللہ چاہتا تو

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ

تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا ۔ لیکن بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳

سوجھاتا ہے جس کو چاہے اور تم سے پوچھ ہوگی جو کام تم کرتے تھے ۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں دخل دینے کا بہانہ ایک دوسرے سے کہ ڈگ نہ جائے

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ

کسی کا پاؤں جمے پیچھے اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا

اللہ کی راہ سے ۔ اور تم کو بڑی مار ہو ، اور نہ

تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ

لو اللہ کے اقرار پر مول تھوڑا ۔ بے شک جو اللہ کے

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ

ہاں ہے وہی بہتر ہے تم کو اگر تم جانتے ہو ۔ جو تم پاس ہے

يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ

نبڑ جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے سو رہتا ہے ۔ اور ہم بدلے میں دیں گے

صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

ٹھہرنے والوں کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

جس نے کیا نیک کام ، مرد ہو یا عورت اور وہ

مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

یقین پر ہے تو اس کو ہم جلاویں گے اچھی زندگی اور بدلے میں دیں گے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ

ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے ۔ سو جب تو پڑھنے

الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾

لگے قرآن ، تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے ۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے

ع ۱۳

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور انہی پر ہے جو اس کو رفیق

يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾

سمجھتے ہیں، اور جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال وآداب

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ... الیٰ ... وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ۔

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن ہر شے کا بیان ہے اور وہ ایک جامع کتاب ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور اہل ایمان کے لیے بشارت ہے، اب ان آیات میں بتلاتے ہیں کہ یہ قرآن جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے وہ تمام مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور اعمال خیر کا حکم دیتا ہے اور تمام برائیوں اور بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے منع کرتا ہے اور قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کی اصلاح کرتا ہے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالو اور نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ قسم کھا کر توڑو اور نہ خدا سے بدعہدی کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ دنیا دار فانی ہے اور قیامت آنے والی ہے جس دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا ایسی کتاب کے کتاب ہدایت اور کتاب رحمت اور کتاب بشارت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور ایسی کتاب کی جامعیت اور کاملیت میں کیا تردد ہو سکتا ہے گویا کہ گزشتہ آیت تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کی دلیل اور برہان ہے اور چونکہ یہ آیت بحمد اللہ تمام عقائد حقہ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے حکم پر اور تمام فواحش اور منکرات اور اعمال بد کی ممانعت پر مشتمل ہے عجب نہیں کہ شاید اسی جامعیت کے لحاظ سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے اخیر میں اس کو درج کرنے کا حکم دیا کہ اس میں تمام اچھی باتوں کا حکم اور تمام بری باتوں سے ممانعت کا حکم اجمالاً مذکور ہے لہٰذا یہی کتاب مستطاب ہے جس پر ایمان لانا چاہیے۔ بعد ازاں یہ بتلایا کہ ہدایت اور ضلالت سب حق کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے، اور آخر میں یہ بتلایا کہ شیطان کے پنجہ سے رہائی کا طریقہ یہ ہے کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اللہ پر بھروسہ رکھو جیسا کہ فرما چکے ہیں۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب مستطاب (قرآن) جس کو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے، وہ جس میں ہر شے کا بیان بطور جوامع الکلم کے ہے خاص طور پر ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے خاص طور پر تم کو تین باتوں کا حکم دیتا ہے اول عدل اور انصاف کا یعنی ہر کسی کو ہر ایک کے حقوق

بیان کرتے ہیں جن کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ بھی تین چیزیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تین چیزوں سے۔

(۱) بے حیائی سے یعنی ان بُرے کاموں سے جو شہوانی اور نفسانی قوت کے اشارہ پر کیے جائیں جیسے زنا اور لواطت وغیرہ وغیرہ۔

(۲) اور دوم منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کام سے جو نامعقول اور ناپسندیدہ ہو اور جس کے کرنے والے کو لوگ برا کہیں۔ منکر کے معنی نامعقول اور ناپسندیدہ کے ہیں منکر سے وہ امور مراد ہیں جو شریعت کے نزدیک نامعقول اور ناپسندیدہ ہوں اور قوت غضبیہ اور سبعیہ کے اشارہ سے سرزد ہوں جیسے کسی کو قتل کردینا یا کسی کا مال غصب کرلینا قوت غضبیہ اور سبعیہ بھی انسان کو ایذا رسانی پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک منکر یعنی ناپسندیدہ ہے۔

(۳) اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ظلم اور سرکشی سے یعنی اپنی حد سے تجاوز کرکے دوسروں پر غلبہ اور فوقیت کا خواہاں ہونا جسے تکبر اور تجبر کہتے ہیں یہ انسان میں وہ قوت شیطانیہ اور قوت وہمیہ کا مادہ موجود ہے اس سے ظلم و تعدی اور سرکشی نمودار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تنبیہ فرمادی کہ ان تینوں قوتوں کو یعنی قوت شہویہ و قوت غضبیہ اور قوت شیطانیہ کو قابو میں رکھو اور قوت عقلیہ کو ان پر حاکم بناؤ تو تمہاری دنیا اور دین سب درست ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان امور ثلٰثہ کے ذریعے تم کو نصیحت کرتا ہے اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔

اول کی تین باتیں جو خیر کی اصل ہیں، کسی عارف کا قول ہے کہ نیک اور مستحسن کی ابتداء اور انتہاء کا مدار انہی چھ چیزوں پر ہے عدل کا ثمرہ فتح و نصرت اور احسان کا نتیجہ حسن ثناء اور نیک نامی ہے اور صلہ رحمی کا فائدہ امن اور الفت ہے اور فحشاء کا نتیجہ دین اور دنیا کی تباہی اور بربادی ہے اور منکر یعنی نامعقول اور ناپسندیدہ امور کا ثمرہ دشمنوں کو مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا ہے اور بغی یعنی ظلم و تعدی کا نتیجہ نعمت سے محرومی ہے۔

نکتہ اور شر کی تین چیزیں اول کی تین چیزوں کے مقابلہ میں ہیں، فحشاء عدل کے مقابلہ میں ہے اور منکر احسان کے مقابلہ میں ہے اور بغی یعنی ظلم ایتاء ذی القربیٰ کے مقابلہ میں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت یہ ہے جو سورۂ نحل میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (اخرجہ البخاری فی الادب والبیہقی فی شعب الایمان والحاکم وصححہ) (روح المعانی ص ۲۰۰ جلد ۱۴)

اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ عظیم اور بزرگ ترین آیت، آیۃ الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اور خیر و شر کے بارہ میں سب سے زیادہ

خدا کے سب عہد کو کیا وہ عہد الست ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر عہد کیا خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے وہ سب اس حکم میں داخل ہیں اور ان کا ایفاء واجب اور لازم ہے اور مت توڑو قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اللہ کا نام لینے سے قسم پختہ ہو جاتی ہے اور حالانکہ تم عہد کرتے وقت اور قسم کھاتے وقت اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو اس کے بعد اگر تم نے عہد شکنی کی اور قسم کو توڑا تو معلوم ہوا کہ تمہیں اللہ کی پرواہ نہیں تو خوب سمجھ لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو قیامت کے دن تمہارے ایفاء اور عہد شکنی کی جزا و سزا دے گا۔ اور عہد شکنی کر کے تم اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد توڑ ڈالا اور بوٹی بوٹی کر کے اس نے نوچ ڈالا۔ قریش میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ بڑی بے وقوف اور احمق تھی صبح سے لے کر دوپہر تک خود بھی سوت کاتتی اور اپنی لونڈیوں سے بھی کتواتی۔ جب دوپہر ہو جاتی تو وہ عورت ان کو حکم دیتی کہ جس قدر سوت تم نے کاتا ہے سب توڑ ڈالو، ہمیشہ یہ اس کی عادت تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ محض تمثیل ہے کسی عورت کی طرف اشارہ نہیں اس سے فقط مثال دینا مقصود ہے کہ عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے سوت کات کر اس کو توڑ ڈالنا۔ حق تعالیٰ نے عہد کے توڑنے کو تاگا توڑنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جس طرح وہ احمق عورت اپنے تاگے کو توڑ دیتی تھی تم اس کی طرح اپنے عہد کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑ دیا کرو تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ اور فریب اور دغل کا ذریعہ اور حیلہ بناتے جاتے ہو کہ تمہاری قسم سے مطمئن ہو کر دوسرا دھوکہ کھا جائے اور تمہارا یہ قسم توڑنا محض اس بنا پر ہے کہ ایک گروہ مال و دولت اور عدد کی کثرت میں دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے عرب کے لوگ ایک قوم کے ساتھ عہد کر لیتے اور وہ قوم ان کی طرف سے اطمینان کر لیتی۔ پھر جب دوسری قوم کو ان سے مال و دولت اور قوت اور عدد کی کثرت میں زیادہ دیکھتے تو ان سے عہد کر لیتے اور کمزور قوم کا عہد توڑ دیتے اور حیلے اور بہانے بنا کر ان سے عذر کر دیتے جیسے آج کل مغربی اقوام کا یہی شیوہ بنا ہوا ہے خدا تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور وفاء عہد کا حکم دیا۔

جز ایں نیست کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس حکم سے آزماتا ہے کہ دیکھیں عہد پورا کرتے ہیں یا جس کا پلہ قوت اور کثرت میں جھکا ہوا دیکھا ادھر جھک جاتے ہیں اور بے شک اللہ قیامت کے دن اس چیز کی حقیقت

سلہ اشارہ اس طرف ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ جملہ مستانفہ ہے اور حرف استفہام مقدر ہے اور فراء نے اسی کو اختیار کیا۔ چنانچہ وہ اس کی تقدیر یہ بتاتے ہیں تعالیٰ أَتَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ، استفہام علی سبیل الانکار والمعنی أتتخذون أیمانکم دخلا بینکم بسبب ان تکون امۃ ازید فی القوۃ والکثرۃ من امۃ الاخری (تفسیر کبیر ص ۴۵۸ جلد ۵) اور بعض مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ جملہ حالیہ ہے لا تکونوا کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم عہد توڑ کر اس احمق عورت کے مشابہ نہ بنو درآنحالیکہ تم قسموں کو آپس میں دھوکہ کا ذریعہ بناؤ۔

تو ظاہر کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے تم نے عہد توڑتے وقت یہ خیال کیا کہ جو جماعت تعداد میں زیادہ اور کثیر التعداد ہے اس کے ساتھ ملنے میں عزت ہے سو سب کچھ لوگ یہ تو حق نہیں بلکہ وہ سب سے بھلا دنیا و آخرت میں فضیحت اور رسوائی کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہاری اس عہد شکنی کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا اور سب کے سامنے تم کو فضیحت کرے گا اور یہ دنیا رہی ابتلاء اور امتحان ہے اس لئے تم کو دنیا میں مختلف بنایا ہے کہ تمہارا امتحان کرے اگر وہ چاہتا کہ تم کو ابتلاء اور آزمائش میں نہ ڈالے تو تجھ کو اور تم سب کو ایک گروہ کر دیتا سب اسلام پر متفق ہوتے لیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ ابہام رہے اور ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے رہیں وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ظالم بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور دنیا میں اس کو مظلوم بنا دیتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں بعض مومن اور کافر ہیں اور دونوں امتحان کے میدان میں آئے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ یعنی ہمیشہ لوگ نے اس بارہ میں اختلاف و باہمی عداوت کے لئے سبب کر دیا گیا مگر جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا انہوں نے حق سے اختلاف نہیں کیا اور نہ اہل حق کے دشمن بنے، بہرحال اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اس کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ لوگ اس دار ابتلاء دنیا میں باہم مختلف رہیں کوئی ہادی اور مہتدی ہو اور کوئی ضال اور مضل ہو کوئی ظالم ہو اور کوئی مظلوم ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کی علت اور حکمت پوچھ سکے وہ مالک مطلق ہے اس سے کوئی سوال اور باز پرس نہیں ہو سکتی البتہ تم اس کے بندے ہو۔ تم سے قیامت کے دن تم سے ضرور ان باتوں کی باز پرس ہوگی جو تم دنیا میں کرتے تھے، پھر اس محاسبہ اور مؤاخذہ کے بعد تم میں سے نیکوکار کو جزاء ملے گی اور گنہگار کو سزا ملے گی اور قیامت کے دن جن چیزوں کی باز پرس ہوگی اس میں تمہارا نقض عہد بھی ہوگا اور عہد شکنی پر خاص طور پر محاسبہ اور مؤاخذہ ہوگا۔

اب آگے پھر اپنے عہد پر قائم رہنے کی تاکید اور بد عہدی پر تہدید فرماتے ہیں اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں دغا، یہ دخل اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایک مثل ہے ایسے شخص کی جو سیدھی راہ پر تھا پھر اس کا قدم ڈگمگا گیا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کو فریب کا ذریعہ بنا کر راہ راست سے نہ ہٹو۔ استقامت کے بعد طریق ہدایت سے ہٹنا بہت برا ہے اور تم چکھو دنیا میں سزا اس بات کی کہ تم نے عہد شکنی کر کے لوگوں کو راہ خدا سے روکا کیونکہ تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی عہد شکنی کر لیا کریں گے اور غیر مسلم سمجھیں گے کہ جب مسلمان عہد شکن ہیں تو ان کا مذہب بھی عہد شکنی کی تعلیم دیتا ہوگا۔ یا کم از کم ان کے مذہب میں عہد شکنی کی ممانعت نہ ہوگی یہ دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور جس کا اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ بھی ہوگا وہ اسلام میں داخل نہ ہوگا اس طرح

بھی اس کو بیزار رضا اور محبت اس کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ نظر ایسے زائد اور منافع پر ہوتی ہے بہرحال ایمان اور عمل صالح کے سبب حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت اور قناعت اور رضا و تسلیم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایک مسرت بخش اور پُرلطف و پُرسکون زندگی گذرتی ہے جو اس فقیری اور درویشی میں امیری بھی ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے وہ اگرچہ طبعاً تلخ ہوتی ہے مگر عقلاً شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے کیونکہ عقل کی نظر دوا کے فوائد پر ہوتی ہے اسی طرح مصائب و آلام میں صاحب بصیرت کی نظر مصائب کے اجر و ثمرہ پر ہوتی ہے کہ ان مصائب کا ثمرہ رضاء خداوندی و تکفیر سیئات اور رفع درجات ہے اس حالت میں رنج و غم مسرت اور فرحت سے بدل جاتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اگرچہ راحت اور آرام کے کیسے ہی سامان کیوں نہ ہوں مگر تفکرات اور ترددات بھی ساتھ لگے ہوتے ہیں اور بقدر کفایت حلال روزی اور قناعت اور رضا بالقضاء اللہ کی عجیب نعمت ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا کی ہے وہ تنگ دستی اور تنگ معیشت کے باوجود کبھی پریشان نہیں ہوتے ان کے دل لالچ حسد اور طمع اور غرض سے پاک و صاف ہوتے ہیں ان کے اخلاق و عادات ایسے شائستہ ہوتے ہیں کہ ہر شخص ان سے محبت کرنے لگتا ہے کوئی ان کا دشمن نہیں ہوتا ایسی زندگی پاکیزہ ہوتی ہے۔

خوشا آنانکہ از غم رستگارند — چو گنج بے خرابی خستہ گنجند

بشب خسپند بے بالین و بستر — سحر ز آسمان کرسی خیزند و تیز اند

نہ پریشاں بردل مردم غبارے — نہ از مردم پریشاں ہیچ بارے

تعلیم طریقِ حفاظت از شر شیطانی

اوپر کی آیت میں نیک کام کرنے والوں کی بشارت کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ عمل صالح کی صلاح اور درستی اس پر موقوف ہے کہ وہ شیطان کے وسوسے سے محفوظ رہے اس لئے آئندہ آیت میں وہ تعلیم فرمائی ہے جس سے اعمال صالحہ میں شیطان سے محفوظ رہا جا سکے اور وہ تعوذ ہے یعنی اللہ سے پناہ مانگنا۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت میں عمل صالح کا ذکر تھا اور قرآن کی تلاوت بہترین عمل صالح ہے اور قرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے آیت آئندہ میں قرأت قرآن کا ادب بیان فرماتے ہیں جس کی اے بندہ اگر تو اعمال صالحہ میں سے قرأت قرآن جیسے عمل صالح کا ارادہ کرے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈ لیا کر شیطان سے کیونکہ استعاذہ بھی عمل صالح ہے جو شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے تحقیق شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے ہوئے ہیں اور اس کے اشاروں پر چلتے ہیں جس طرح چاہتا ہے

شیطان ان کو گمراہی پر جماتا ہے اور اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ اگرچہ اہل ایمان بھی شیطان کے بہکانے سے گناہ کر بیٹھتے ہیں اور دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر اہل ایمان شیطان کو اپنا جو ذاتی دشمن سمجھتے ہیں جب شیطان ان کو بہکاتا ہے تو حتی الوسع اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اگر کسی وقت غلطی کھا جاتے ہیں تو متنبہ ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار کرنے لگتے ہیں کما قال تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ شیطان کے تسلط کے معنی یہ ہیں کہ بے دھڑک گناہ کرتے ہیں اور شرماتے نہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ
اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اتارتا ہے

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾
تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یوں نہیں پر ان بہتوں کو خبر نہیں۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق

لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ
تا ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری

لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا
مسلمانوں کو۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو

يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ
تو سکھلاتا ہے ایک آدمی جس پر تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے اوپری

وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا
اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف۔ جن کو اللہ کی باتوں

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ

یقین نہیں آتیں ، ان کو اللہ راہ نہیں دیتا ، اور ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا

دکھ کی مار ہے ، جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں

منکرینِ نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ: وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۔

ربط: اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کرکے ان کا جواب دیتے ہیں، اصول دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہو جاتا تو کفار کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں۔ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ تبدیل احکام کے مصالح کو ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے حالات کسی سے سن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سنی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کر دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کسی سے سن کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاؤ کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ نے کیسے بنا لی جس کے معارضہ اور مقابلہ سے تمام بلغاء عرب عاجز و درماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ کو سکھائی ہے وہ غلام تو عجمی ہے عربی زبان میں بات بھی نہیں کر سکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے تو تم بھی اس عجمی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت بنوا لاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کر کے دوسری
آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے
پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ
بس تو مفتری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنے ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب
کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے
اور پھر اسے منسوخ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے
وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو خوب سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے
اس کی مثال طبیب کا نسخہ بدلنے کی ہے جو طبیب کا نسخہ بدلنا غلط ہے نہ بے جا۔ طبیب مریض کے حال کے مطابق
نسخہ تجویز کرتا ہے پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تو مفتری نہیں بلکہ
ان میں کے اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا
کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امین تیرے پروردگار کی طرف
سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کا کوئی ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت
کے اعتبار سے مرتبہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن
کرتا ہے پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر
ثابت قدم رکھے اور ان کی نورانیت اور قوت اور سکینت اور طمانیت میں ترقی کرے تاکہ ان کے
پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے باخبر ہے۔
اور فرمانبردار اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن زندگی
میں ان کی رہنمائی کرے اور راہ حق ان کو دکھاوے اور چلاوے اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ
فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین مؤمنین مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ
اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔
مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجمی تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمد کو قرآن بلعام
سکھلاتا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کا یہ جواب دیا کہ زبان اس شخص کی جس کی طرف وہ قرآن
کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا
فصیح و بلیغ ہے کہ تمام فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور درماندہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر

الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

کو۔ یہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر

وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

اور کانوں پر اور آنکھوں پر۔ اور وہی ہیں بے ہوش۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

آپ ہی ثابت ہے کہ آخرت میں وہی خراب ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا

پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس کے

فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ

کہ مصیبت اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے، بیشک تیرا رب ان

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

حکمِ مرتد

قال اللہ تعالیٰ: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ... الیٰ ... لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

ربط: گذشتہ آیات میں ان مجرمین کا ذکر تھا جو خدا پر تہمت اور رسول کی رسالت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بعض ان سے بڑھ کر مجرم وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات اور نفسانی وساوس سے متاثر ہو کر حق سے پھر جائیں اور برگشتہ ہو جائیں یعنی ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں، ان آیات میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے کہ جو حالت مجبوری میں اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر محض زبان سے کہہ دے اور دل اس کا ایمان پر قائم اور مستقر ہو تو ایسا شخص گنہگار نہ ہوگا۔ صحابہ کرام میں سے اس قسم کے کچھ واقعات منقول

چہارم۔ حرمان از رحمت خداوندی۔

پنجم۔ دلوں اور آنکھوں اور کانوں پر مہر لگنا۔

ششم۔ غفلت میں انتہا ہو کر پہنچ جانا۔ نعوذ باللہ من ذلک کلہ۔

یہ تو ان غافلین کا حال اور مآل ہوا پھر ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو بجائے غضب اور عقوبت کے رضاء اور رحمت کے مورد بنے وہ مہاجرین و مجاہدین کا گروہ ہے ان کی بابت ارشاد ہے۔ بیشک تیرا پروردگار ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے کافروں کی ایذا رسانی اور ستم رانی کے بعد ہجرت کی اور پھر کافروں سے جہاد بھی کیا یعنی فقط ترک وطن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو اور اس راہ میں جو بھی مصائب پیش آئے ان پر صبر کیا اور ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم رہے پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا تو بے شک آپ کا پروردگار ایسے اعمال یعنی ہجرت اور جہاد اور صبر کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے، بعد توبہ کی مغفرت اور رحمت میں کوئی شبہ نہیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَ

جس دن آوے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے

تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کیا اور ان پر

يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾

ظلم نہ ہوگا۔

ذکر جزائے آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا ... الی ... وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

ربط: گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے لیے وعدہ اور اہل کفر کے لیے وعید کا ذکر تھا اب اس آیت میں اس وعدہ اور وعید کے ظہور کا وقت بیان کرتے ہیں اصل عذاب اور ثواب تو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے مگر اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہوگا یعنی جس دن کہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور ہر ایک

بھی اپنی فکر میں ہوگا اور ہر شخص اپنی طرف سے جھگڑا کرے گا اور فرمایا، ثواب کو بھی بھول جائے گا۔ دوسرا چھوڑ دے گا۔ یہ جھوٹے بھی عذر کرتے کہ تم کو اس کی حجت اور اصل کی دور مذمت ہے۔ ہوگی اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا وہاں پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ثواب میں کمی ہوگی نہ عذاب میں زیادتی ہوگی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

اور بتلائی اللہ نے کہاوت، ایک بستی تھی چین امن سے

مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

چلی آتی تھی اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ

پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ

الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ

ان کے تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلا اس کا جو کرتے تھے۔ اور ان کو

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ

پہنچ چکا رسول انہی میں کا۔ پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو

الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

عذاب نے اور وہ گنہگار تھے۔ سو کھاؤ جو روزی دی تم کو

اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ

اللہ نے حلال اور پاک۔ اور شکر کرو اللہ کے

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا

احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ یہی

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا

حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور سور کا گوشت اور جس

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا

پر نام پکارا اللہ کے سوائے کسی کا۔ پھر جو کوئی ناچار ہو جاوے نہ

عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا

زور کرتا ہو نہ زیادتی، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت کہو اپنی

تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا

زبانوں کے جھوٹ بنانے سے۔ کہ یہ حلال ہے اور یہ

حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ

جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر بھلا نہیں پاتے۔ تھوڑا

قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

سا برت لیں اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور جو لوگ

هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا

یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو سنا چکے پہلے۔ اور ہم

ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ

نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔ پھر

إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا

یوں ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

کی اس کے پیچھے ، اور سنوار پکڑی ، تیرا رب ان باتوں کے پیچھے

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

بخشنے والا مہربان ہے ۔

تہدید بآفات دنیویہ بر معصیت وکفران نعمت

قال اللّٰہ تعالیٰ . وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً ... الیٰ ... لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .

ربط : گزشتہ آیات میں کفر اور معصیت پر عذاب آخروی کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بعض مرتبہ دنیا میں بھی کفر اور معصیت اور کفران نعمت پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ، جیسے قحط سالی اور عام بیماری اور بسا اوقات کفر اور کفران نعمت دنیا ہی میں زوال نعمت کا سبب بن جاتا ہے . جیسا کہ مکہ کے لوگ سات سال تک شدید قحط میں رہے یہاں تک کہ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیاں کھانے لگے اور ضعف اور ناطاقتی سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا بالآخر مجبور ہوکر سرداران قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی . اور آپ کی دعا سے یہ مصیبت دور ہوئی . بعد ازاں حق تعالیٰ نے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ سے یہ بتلایا کہ کونسی چیزوں کا کھانا حرام ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز ضروری ہے۔

۳ . اور پھر وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا سے یہ بتلایا کہ یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بعض پاکیزہ چیزیں دنیا ہی میں حرام کردی گئی تھیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ حلال وحرام کے احکام کو پوری طرح محفوظ رکھو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال وحرام نہ بناؤ اور غلطی سے اگر کوئی گناہ ہوجائے تو توبہ کرو اللہ پاک بخش دے گا . مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ . اکل حلال سے روح کا مزاج درست رہتا ہے اور حرام کے کھانے سے انسان کا دل اور روح فاسد اور خراب ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت کے وبال پر متنبہ کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال بیان کی کہ وہ بستی امن وامان اور سکون والی تھی . اس بستی کے لوگ آسودہ تھے اور ان کو کسی کی لوٹ مار اور غارت گری کا اندیشہ نہ تھا . اس بستی میں بسنے والوں کا رزق فراغت اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ سے یعنی اطراف وجوانب سے آتا تھا پس اس بستی والوں نے اللہ پاک کی نعمتوں کی ناشکری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنایا یعنی امن اور سکون کی جگہ خوف وہراس آگیا . اور رزق کی وسعت اور کثرت کی بجائے بھوک اور قحط نے آ پکڑا . اللہ نے ان کو خوف اور

بھوک کا مزہ بھی خوب چکھا دیا اور اس بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے پکڑ لیا جیسے کپڑا اپنے پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے، سزا میں اس کی جو وہ کرتے تھے یعنی اللہ نے جو ان کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یہ ان کے اعمال کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں اول یہ کہ اس سے کوئی معین قریہ مراد ہے یعنی مکہ معظمہ مراد ہے جہاں کے باشندے متواتر سات برس تک قحط میں مبتلا رہے اور اطراف و جوانب سے جو غلہ آتا تھا اس کا آنا بند ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے جلی ہوئی ہڈیاں اور مردار اور کتوں کو کھایا اور وہ پہلا امن و اطمینان جاتا رہا، ہر وقت خوف میں رہنے لگے یہ خدا تعالیٰ نے بطور تمثیل اہل مکہ کی حالت بیان فرمائی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قریہ سے غیر معین بستی مراد ہے کیونکہ وہ نکرہ لایا گیا ہے۔

نکتہ

اس آیت یعنی فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنایا حالانکہ لباس تو پہنایا جاتا ہے چکھایا نہیں جاتا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آیت درحقیقت دو استعاروں کو متضمن ہے ایک اعتبار سے جوع اور خوف کی حالت مذوقات کے مشابہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کو چکھ کر دیکھ لیتا ہے تو اس کا ادراک اور احساس مکمل ہو جاتا ہے دیکھنے اور چھونے سے پورا احساس نہیں ہوتا لہٰذا آیت میں لفظ اذاقت اس لیے استعمال فرمایا کہ ان کو بھوک اور خوف کا مزا چکھا کر جتلا دیا کہ بھوک اور خوف ایسی چیز ہے یہ تو دنیا میں ہوا کہ معصیت کا مزہ چکھایا، بھوک اور خوف کا اصل کھانا تو جہنم میں ملے گا۔ کھانے کو زقوم اور پینے کو غسلین اور حمیم کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ کھانا اور پینا چونکہ انسان کے اندر پہنچتا ہے اور اندرونی احساس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے اور لباس ایک ظاہری چیز ہے اس لیے بھوک اور خوف کا باطنی اور اندرونی اثر بیان کرنے کے لیے اذاقت کا استعارہ کیا اور ظاہری اثر بیان کرنے کے لیے لباس کا استعارہ کیا اور بھوک و خوف کے لیے لباس کا استعارہ اس لیے کیا کہ جس طرح لباس آدمی کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور پوری طرح اپنے اندر چھپا لیا اور چونکہ لباس ایک ظاہری شے ہے جو ظاہر میں نظر آتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف کا اثر ان کے ظاہر سے دکھلائی دیتا ہے کہ چہرے زرد ہو گئے تھے اور بدن دبلے اور لاغر ہو گئے تھے اور اس ظاہری نعمت کے علاوہ بڑی بھاری نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے ان لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی بھی ناشکری کی اور وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق انہی کے پاس انہی میں سے منجانب اللہ ایک رسول آیا جس کی صداقت اور امانت سے وہ بخوبی واقف تھے پس ان کو جھٹلایا تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے آپکڑا اور آں حالیکہ وہ ظلم پر کمربستہ تھے پس کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی قتل اور اسیر ہوئے اور مہاجرین اور انصار جو خدا کے لشکر اور بندے تھے ان کو خوف کے بعد امن دے دیا اور تنگی کے بعد ان کو وسیع الرزق بنا دیا اور روئے زمین پر ان کو حکمران بنایا۔

گزشتہ آیات میں شکر کا حکم اور کفران نعمت کی ممانعت کا ذکر تھا اس لیے آئندہ آیات میں اکل حلال کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اکل حلال ذریعہ شکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اے مسلمانو! تم کفر اور شرک اور کفران نعمت سے دور رہو اور اللہ نے جو حلال اور پاک روزی تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو شکر سے تم کو اللہ اور زیادہ نعمتیں دے گا اگر تم خالص خدا کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو اپنے حلال کیا ہوا سمجھو اور جس چیز کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا سے پرہیز کرو اور اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال اور حرام نہ کرو جز این نیست کہ حرام کیا ہے اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو مطلب یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو اور پھر اسی نیت سے اس کو ذبح کر دیا گیا ہو گو بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو تو یہ جانور حرام ہے۔

اور بعض مفسرین نے وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر ذبح کے ساتھ کی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کے لوگ ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام لیتے تھے اور ان کی نیت اور قصد بھی غیر اللہ کے تقرب کا ہوتا تھا یہ صورت باجماع امت حرام ہے اس کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں بلکہ کلام اس میں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ اُھِلَّ آیا ہے اس کے معنی ذبح کے نہیں بلکہ اس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور اس سے فقط آواز بلند کرنا مراد نہیں کیونکہ محض آواز بلند کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی بلکہ بقصد تقرب کسی کے نام زد کر دینے کے معنی مراد ہیں اور چونکہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام لے کر آواز کے ساتھ ذبح کرتے تھے اس لیے بعض مفسرین نے حسب موقع ذبح کے ساتھ اس کی تفسیر کر دی ورنہ درحقیقت وہ حکم کی قید نہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا غیر اللہ کا نام لے حرمت کی علت دراصل غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہے اور یہ نیت ذبح کے وقت بھی موجود ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حرمت زائل نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ نے بندوں پر مردار اور خون اور لحم خنزیر اور مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کو حرام کر دیا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی کر دی۔ پس جو شخص بھوک اور فاقہ سے لاچار اور بیقرار ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ مقدار ضرورت اور حد حاجت سے آگے بڑھنے والا ہو اور وہ ان حرام چیزوں سے بقدر حاجت بس سے اس کی جان بچ جائے کچھ کھا لے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بحالت اضطرار بقدر ضرورت کچھ کھا لینے سے اس کی حرمت اور نجاست تمہارے لیے معاف ہوگی اور اگر کچھ بھول ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں وہ درگزر فرمائیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا حق اور اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں تم ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ جانور حلال ہے اور یہ جانور حرام ہے، جیسا کہ پارہ ہشتم کے شروع میں یعنی وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ میں ان کے یہ جھوٹے دعوے گزر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس کہنے سے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھو گے۔ یعنی تم نے جو مویشی میں حلال و حرام

ٹھہرا رکھا ہے وہ سب تمہارا جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا، لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حلال کیا اور یہ حرام کیا یہ سب اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھنا ہے۔ مشرکین عرب بحیرہ و سائبہ وغیرہ کو حرام کہتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور یہ دنیا کا فائدہ جو ان کو پہنچ رہا ہے بہت تھوڑا اور چند روزہ فائدہ ہے جس کو بقا نہیں اور چند روزہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہو لینا، موجب فلاح اور کامیابی نہیں اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرض یہ کہ گزشتہ آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ میں افراط سے منع فرمایا کہ شریعت نے تمہارے جو اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے بچو اور اس آیت وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ میں تفریط سے منع کیا اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کو بیان فرمایا کہ جو از روئے خلقت و ملت شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام کی گئیں۔

اب آئندہ آیت میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض چیزیں جو پاکیزہ (یہود) پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا ان پر حرام کر دی گئی تھیں وہ تحریم ایک قسم کا تازیانہ تھی اور اسلام میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حمایت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں، جو ہم پہلے سورۂ انعام میں آپ سے بیان کر چکے ہیں وہ چیزیں سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ اور ان چیزوں کی تحریم میں ہم نے یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے یعنی ہم نے جو پاک چیزیں ان پر حرام کیں وہ ان کے ظلم اور تعدی اور ان کی سرکشی کے سبب سے کیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ الآیات۔ یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلم و تعدی کے باعث ان پر وہ پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں جس سے مقصود ان کی اصلاح تھی کہ اپنے جرائم اور قبائح سے تائب ہو جائیں پھر اس ظلم اور تعدی کے بعد بھی گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نادانی سے برے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے۔ یعنی اپنے اعمال درست کر لیے اور اپنے حال کی اصلاح کر لی بے شک تیرا پروردگار اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے مقصود اس آیت سے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مغفرت اور رحمت کا اظہار ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ

اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار

حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا

اللہ کا ایک طرف کا ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں حق ماننے والا

لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کے احسانوں کا، اس کو اللہ نے چُن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ

اور دی ہم نے اس کو دنیا میں خوبی۔ اور وہ آخرت میں اچھے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شرک والوں میں۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

ہفتہ کا دن جو ٹھہرایا سو انہیں پر جو اس میں پھوٹ گئے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن، جس بات

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں پھوٹ رہے تھے۔

بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔

(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک مشرکین کی شرکیات اور کفریات کا ابطال فرمایا اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ مشرکین عرب چونکہ حضرت ابراہیم کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے ان کی ملت اور شریعت کے اتباع کو واجب سمجھتے تھے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیم خدا کے یکے موحد اور شکرگزار اور

فرمانبردار بندہ تھے۔ سرتاپا توحید و تفرید میں غرق تھے۔ معاذ اللہ مشرک نہ تھے لہٰذا مشرکین عرب اور اہل کتاب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے بلکہ اصل ملت ابراہیمیہ کے پیرو اور متبع یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تم اگر اصل دین ابراہیمی پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔ توحید و تفرید میں سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی طریقہ ہے جو ابراہیم حنیف کا تھا اور مشرکین کے سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف ذکر فرمائے تاکہ ان کے عقائد شرکیہ اور خیالات فاسدہ کا رد ہو۔

(۱) أُمَّةً: پیشوا تھے اور مقتدائے عالم تھے۔

(۲) قَانِتًا: خدا تعالیٰ کے حکم بردار اور فرمانبردار بندے تھے۔

(۳) حَنِيفًا: سب سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہے تھے سوائے جمال حق کے کسی طرف مائل نہ تھے

(۴) وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: شرک سے پاک اور منزہ تھے خالص موحد تھے بچپن سے لے کر اخیر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

(۵) شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ: خدا کے شکرگزار بندے تھے سرتاپا شکر تھے۔

(۶) اجْتَبَاهُ: اللہ کے برگزیدہ بندے تھے خدا نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا، غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

(۷) وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ: راہ راست پر تھے یعنی اسلام اور دین حق پر تھے۔

(۸) وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً: اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی عزت و کرامت عطا کی اور ان کی نسل میں برکت دی اور سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

(۹) وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ: اور آخرت میں بھی وہ بلاشبہ نیکوں میں سے ہے۔

(۱۰) خاتم الانبیاء کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ آنحضرت ﷺ جیسے شخص کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا اور چونکہ یہ فضیلت گزشتہ فضائل سے بڑھ کر ہے اس لیے تفاوت رتبی ظاہر کرنے کے لیے لفظ ثُمَّ لایا گیا اور اس طرح فرمایا ثُمَّ أَوْحَيْنَا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فضیلت تمام فضائل سے بڑھ کر ہے اور ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ سے یہ بتلایا کہ مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں غلط ہے۔ اصل ملت ابراہیمی پر ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا ہے ملت ابراہیمی کی پیروی کریں لہٰذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا مدعی ہو اس کو چاہیے کہ ملت محمدیہ کا اتباع کرے کیونکہ ملت ابراہیمیہ اور ملت محمدیہ باہم متحد اور متفق ہیں۔

اور إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ میں یہود کا رد ہے کہ جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتلاتے تھے۔ ملت ابراہیمیہ میں جمعہ کی تعظیم تھی ہفتہ کا دن یہود کے اختلاف کی وجہ سے مقرر ہوا، ورنہ ہر نبی

نے جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے جمعہ کی تعظیم ملت ابراہیمی ہے اور ہفتہ کی تعظیم ملت ابراہیمی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں، اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے پیرو ہیں۔ نہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں اور نہ مشرک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ بھی موحد اور حنیف ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے ملت ابراہیمی کے پیرو یہ مسلمان ہیں جو توحید پر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) بے شک ابراہیم ایک کامل امت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تنہا ذات میں وہ تمام صفات و کمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تنہا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جانا تو یگانہ ولے ذات تو ہست مجموعہ آثار کمالات ہمہ

اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے ابراہیم کے کوئی مؤمن نہ تھا وہ تنہا امت تھے، اس لیے ان کو امت کہا گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم اللہ کے مطیع اور فرماں بردار تھے یعنی اللہ کے حکموں پر چلنے والے تھے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال حرام کرنے والے نہ تھے۔

(۳) اور سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف ہو گئے تھے سب سے منہ موڑ کر ایک خدا کی طرف منہ کر لیا تھا۔

(۴) اور کبھی بھی مشرکین میں سے نہ ہوئے بڑے پکے موحد تھے بچپن سے لے کر آخر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

(۵) اور وہ اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکرگزار تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں ان کو اپنی نبوت و رسالت و خلت کے لیے چن لیا تھا جس کا ظہور دنیا میں ہوا۔

(۷) اور اللہ نے ان کو سیدھی راہ کی طرف چلایا جس طرف اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ان کو چلایا تھا اسی طرف اور اسی طرح چلتے تھے۔

(۸) اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی۔ یعنی دنیا میں ہم نے ان کو رسالت اور خلت اور صدق گفتار اور ذکر جمیل اور قبول عام دیا کہ کل اہل ادیان ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ان کو خیر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں یہ خوبی اور بھلائی دی کہ ان کے بیٹے اور پوتے بھی نبی ہوئے (۹) اور بے شک ابراہیم علیہ السلام آخرت میں بڑے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ جو درجات عالیہ کے سزاوار ہیں۔

(۱۰) پھر من جملہ فضائل ابراہیمی کے یہ ہے کہ اے نبی کریم ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کا اتباع کریں جو حنیف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

یہ امر بھی حضرت ابراہیم کے فضائل میں سے ہے کہ خاتم الانبیاء اور سید الاولین والآخرین کو آپ کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اگر ملت ابراہیمی صحیح اور درست نہ ہوتی تو افضل الانبیاء کو اس کے اتباع کا حکم نہ ہوتا۔ آخر کو اوّل کے ساتھ نسبت اور وابستگی ہوتی ہے۔ توحید خالص اور اسلام یعنی اللہ کے سامنے گردن اطاعت ڈال دینا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینا۔ اس کی ابتداء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی جس کی وجہ سے ان کو دنیا اور آخرت میں نیکی اور بھلائی ملی، اب اسی تحریک کی انتہا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور جو اصول اور عقائد اور قواعد کلیہ درباره حلال وحرام ملت ابراہیمی میں تھے وہ آخری ملت یعنی شریعت محمدیہ میں باقی رکھے گئے درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض خصوصی احکام دیئے گئے آخر میں دعاء ابراہیمی کے مطابق رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے تو ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کر دیا تاکہ توحید خالص اور اسلام یعنی خدا وند ذو الجلال کی فرماں برداری از سر نو زندہ ہو جائے اور شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے چنانچہ شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں۔ "یعنی حلال وحرام میں اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے عرب کے لوگ آپ کو حنیف کہتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اس کی راہ پر نہیں اللہ نے ابراہیم کو دنیا کی خوبی اور آسودگی اور قبولیت سارے جہاں میں دی تھی درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو موافق ان کے حال کے اور حکم بھی ہوئے آخر پیغمبر بھی اسی ملت پر آئے" (انتہیٰ) لہٰذا اے مشرکین عرب تم کو چاہیئے کہ اس برگزیدہ نبی کا اتباع کرو کیونکہ اسی نبی کا راستہ وہی ہے جس کے اتباع کا تم دعویٰ کرتے ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ افضل الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں اور نبوت و رسالت کے تمام فضائل وکمالات کے جامع ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین کے اقتداء کا حکم دیا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ اور مطلب یہ تھا کہ دعوت اور تبلیغ میں ان کے طریقے پر چلے اسی طرح ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ کا مطلب سمجھے کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ توحید اور ابطال شرک میں ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کیجئے اور ملت ابراہیمی بھی خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ آپ نبوت و رسالت اور ملت وشریعت میں حضرت ابراہیمؑ کے تابع نہ تھے بلکہ مستقل نبی اور رسول تھے آپ ایسے نہ تھے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل توریت اور شریعت موسویہ کے تابع تھے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء سابقین کی شریعتوں کے بعض احکام کو ذکر فرمایا ہے اور توریت و انجیل کے بھی بعض احکام کا قرآن کریم میں

ذکر ہے اور آپ نے ان پر عمل بھی فرمایا ہے لیکن آپ کا یہ عمل اس بنا پر نہ تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ شریعت موسویہ کے تابع تھے بلکہ بحکم خداوندی اور باتباع وحی الٰہی تھا بلا واسطہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبرئیل امین اللہ کا پیغام اور اس کے احکام لے کر آپ پر نازل ہوتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کا اتباع وحی ربانی اور حکم خداوندی کی بناء پر تھا مگر اس بناء پر کہ آپ مستقل نبی اور مستقل رسول نہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھے آپ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور اکمل تھے اور بحکم خداوندی انبیاء سابقین کے طریقہ پر چلتے تھے آپ کسی کے تابع نہ تھے بلکہ حکم خداوندی کے تابع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے اتباع اور اقتداء کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ سب کے بعد مبعوث ہوئے تاکہ اس وجہ سے کہ آپ دیگر انبیاء سے فضیلت اور جو خوبیاں کہ تھیں آپ تو اللہ کے نزدیک اکرم الاولین والآخرین ہیں اور سب سے اکمل اور افضل ہیں اور فضیلت میں آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور اکمل ہے۔ ؎

تو اصل وجودی طفیل تو اند ۔۔۔ تو شاہی و جملہ طفیل تو اند

ایک اشکال اور اس کے تین جواب ۱؎

اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ملت ابراہیمی اور ملت محمدیہ کیا اصول و فروع میں دونوں ملتیں متحد اور متفق ہیں اور دونوں اعتبار سے یعنی اصول کے اعتبار سے بھی اور فروع کے اعتبار سے بھی باہم ایک دوسرے کا عین ہیں یا فقط اصول دین میں دونوں ملتیں متحد ہیں یعنی توحید اور نبوت اور معاد میں تو متفق ہیں مگر فروع میں مختلف ہیں۔

پس اگر شق اول کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں (ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) اصول و فروع دونوں میں ——— متفق اور متحد ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ نہ ہوں بلکہ آپ کی شان انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہو کہ جو شریعت موسویہ کی تجدید اور ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ بھی ملت ابراہیمیہ کی تجدید اور ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور یہ امر ظاہر البطلان ہے

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں اصول دین میں تو متحد ہیں اور فروع میں مختلف ہیں تو اس صورت میں یہ اشکال لازم آتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ آپ کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اصول دین میں تو انبیاء کرام کی تمام شریعتیں اور ملتیں متحد و متفق ہیں دین تمام انبیاء کا ایک ہے اور شریعت ہر ایک کی جدا ہے کما قال تعالیٰ

۱؎ یہ اشکال اور جواب اول اور جواب دوم تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہیں اور جواب سوم تفسیر کبیر وغیرہ سے ماخوذ ہے ——— ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ پس اس اعتبار سے تو یہود کی اور نصاریٰ بھی ملت ابراہیمی کے متبع ہیں مسلمانوں کی کیا خصوصیت۔ اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

جواب اول ہر شریعت میں تین باتیں ہیں۔
اول یہ اصول و عقائد۔ یعنی خدا کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور انبیاء و رسل کو حق سمجھنا اور قیامت کو حق جاننا۔

دوم، قواعد کلیہ۔ جو احکام جزئیہ اور مسائل فرعیہ کا ماخذ ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں انہی کلیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

سوم، فروع اور مسائل جزئیہ اور احکام فرعیہ۔

قسم اول کا نام دین ہے جو تمام انبیاء کرام میں مشترک ہے اس میں زمانہ کے اختلاف سے کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا نہ اس میں نسخ واقع ہو سکتا ہے اس لیے کہ عقائد اور اصول دین از قبیل خبر ہیں کہ اللہ ایک ہے اور قیامت برحق ہے اور خبر میں مطلقاً نسخ جاری نہیں ہو سکتا ورنہ خبر کا کاذب ہونا لازم آئے گا۔ نسخ صرف انشاء یعنی حکم اور امر و نہی میں جاری ہوتا ہے۔

اور قسم ثانی کا نام ملت ہے یعنی ملت ان اصول اور قواعد کلیہ کا نام ہے جن پر احکام جزئیہ کا مدار ہے اور مجموعۂ اعتقادیات اور اصول کلیات اور فروع جزئیات کا نام شریعت ہے جو ہر رسول کی جدا اور الگ ہے۔

پس ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق اور اتحاد انہی اصول اور کلیات میں مراد ہے جن پر احکام جزئیہ کی بنا ہے باقی رہی شریعت۔ سو ہماری شریعت سب شریعتوں سے جدا اور الگ ہے اور مستقل ہے۔ اور دونوں ملتوں کے توافق کے معنی یہ ہیں کہ ملت ابراہیمی کے اصول اور قواعد کلیہ شریعت محمدیہ میں تمام و کمال موجود ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت نہیں اگر بعض فروع مستحبہ اور احکام جزئیہ میں بحسب مصلحت زمانہ کچھ فرق آگیا تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ اصول احکام اور قواعد کلیہ میں متفق ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہماری شریعت اور ہمارا دین و آئین بعینہ وہی دین و آئین ہے اور وہی شریعت ہے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اس لیے کہ شریعت اور دین و آئین میں لحاظ فروع اور جزئیات کا بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت ابراہیمی کے تمام فروعات اور جزئیات بعینہ شریعت محمدیہ میں محفوظ نہیں۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ملت اور شریعت میں فرق ہے اتحاد اور اتفاق باعتبار ملت کے ہے نہ کہ باعتبار شریعت کے۔ ملت (یعنی اصول و احکام) اور قواعد کلیہ کے اعتبار سے دونوں ملتیں (یعنی ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) باہم متوافق اور متحد ہیں اور شریعت کے اعتبار سے دونوں ملتیں جدا جدا ہیں اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔

کا اضافہ ہوا۔

الغرض شریعت محمدیہ ملت ابراہیمیہ کے تقریباً تمام اصول اور احکام بعینہ باقی رہے گو کہ شریعت محمدیہ شریعت ابراہیمیہ کا خلاصہ تھی جو تقسیمات ان کو اپنے بعد میں جدید ہو گئے ہیں مگر متوارث قرنہا قرن کی وجہ سے ملت ابراہیمی کے تمام احکام بالکل مندرس ہو چکے تھے حتیٰ کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا سوائے جدید وحی کے ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پس حق جل شانہ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جدید وحی کے ذریعے سے ملت ابراہیمیہ کے احکام پر مطلع کیا اسی لیے آپ صاحب شریعت جدیدہ کہلائے۔ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس شریعت کے احکام جدید ہوں کہ جو اس سے پہلے نازل نہ ہوئے ہوں بلکہ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا نزول جدید ہوا اور از سر نو عالم غیب سے اس کی تلقی ہوئی ہو۔ اسی وجہ سے حضرت یوشع اور حضرت عزیر علیہما السلام کو صاحب کتاب جدید اور صاحب شریعت جدیدہ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ شریعت موسویہ اصل میں موجود اور محفوظ تھی۔ از سر نو عالم غیب سے جدید وحی جدید کی کا نزول نہ ہوا تھا اور توریت ان سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور انبیاء بنی اسرائیل پہ مسلسل احکام توراۃ کے دوستی احکام بذریعہ وحی جدید نازل نہیں ہوتے تھے سابق وحی کے تابع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سابق وحی کے تابع نہ تھے، عالم غیب سے ہر وقت جدید وحی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ صاحب شریعت جدیدہ ہوئے اور خاتم الانبیاء اور ناسخ الادیان ہوئے۔ جس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت میں جب کسی کو جدید وزیر اعظم اور مدار المہام بنایا جاتا ہے تو اس وقت کے مناسب اس کو جدید آئین اور نئے قوانین دیئے جاتے ہیں اور اگر مثلاً کسی کو وزیر اعظم بنائے اور اس کو یہ حکم دے کہ تم موجودہ آئین اور قانون کو منسوخ سمجھو اور تم سے بیس سال پہلے فلاں وزیر کے زمانہ میں جو دستور بادشاہی بارگاہ سے عطا ہوا تھا اس کا اتباع کرو اور طریق پر چلو تو اس حکم کے یہ معنی نہیں کہ یہ وزیر مستقل وزیر نہیں پہلے وزیر کا تابع اور ماتحت ہے بلکہ یہ جدید وزیر بلاشبہ مستقل وزیر ہے حکم شاہی کا متبع ہے بلا واسطہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ حکم ملا سابق وزیر کو جو دستور اور آئین عطا ہوا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے عطا ہوا تھا اب حکومت کی مصلحت یہ ہے کہ موجودہ آئین کو منسوخ کر دیا جائے اور گزشتہ آئین اور دستور کو جاری اور نافذ کیا جائے لہٰذا یہ جدید وزیر گزشتہ آئین کے اتباع کی وجہ سے سابق وزیر کا متبع نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ حکم شاہی کا متبع سمجھا جائے گا۔

جواب سوم ملت ابراہیمیہ کے اتباع سے مراد یہ ہے کہ توحید اور صراط مستقیم اور دین اسلام کی دعوت اور تبلیغ اور کفار سے مجادلہ اور مناظرہ میں اور کفر و شرک سے تبری اور بیزاری میں اور مکارم اخلاق یعنی رضا و تسلیم اور صبر و شکر میں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیجئے کہ نرمی کے ساتھ لوگوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیجئے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح دلائل اور براہین قاطعہ سے کفر اور شرک اور نجوم اور کہانت کا ابطال فرمایئے اور شعائر اسلام جیسے استقبال کعبہ اور حجر کی تعظیم اور ختنہ اور غسل اور مناسک حج کو صحیح طریقہ سے جاری فرمایئے اور ملت ابراہیمیہ میں جن مشرکانہ رسوم

کی آمیزش ہو گئی ان سے ملت ابراہیمی کو پاک و صاف کر دیجئے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دعاء ابراہیمی کی اجابت کا ثمرہ ہے جو بناء کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ابوالعالیہؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا کہ اے ابراہیمؑ تیری دعا قبول ہوئی۔ اس شان کا نبی آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے۔ انا دعوۃ ابی ابراھیم، یعنی میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ اسی لیے نبی آخرالزماںؐ کو ابراہیم خلیلؑ کی ملت کے اتباع کا حکم آیا جن کی دعا سے یہ نبی آخرالزماںؐ ظاہر و مبعوث ہوا یہاں تک تو مشرکین عرب کا رد ہوا جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا متبع بتلاتے تھے اب آگے یہود کا رد ہے کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ شریعت محمدیہ میں تو عبادت کے لیے جمعہ کا دن اختیار کیا گیا اور ملت ابراہیم میں تو ہفتہ کا دن تھا، پس ملت ابراہیمؑ کی پیروی کہاں رہی جس کے آپ مدعی ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں ہفتہ کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر دی۔ اس کی جگہ جمعہ مقرر کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے ابراہیمؑ ہفتہ کی تعظیم نہیں فرماتے تھے۔ جزا این نیست کہ ہفتہ کی تعظیم اور اس دن شکار کی تحریم صرف ان لوگوں پر لازم کر دی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اور نہ اس امت میں ہے البتہ درمیان میں جن لوگوں نے یعنی یہود نے اس بارہ میں بحث کی اور حکم خداوندی اور ارشاد پیغمبری سے اختلاف کیا اور بجائے جمعہ کے ہفتہ کا دن منتخب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا اس دن کی تعظیم کیا کرو اور بطور آزمائش ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو یہ حکم بھی کسی نے نہ مانا۔ بالآخر نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے باقی آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یوم سبت کی تعظیم کا حکم حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں نہ تھا حضرت ابراہیمؑ کے ایک زمانہ دراز کے بعد فقط یہود پر ہوا۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جمعہ کے دن مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا اس لیے اس دن کو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی اور جس روز کو کہ انہوں نے اپنے لیے پسند کیا اسی پر ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی امت کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا انہوں نے ان کا حکم نہ مانا اور یہ کہا کہ تخلیق عالم کی ابتداء یکشنبہ سے ہوئی ہے اس لیے ہم اتوار کے دن کو تعظیم کا دن بنائیں گے خدا تعالیٰ نے ان پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی۔ غرض یہ کہ یہود و نصاریٰ نے جو چیز اپنے لیے پسند کی اللہ نے وہی چیز ان پر لازم

اور مقرر کر دی پھر جب نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا۔ سب نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا۔ اور کچھ اختلاف نہ کیا بہرحال ہر نبی نے جمعہ کے دن جمع ہو کر اللہ کی عبادت کو مقرر کیا ان کی امتوں نے اختلاف کر کے دوسرا دن بدل لیا اللہ کریم نے پھر وہی دن ان پر لازم کر دیا جو دن اس نے اپنی رائے سے اختیار کیا۔ سبب یہ ہے کہ ابراہیم میں جو دن مقرر ہوا تھا۔ یہ دن تو ایک مدت دراز کے بعد ان یہود پر مقرر ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے یہ دن اپنے لیے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اچھا یہی دن سہی اور ان پر سختی کر دی گئی کہ اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام کر دیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا اور بے شک تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں یہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ اس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر جب کہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ نبی کے حکم سے اختلاف نہ کریں۔

اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیں اور نیک طریقہ سے ان کو ہدایت کریں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔ تیرا رب

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

بہتر جانتا ہے جو بھولا اس کی راہ سے اور وہی بہتر

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ

جانتا ہے جو راہ پر ہیں۔ اور اگر بدلہ دو تو بدلہ دو اسی قدر جتنی تم کو

مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

تکلیف پہنچی اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے

لِلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ

صبر والوں کو ۔ اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے

لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

اور ان پر غم نہ کھا ۔ اور مت خفا رہ ان کے فریب

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

سے ۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں۔

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور جو نیکی کرتے رہیں ۔

آدابِ دعوت و تبلیغ

قال اللہ تعالیٰ۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ..... الی ..... وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم تھا اور اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت ملت ابراہیمی کا مقصود اصلی اور اولی تھا۔ اب ان آیات میں دعوت اسلام اور تبلیغ کے آداب بتلاتے ہیں کہ وعظ ونصیحت اور تبلیغ و دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے یعنی حکمت اور موعظت اور مجادلہ حسنہ کو ملحوظ رکھیں اور اگر کفار کی طرف سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے تو اگرچہ انتقام جائز ہے لیکن اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے متقین اور محسنین سے اپنی معیت خاصہ کا وعدہ فرمایا ہے اور صبر اور تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص اور رضا پر حق ہی فلاح اور کامیابی کی کنجی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی دعوت دے اور بلا اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم و حکمت کی باتوں کے ساتھ یعنی محکم دلائل کے ساتھ جیسے ابراہیم نے محکم دلائل سے شمس و قمر اور کواکب کی الوہیت کو باطل کیا اور خدا کی توحید کی دعوت دی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ یعنی نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ان کو حق کی دعوت دو جس سے مقصود ان کی خیرخواہی ہو نہ کہ فضیحت۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی یٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا الی آخرھا۔ یہ سب عمدہ نصیحت بھی تھی اور علم و حکمت کی باتیں بھی تھیں اور اگر بحث و مباحثہ آپڑے تو نہایت عمدہ طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ کرو۔

یعنی ان پر ایسے طریقے سے حجت اور الزام قائم کرو جس میں خشونت اور سختی نہ ہو جس سے وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں کہا فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ نمرود اس حجت الزامیہ کو سن کر مبہوت ہو گیا۔ پس اگر آپ نے ایسا کر لیا تو دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا ہو گیا اب آپ اس فکر میں نہ پڑئیے کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بہکا اور دعوت سراپا حکمت اور حسن موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود باطل سے حق کی طرف نہ آیا اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا وسزا دے گا۔ تیرا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے اور اگر دعوت وتبلیغ کی راہ میں تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں تو تم اپنا بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم ان کی طرف سے ستائے گئے ہو اور عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بمقدار ظلم بدلہ لے لو مگر زیادتی نہ کرو یہ رخصت اور اجازت ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا صابروں کے حق میں بہتر ہے۔ یہ درجہ عزیمت کا ہے کہ جو تمہیں ستائے اس کا قصور معاف کر دو اور اگر اس پر تمہارا دل آمادہ نہ ہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اس سے بڑھ کر حسن اخلاق کی تعلیم نہیں ہو سکتی اگر برابر برابر بدلہ لے لیا تو یہ عدل وانصاف ہوا اور اگر معاف کر دیا تو یہ احسان ہو گا اور صبر اگرچہ اوروں کے حق میں واجب اور لازم نہیں۔ مگر اے نبی! آپ پر صبر لازم ہے۔

آپ ضرور صبر کیجئے اور آپ کا صبر خاص خدا کی تائید اور توفیق سے ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تسلی رکھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس صبر میں کوئی دشواری نہ ہوگی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکروفریب سے تنگ دل ہوں۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفت تقویٰ اور صفت احسان کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

اور اللہ کا وعدہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص رحمت اور حمایت سے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور مخلص نیکوکار ہیں جس درجہ کا تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص ہوگا اسی درجہ کی معیت اور اعانت غیبی اس کے ساتھ ہوگی تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی اس طرح کرے گویا وہ خدا جل شانہ کو دیکھ رہا ہے اور معیت سے معیت خاصہ مراد ہے یعنی نصرت وحمایت وتائید وتقویت، کما قال اللہ تعالیٰ لَا تَخَافَا اِنَّنِيْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰى ۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ ان آیات میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ میں معیت سے مراد معیت عامہ ہے یعنی احاطہ علمی مراد ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الاسراء یعنی سورۃ بنی اسرائیل

سورۂ بنی اسرائیل جس کو سورۂ اسراء بھی کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اور چونکہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء اور معراج کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر دو آیتیں ایک وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ... الخ .... وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا اور دوسری آیت وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ۔

ربط: گزشتہ سورت میں زیادہ تر دلائل توحید کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر دلائل نبوت اور اقسام شریعت کا بیان ہے نیز گزشتہ سورت کے آخر میں اہل سبت کی تعدی اور زیادتی کا ذکر تھا اور اس سورت کے آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ متنبہ ہو جائیں اور اپنا انجام سوچتے رہیں بلکہ بعض نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور علاقوں کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

÷ ÷ ÷

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات ادب والی

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهُ

مسجد سے پرلی مسجد تک، جس جا ہم نے خوبیاں رکھی ہیں

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١﴾

کہ دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سنتا دیکھتا

ذکر کرامت اسراء ومعراج بہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ..... الیٰ ..... اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

گزشتہ سورت کے ختم پر صبر کی فضیلت بیان فرمائی کما قال تعالیٰ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ اور اہل صبر اور اہل تقویٰ کے لیے اپنی معیت اور قرب کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اس لیے اب اس سورت کا آغاز واقعہ معراج کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سال ہوشربا مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا گویا مسلسل دس سال کے صبر کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت وکرامت و رفعت وبلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ لعنت افتد برو دستش کنند ⁂ خوشہ چوں سر بر کشد بستش کنند

حق جل شانہ نے آپ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور وہاں کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اور صبر جمیل پر جس معیت سراپا خیر وبرکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا اور اپنے قرب خاص سے آپ کو نوازا کما قال تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔ اور اس خارق عادت واقعہ کو آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنایا اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں اہل مکہ کو تنبیہ کر دیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب واحباب کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی القبلتین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اسی وعدۂ معیت کا اظہار ہے جس کا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

اور چونکہ ایک رات میں عروج ونزول اور سیر ملکوت خداوند کریم کی قدرت وعظمت کا ایک کرشمہ تھا اس لیے اس کو تسبیح اور تنزیہ سے شروع

کیا گیا تاکہ کوئی ملحد اور زندیق اس سیر ملکوت کو قدرت خداوندی سے خارج نہ سمجھے اور چونکہ کفار نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا اس لیے منکرین اور معاندین کی تہدید کے لیے قوم نوح کے غرق کی طرف اشارہ فرمایا اور بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کا قصہ ذکر فرمایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے معاندین کو سزا دی اسی طرح وہ اب بھی معاندوں کو سزا دینے پر قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں

پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک سیر کرائی ایسی مسجد جس کے گرد اگرد ہم نے دینی اور دنیوی برکتیں رکھی ہیں دینی برکت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء کرامؑ کا مولد و مسکن اور ان کا مدفن ہے جس پر پیہم انبیاء اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور فرشتوں کا نزول ہوتا تھا اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہ زمین چشموں اور نہروں اور میووں اور درختوں سے مالا مال ہے تو ہم اپنے خاص بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ لے گئے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں مکہ معظمہ سے براق پر سوار ہو کر ملک شام پہنچ گئے اور مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرامؑ سے ملاقات فرمائی اور ان کی امامت فرمائی پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور بیت معمور اور سدرۃ المنتہیٰ پہنچے بلکہ اس سے بھی اوپر تاکہ اس آسمانی سیر سے آپ کی کرامت اور علو مرتبت ظاہر ہو اور لوگوں کے سامنے آپ کی نبوت و رسالت واضح طور پر ثابت ہو جائے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی وہ اپنے نبی کے پاکیزہ اقوال کو سنتا ہے اور اس کے پسندیدہ افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اس کا اکرام ہوتا ہے اور فرش سے لے کر عرش تک اس کو اپنے عجائب ملکوت کا مشاہدہ کراتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے احوال دیکھتا ہے ان کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا خاص برگزیدہ اور مقرب بندہ اللہ کی نشانیوں کو اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اللہ کے کان سے سنتا ہے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مقرب بندہ کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (آخر الحدیث) اس حدیث کو امام بخاریؒ نے جامع صحیح کی کتاب الرقاق باب التواضع میں ذکر کیا ہے معاذ اللہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا بندہ کا عین بن جاتا ہے بلکہ اس سے مقام قرب اور مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مقام قرب میں اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ بظاہر اگرچہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اپنے کان سے سن رہا ہے مگر در پردہ تائید غیبی کارفرما ہے کما قال تعالیٰ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کان سے وہ سنا جو اللہ نے سنایا اور آنکھ سے وہ دیکھا جو اللہ نے دکھایا

چوں در مکتب بے نشانی رسید چہ گویم کہ آں جا چہ دید و شنید

ورق در نوشتند و ختم سبق ؎ شنیدن بحق بود و دیدن بحق

ف ۱۱ حق جل شانہ نے اس آیت میں واقعہ معراج کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اس سے زیادہ وضاحت سورۂ نجم میں ہے اور احادیث میں اس کی پوری تفصیل ہے حق تعالیٰ نے جہاں جس قدر بیان کرنا مناسب جانا اسی قدر بیان کر دیا اختصار و مزید بیان کی فکر نہیں کرنا۔

ف ۱۲ بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اقصیٰ کے معنی دور تر کے ہیں اور مسجد بیت المقدس خانہ کعبہ سے بہت دور ہے اور زمانہ نزول وحی میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی مسجد نہ تھی اور روئے زمین پر اس وقت مسجد اقصیٰ سے زیادہ کوئی مسجد دور نہ تھی۔

ف ۱۳ علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسرا کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتویں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ پر لفظ اسراء یا لفظ معراج کا بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے اسراء رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیلاً کا لفظ اس کے بعد صرف اس لیے لایا گیا کہ پوری رات اس سفر میں صرف نہ ہوئی بلکہ اس کا ایک قلیل حصہ صرف ہوا۔

ف ۱۴ اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو اپنے عجائب قدرت دکھلائے اگرچہ یہ عالم بھی عجیب ہے مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم و گمان سے بالا اور برتر ہیں آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورۂ نجم کی آیات سے ظاہر ہے لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔

ف ۱۵ حق تعالیٰ نے اس ذکر کو لفظ "سبحان" سے شروع کیا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقص اور عجز سے پاک ہے اس کو ایک رات میں اپنے بندہ کا مکہ سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں جو لوگ اس کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ خدا کو عجز اور نقص کا عیب لگاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہر عیب سے منزہ اور پاک ہے۔

ف ۱۶ صحابہ و تابعین اور علماء ربانیین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پرنور کو یہ معراج بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث کثیرہ و شہیرہ سے ثابت ہے کہ جن کا انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے اس درجہ کثیر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن کا انکار نا ممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نہیں متواترات کا انکار کفر ہے اور نصوص قطعیات میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل سنت کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ بیداری کی حالت میں بجسدہ العنصری آسمانوں پر تشریف لے گئے

سلف اور خلف اور جمہور فقہاء و محدثین و متکلمین اور صوفیہ سے کرام اور اولیاء عظام سب کا یہی قول ہے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف جو یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ معراج کو بحالت منام (نیند) ایک عجیب و غریب خواب مانتے تھے صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

فائدہ ظاہر قرآن سے بھی یہی مفہوم اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آسمانوں پر تشریف لے گئے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے عبد (بندہ) کو آیت میں لفظ عبد واقع ہے جس کا ترجمہ بندہ ہے جو مجموعہ روح و جسد کا نام ہے اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح نہیں قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى یعنی کیا تو نے ابوجہل کو بھی دیکھا ہے جو اس خاص بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے سے روکتا ہے ظاہر ہے کہ اس آیت میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نہ کہ صرف روح کیونکہ ابوجہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا یعنی جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو قرآن سننے کے لیے اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں ظاہر ہے کہ صرف حضرت کی روح نماز پڑھنے کے لیے کھڑی نہیں ہوتی تھی نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا اس آیت میں بھی عبد سے مراد زکریا علیہ السلام کی روح اور جسد دونوں ہیں غرض یہ کہ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں کثیر ہیں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نیز حق جل شانہ نے اس واقعہ کے بیان کو تسبیح و تنزیہ سے شروع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح امر عظیم اور امر عجیب کے وقت ہوتی ہے خواب جیسے معمولی واقعہ کے لیے ایسا عظیم عنوان کبھی استعمال نہیں ہوتا کیونکہ خواب کوئی ایسی بڑی بات نہیں جس کے لیے تسبیح کا عنوان کیا جائے۔

(۲) نیز اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ بحالت بیداری اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندہ کو بحالت خواب یا محض روحانی طور پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا تو پھر فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا میں یہ معنی لینے ممکن ہوں گے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ اس آیت میں لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ رات کے حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ اور ظاہر ہے کہ بیداری میں لے جانا مراد ہے خواب میں لے جانا کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں۔

(۳) نیز لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسراء سے مقصود آیات قدرت کا مشاہدہ کرانا تھا کہ بحالت بیداری ان چشم سر سے عجائب قدرت کو دیکھیں روحانی طور پر یا بحالت خواب

دکھانا مراد نہیں بلکہ جسمانی طور پر دکھلانا مراد ہے۔ اور سورۂ نجم میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا نیز سورۂ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیات کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیات کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔

(۴) نیز متواتر منقول ہے کہ جب آپ نے واقعہ اسراء و معراج کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو کافروں نے اس کو محال جانا اور آپ کی تکذیب کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خواب کے مدعی نہ تھے اگر آپ خواب کے مدعی ہوتے تو کافروں کے جھٹلانے کے کوئی معنی نہ تھے خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے کیا عرب کے کافر ایسے بیوقوف اور نادان تھے جو یہ کہتے تھے کہ خواب میں بھی بیت المقدس اور آسمانوں پر جانا محال ہے۔

(۵) نیز احادیث میں ہے کہ مشرکین نے اس واقعہ کو سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اڑایا اور تالیاں بجائیں، بیت المقدس کی علامات دریافت کیں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کر دیا آپ نے اس کو دیکھ دیکھ کر ان کی باتوں کا جواب دیا اگر یہ واقعہ کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین آپ سے بیت المقدس کی علامتیں نہ پوچھتے خواب بیان کرنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ مذاق اڑاتا ہے ایسے موقع پر کسی کا تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور اور مخالف کی ذلت کی علامت ہوتا ہے وہ کامیابی دو ہی باتیں سمجھتے تھے کہ آپ کا جھوٹ ثابت کر دیں اور یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ بیداری کا ہو اور امتحان کے وقت میں جانب اللہ بیت المقدس کا سامنے کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ معراج کا واقعہ کشفی نہ تھا بلکہ واقعہ بیداری کا ہے۔

(۶) نیز اگر واقعہ اسراء و معراج کوئی خواب ہوتا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جاکر واپس آسکتا ہے۔

(۷) نیز مستدرک حاکم میں باسناد صحیح اور امام بیہقیؒ کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جاکر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے جاکر کہا کہ تمہیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے آپ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ابوبکرؓ نے کہا کیا واقعی آپ نے یہ بات کہی ہے لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دور ہیں اور ایسے از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ جلد ۳ و تفسیر در منثور ص ۱۵۵ جلد ۴ و خصائص کبریٰ ص ۱۷۶ جلد ۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ سننے والے نے اس واقعہ کو بیداری کا واقعہ سمجھا اسی بناء پر بعض لوگ مرتد ہوگئے اور ابو جہل اور قریش نے اس واقعہ کو محال سمجھ کر آپ کا مذاق اڑایا اور اسی کی تصدیق پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقب صدیق ہوئے اور یہ سب باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب کہ آپ کا دعویٰ معراج جسمانی بحالت بیداری ہو خواب میں مکہ سے بیت المقدس جانا اور صبح کو مکہ واپس آجانا کسی عاقل کے نزدیک بھی محال اور ناممکن نہیں تھی تو بھی ایسا خواب تو کافر بھی دیکھ سکتا ہے اور خواب میں کرے اختلاف و ارتداد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور ایسی خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب ملنے کی بھی کوئی وجہ نہیں پس معلوم ہوا کہ جس معراج کی ابوجہل اور کفار نے تکذیب کی اور جس کی ابوبکر صدیق نے تصدیق کی تھی وہ جسمانی ہی تھا پھر جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود دیکھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہیں کس طرح درست اور صحیح ہو سکتا ہے۔

نیز عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں حضرات اس بات کے قائل تھے کہ واقعہ معراج جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا مگر ان دونوں حضرات کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے کہ نہیں عبداللہ بن عباسؓ شب معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے کہ حضور پر نور نے اس شب میں اپنے رب اکرم کو بچشم سر دیکھا اور عبداللہ بن مسعودؓ اس کے منکر تھے اور ابن مسعودؓ کی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی شب معراج میں رؤیت باری کی منکر تھیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح عائشہ صدیقہؓ بھی معراج جسمانی کی قائل تھیں صرف رؤیت کی منکر تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا دیگر صحابہ کرامؓ سے اختلاف معراج کی جسمانیت و بحالت بیداری ہونے میں نہ تھا مگر اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ حضور پر نور اس سیر ملکوتی میں بچشم سر دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بحالت خواب حق تعالیٰ کا دیدار بالاجماع جائز ہے معراج جسمانی ہونے کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کا کوئی اختلاف نہیں بالفرض اگر کوئی اختلاف ہوتا تو وہ اختلاف کسی پر مخفی نہ رہتا سب کو معلوم ہوتا جن مسائل میں صحابہ کرامؓ کا ایک دوسرے سے مناظرہ یا کوئی مباحثہ ہوا جیسے سماع موتیٰ، بکاء میت اور وغیرہ میں تو وہ ضرور منقول ہوتا اسی طرح اگر مسئلہ معراج کے متعلق صحابہ و تابعین میں کوئی اختلاف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ ناممکن تھا کہ اگر صحابہ میں سے کوئی معراج جسمانی کا منکر ہوتا تو دوسرے صحابہ کرام جو معراج جسمانی کے قائل تھے وہ ان سے مناظرہ نہ کرتے غرض یہ کہ حضرت عائشہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں بالکل غلط ہے جو لوگ معراج کو روحانی یا خواب قرار دیتے ہیں اور معراج کے منکر ہیں وہ اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام لیتے ہیں اور بطور استدلال یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اللہ اسریٰ بروحہ

بعض شب معراج میں میرے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے آپ کی روح کو سیر کرائی۔

جواب یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن دحیہؒ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اس کو وضع کیا ہے۔

(زرقانی شرح مواہب ص ۳ جلد ۶)[1]

علاوہ ازیں اس روایت کا صحیح ہونا نہایت دشوار ہے کیونکہ واقعہ معراج بالاجماع ہجرت سے ایک سال یا پانچ سال پہلے کا ہے، اس وقت اگر عائشہ صدیقہؓ پیدا بھی ہو چکی تھیں لیکن شعور کو نہ پہنچی تھیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں جیسا کہ ان سے پہلے گزر چکا ہے اس کی نسبت وہ کیسے فرما سکتی ہیں کہ آپ کا جسم موجود تھا یا غائب تھا لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ میں نے نبی کریمؐ کے جسم کو اپنے پاس سے مفقود اور غائب نہیں پایا کیسے صحیح ہو سکتا ہے خاص کر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ خود یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب واقعہ معراج بیان کیا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور ابوبکرؓ کا بوجہ تصدیق کے صدیق کا لقب ملا اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک یہ معراج جسمانی نہ ہوتی تو اس بات کی تصریح فرما دیتیں کہ ارتداد اور استبعاد کی کیا ضرورت ہے، خواب تو خواب ہے یا روحانی واقعہ ہے کفار نے غلط سمجھ کر خواہ مخواہ آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث جس میں تکذیب اور لوگوں کا مرتد ہونا اور تصدیق کی وجہ سے ابوبکر صدیقؓ کو صدیق کا لقب ملنا مذکور ہو، یہ حدیث مرفوع اور صحیح ہے اور عدم فقدان جسد والی روایت موقوف اور غیر صحیح ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رؤیت بصری سے انکار اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معراج جسمانی کی قائل تھیں ورنہ خواب میں دیدار خداوندی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں منامی اور روحانی رؤیت کا انکار غیر معقول ہے اس لیے کہ رؤیت باری تعالیٰ خواب میں یا روحانی طور پر عقلاً و نقلاً جائز ہے معاذ اللہ کیا حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خواب میں بھی دیدار خداوندی اور رؤیت باری تعالیٰ کو جائز نہیں سمجھتی تھیں اور اگر بفرض محال حضرت عائشہؓ کے اس قول کو صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ یہ قول بے شمار احادیث صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول

---

[1] علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں حدیثها هذا ليس بثابت عنها لما فيه من العلة القادحة وفي سنده من الانقطاع وراو مجهول وقال ابن دحية في التنوير انه حديث موضوع عليها وقال في معراجه الصغير قال امام الشافعية ابو العباس بن سريج هذا حديث لا يصح وانما وضع ردا للحديث الصحيح (زرقانی شرح مواہب ص ۶ جلد ۶)

نہیں

ہو گا (شرح شفاء قاضی عیاض فی فصل الاسراء للقاری ص ۱۴۶)

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء و معراج کے لیے لینے آئے تو آپ اس وقت ام ہانی کے گھر میں تھے فرشتے آپ کو ام ہانی کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے معجم طبرانی میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قالت بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ فی بیتی ففقدتہ من اللیل فامتنع منی النوم مخافۃ ان یکون عرض لہ بعض قریش فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جبریل اتانی فاخذ بیدی فاخرجنی الیٰ [illegible]

(خصائص کبریٰ للسیوطی ص ۱۷۶ ج ۱)

ام ہانی کہتی ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے درمیان شب کے میں نے آپ کو دیکھا تو آپ گھر میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا کہ آپ باہر تشریف لے گئے ہیں مبادا قریش میں کا کوئی دشمن آپ سے کچھ تعرض نہ کر گیا ہو (جب صبح ہوئی اور آپ گھر تشریف لائے اور آپ سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی) تو آپ نے مجھ سے اسراء اور معراج کا واقعہ بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔

(دیکھو خصائص کبریٰ ص ۱۷۶ ج ۱ و تفسیر در منثور ص ۱۴۹ جلد ۴)

ام ہانی کی روایت کا یہ لفظ فقدتہ من اللیل یعنی اس رات میں نے آپ کو گھر سے غائب پایا ام ہانی کا یہ لفظ عائشہ صدیقہ کی روایت کے لفظ ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح معارض اور منافی ہے لہٰذا بوقت تعارض ترجیح ام ہانی کی روایت کو ہو گی اس لیے کہ معراج کا آغاز ام ہانی کے گھر سے ہوا اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ ام ہانی کے گھر میں ہوئی اور حضرت عائشہ اس وقت کمسن تھیں اور بعض اقوال کی بنا پر تو اسراء و معراج حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے کا ہے اس لیے اگر بالفرض عائشہ صدیقہ کی روایت صحیح بھی ہو تو ام ہانی کی روایت کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ ام ہانی تو اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں اور عائشہ صدیقہ واقعہ معراج کے وقت آپ کے نکاح میں نہ تھیں نیز حضرت عائشہ سے خود ایک روایت ام ہانی کی روایت کے موافق آئی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے غائب تھے چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن عساکر نے حدیث معراج کو عبداللہ بن عمرو اور ام سلمہ اور عائشہ صدیقہ اور ام ہانی اور عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اور اس طویل اور مفصل حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔

ففقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ فتفرقت بنو

اور ایک روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ این کنت یا رسول اللہ فقد طلبتک
ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج رات آپ کہاں تھے جہاں جہاں گمان اور خیال کیا جا سکتا تھا وہاں
سب جگہ آپ کو تلاش کر لیا مگر آپ کو نہ پایا آپ نے فرمایا رات جبریل امینؑ آئے تھے اور براق پر سوار
کر کے مجھے بیت المقدس لے گئے تھے الیٰ آخرہ۔

(دیکھو خصائص کبریٰ سیوطی ص ۱۵۹ جلد ۱)

صدیق اکبرؓ کی یہ روایت اس امر کی روشن دلیل تھی کہ آپ کا یہ اسراء جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا
اور امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت معاویہؓ کا قول نقل کیا اور پھر اس کو رد کیا کہ یہ قول
صحیح نہیں اس لیے کہ وہ ظاہر قرآن اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے جیسا کہ روایتوں میں تواتر کے ساتھ منقول
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر
جسم ہی سوار ہو سکتا ہے نہ کہ روح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح ظاہر قرآن اور
احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ و تابعین کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے لہذا یہ قول کسی
طرح قابل قبول نہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری ص ۱۰ جلد ۱۵)

اور کیا مشرکین مکہ کا آپ کی تکذیب کرنا، مذاق اڑانا اور تعجب سے سر پر ہاتھ رکھنا اور تالیاں بجانا اور بیت
المقدس کی علامتیں پوچھنا کیا یہ سب خواب ہی میں تھا یا روحانی طور پر تھا مقصود اس واقعہ سے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کرنا تھا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ واقعہ بحالت بیداری
اسی جسم عنصری کے ساتھ مانا جائے ورنہ محض روحانی عروج یا خواب نبوت و رسالت کی دلیل نہیں
بن سکتے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

معراج جسمانی کے بعض منکرین نے اسی سورت کی اس آیت یعنی وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً
للناس سے استدلال کیا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا چونکہ یہ آیت اسی سورت کی ہے اس لیے
اس شبہ کا مفصل جواب ان شاء اللہ تعالیٰ اسی آیت کی تفسیر میں آ جائے گا مختصر یہ کہ اس آیت میں رؤیا سے
معراج کا خواب مراد نہیں بلکہ واقعہ حدیبیہ کے متعلق حضور پُر نورؐ نے جو خواب دیکھا تھا وہ مراد ہے اور اگر
بالفرض والتقدیر اس سے معراج ہی کا واقعہ مراد لیا جائے تو صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ
آیت میں رؤیا سے مراد رؤیت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے شب معراج میں جو دیکھا وہ بچشم سر دیکھا وہ خواب نہ تھا۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ معراج جسمانی بحالت بیداری دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ سے
ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا

ملک

انکار بھی کفر ہے اور اجماعی مسئلہ کا انکار قریب بکفر ہے اور غیر ثابت شدہ اقوال کی آڑ لے کر نصوص صریحہ اور واضحہ میں تاویل کرنا یہ الحاد اور زندقہ ہے ایسا شخص بظاہر مسلمان ہے اور درپردہ کافر ہے ائمہ ملک فرما گئے ہیں کہ ملحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کر دوں ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لیے آپ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ پر حملہ کر بیٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

(۹) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ لوگ سن کر اس واقعہ کی تکذیب کریں گے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب وغریب واقعات دیکھے جاتے ہیں منکر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ واقعہ معراج سے خلاف عقل اور خارق عادت ہونے بیان کرنے سے پہلے ہی رنجیدہ اور غمگین تھے اس وجہ سے کہ کفار اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھ کر ضرور تکذیب کریں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے بظاہر باوجود اس رنجیدگی اور پریشانی کے آپ نے یہ واقعہ سب کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ آپ اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے ولی کو اپنی کرامت کا چھپانا جائز ہے مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار فرض ہے تاکہ اس کی نبوت و رسالت ثابت ہو۔

فائدہ اب وقت ہم منکرین معراج کا ایک اعتراض نقل کر کے جواب دینا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کرام ملاحدہ اور زنادقہ کے دام تزویر میں آکر اسلام کے ایک متفق علیہ مسئلہ کا انکار نہ کریں۔

اعتراض ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے سبع سمٰوٰت کا سفر طے کرنا اور صبح سے پہلے مکہ واپس آجانا عقلاً محال ہے۔

جواب ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کر لینا عقلاً کوئی محال نہیں سرعت حرکت کی کوئی حد معین نہیں ہوائی جہازوں کی پرواز سامنے ہے اور نہ معلوم آئندہ کس حد تک ترقی کر جائے قرآن کریم میں ہے کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھی تخت سلیمانی کو دو وقت قلیل میں ایک مہینہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کو خدا تعالیٰ نے کتاب کا علم عطا فرمایا تھا یک پلک

جھپکنے میں بلقیس کا تخت یمن سے ذکر شام میں سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اتارا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور علی ھذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ وتابعین سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانیین کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے معلوم ہوا کہ جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً ونقلاً بالاتفاق ممکن بلکہ واقع ہے اور اس زمانہ میں ہوائی جہازوں کی برق رفتاری سب کے سامنے ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا کی مخلوق کو یہ قدرت ہے کہ سو یا اور ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کی سواری ایجاد کرسکے تو کیا خداوند عالم کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ کے لیے براق جیسی برق رفتار پیدا کر دے کہ جو اس کو چند گھنٹہ میں بیت المقدس کا سفر طے کرا دے معاذ اللہ کیا خدائی قدرت یورپ کے کارخانوں کی قدرت سے بھی کم ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا اور پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ نزول ممکن ہے اسی طرح سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور اخیر زمانہ میں نزول من السماء بھی ممکن ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عروج اور یہ نزول جسمانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج الی السماء بھی جسمانی تھا اور قیامت کے قریب ان کا نزول من السماء بھی جسمانی ہوگا اور یہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے لہٰذا قادیان کے کسی دہقان کا یہ کہنا کہ کسی جسم عنصری کا زندہ آسمان پر جانا اور زندہ آسمان سے اترنا محال ہے اہل عقل کے نزدیک مجنونانہ ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان مسئلہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ترین معجزات اور آپ کے دلائل نبوت اور براہین رسالت سے ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور امت محمدیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسراء ومعراج کی عزت وکرامت سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر مرزائے قادیان اپنی خود غرضی کی وجہ سے اس معجزہ سے انکار کرتا ہے اور طرح طرح سے معراج جسمانی کے ماننے سے پہلو تہی کرتا ہے مرزائے قادیان کو ڈر یہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہوجائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہوجائے گا اور پھر جب ان کا رفع الی السماء ثابت ہوجائے گا تو ان کا نزول من السماء یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہوجائے گا کیونکہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اسی لیے مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر

جانا عقلاً و نقلاً محال ہے کہ کوئی بندہ مع شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں گھر سے باہر نہیں گئے بستر پر رہتے ہوئے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا چنانچہ مرزا ازالۃ الاوہام صفحہ میں لکھتا ہے کہ "یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس قسم کے کشف بیداری سے بہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے" (ازالہ اوہام)

ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بتلایا اور ثالثاً سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پرنور کو گھر میں لیٹے لیٹے پیش آیا تو قادیان کے اس دہقانی کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہو چکا ہے مرزا کے نزدیک اگر یہ واقعہ خواب کی حالت میں ہوا تھا یا اعلیٰ درجہ کا کشف تھا تو جو واقعات احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہیں وہ سب کے سب کیا خواب تھے یا سب کشف وہم تھے واقعہ معراج کی صبح کو مشرکین مکہ کا تعجب سے سروں پر ہاتھ رکھ لینا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب باتیں کشف اور خواب کی آزمائش کے لیے تھیں یا واقعہ بیداری سمجھ کر یہ باتیں کی جا رہی تھیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ معراج جسمانی کا تھا نہ کہ روحانی اور منامی اور کشفی کا تھا اس لیے کہ روحانی و منامی یا کشفی چیز کا کون انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر اعتراض کر سکتا ہے اور نہ اس کے جواب کی کوئی حاجت ہو سکتی ہے نیز کیا اس قسم کا کشف مرزا صاحب کے علاوہ کسی اور کو بھی ہو سکتا ہے یا صرف مرزا صاحب کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا ازالۃ الاوہام میں لکھتا ہے کہ "یہ وہ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی" انتہی

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے دوسرے یہ کہ عائشہ صدیقہؓ اس کی منکر تھیں اول امر کے متعلق یہ گزارش ہے کہ کتب رجال وغیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ تمام صحابہ معراج جسمانی کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ امر کسی ادنیٰ مسلمان پر مخفی نہیں کہ جس بات پر ایک لاکھ اعتقاد رکھتے ہوں اس کے موافق اعتقاد رکھنا مسلمان پر فرض ہے اور آیت شریفہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ سے ان لوگوں کے لیے وعید ثابت ہے کہ جو مومنین اولین کے طریقہ سے انحراف کریں رہا امر دوم کہ عائشہ صدیقہؓ معراج جسمانی کی منکر تھیں سو وہ بالکل غلط ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے اور یہ بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی طرف ما فقدت جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت منسوب کی جاتی ہے وہ قطعاً موضوع ہے اور اگر بالفرض یہ روایت

صحیح بھی ہو تو صرف ایک صحابی کا قول ہزاروں صحابہ کرام کے بیانات کے مقابلہ میں کیسے حجت ہو سکتا ہے اجماع صحابہ کے بعد کسی ایک ایسے غیر صحیح اور غیر ثابت قول سے استدلال کرنا جو اصل اور بنیاد ہی ہوا الحاد اور زندقہ ہے۔ بہرحال مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے بیت المقدس اور آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کشف سے دیکھ رہے تھے یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی ہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں مرزا ازالۃ الاوہام کے صفحہ نمبر ۴۷ میں لکھتا ہے۔

"سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھ سکتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔"

سبحان اللہ مسیح قادیان کی اس عبارت اور قناعت کو تو دیکھئے کہ اپنے لیے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں پھر کوئی دوسرا کس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے بھی گھر بیٹھے بیٹھے کشفی طور پر بیت المقدس اور ساتوں سماوات کی سیر کرلی ہے کشف تو ایک قسم کی معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کو نظر آتی ہے البتہ آثار اور علامات سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب پر جب نظر ڈالتے ہیں تو آثار تکذیب ہی کے نظر آتے ہیں اس لیے کہ مرزا صاحب کی بہت سی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اور ظاہر ہے کہ پیشین گوئیوں کا دارومدار کشف پر ہے اور علماء کرام نے مرزا کی پیشین گوئیوں کے جھوٹ اور غلط ہونے کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

قصۂ اسراء و معراج

مناسب مقام معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر قصۂ اسراء و معراج نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر دیا جائے تاکہ اجمالی طور پر اول تا آخر قصہ کی ترتیب تو معلوم ہو جائے باقی تفصیل کے لیے کتب سیرت دیکھیں اور بقدر ضرورت اس ناچیز نے اپنی تالیف سیرۃ المصطفیٰ جلد اول میں واقعہ معراج کو مع اسرار و حکم لکھ دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے فاقول وباللہ التوفیق۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجرت سے ایک سال پہلے یا دو سال یا پانچ سال پہلے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بعد نماز عشاء ام ہانیؓ کے مکان میں سو رہے تھے کہ جبریل امینؑ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کے پاس آئے اور ام ہانیؓ کے مکان سے مسجد حرام میں لے گئے وہاں سینہ مبارک چاک کیا اور قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے دھو کر اپنے مقام پر رکھ دیا اور پھر آپ کو براق پر سوار کرکے بیت المقدس لے گئے راستہ میں کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کتب سیرت میں ہے تھوڑی

اس کے بعد آپ بیت المقدس پہنچ گئے آپ براق سے اُترے جبرئیل امینؑ نے براق کو ایک حلقہ میں باندھ دیا، مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کے منتظر بیٹھے تھے اور آسمان سے کچھ فرشتے بھی نازل ہوئے تھے اور سب صف بستہ تھے جبرئیل امینؑ نے حضور پرنورؐ کو امامت کے لئے آگے بڑھایا آپ نے ان سب کی امامت فرمائی (زرقانی ص ۵۰ جلد ۶) اور انبیاء کرام اور ملائکہ حاضرین نے آپ کی اقتداء کی پھر آپ کے لئے ایک معراج (سیڑھی) لائی گئی ابن سعدؓ کی روایت میں ہے کہ یہ معراج (سیڑھی) جنت فردوس سے لائی گئی (زرقانی ص ۶۰) پھر اس معراج (سیڑھی) کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل امینؑ دونوں آسمان پر پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا اور آسمان پر عروج اس معراج (سیڑھی) کے ذریعہ ہوا اور براق کو بیت المقدس میں چھوڑ گئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جہاں ان کے ساتھ ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی تھے پھر تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی بعد ازاں آپ بیت معمور میں داخل ہوئے جو قبلہ ملائکہ ہے اور ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر قیامت تک عود نہیں کرتے اور یہ بیت معمور جس میں آپ نے نماز پڑھی ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو عرش کے نیچے ہے اور ٹھیک کعبہ کی محاذات میں ہے بالفرض اگر بیت معمور اپنی جگہ سے گرے تو خانہ کعبہ پر آکر گرے اس کا حکم وہی ہے جو خانہ کعبہ کا ہے (زرقانی ص ۷۰ جلد ۶) پھر جبرئیل امینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کو انوار خداوندی ڈھانپے ہوئے ہیں، ہر طرف سے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں یہ مقام اوپر سے اترنے والوں اور نیچے سے چڑھنے والوں کا منتہیٰ ہے کراماً کاتبین کا بھی منتہیٰ ہے کراماً کاتبین اس سے اوپر نہیں جاسکتے اور یہی مقام جبرئیل امینؑ کا مستقر اور ٹھکانا ہے اسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امینؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا چھ سو پر تھے (زرقانی ص ۱۰۰ جلد ۶) اور سدرۃ المنتہیٰ ہی کے قریب آپ نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ جنت میں داخل ہوئے اور وہاں کی سیر کی وہاں دیکھا کہ گنبد موتی کے ہیں اور مٹی مشک کی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے اور اسی مقام پر آپ نے نہر کوثر دیکھی جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے (زرقانی ص ۹۰ جلد ۶) اور وہ چار نہریں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ

یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔ یہ چاروں نہریں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی ہیں آپ نے اس مقام پر ان کا مشاہدہ فرمایا (زرقانی ص ۱۰ ج ۶) بعد ازاں آپ کو جہنم دکھلائی گئی جس میں آپ نے خدا کے قہر و غضب کا مشاہدہ کیا پھر بند کر دی گئی بعد ازاں آپ کے لیے ایک سبز رفرف دیکھا یا تخت بچھایا گیا آپ اس پر بیٹھے اور جبریل امینؑ نے آپ کو اس فرشتہ کے سپرد کیا جو رفرف کے ساتھ آیا تھا آپ نے جبریل امینؑ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی جبریل امینؑ نے کہا کہ آگے چلنے کی قدرت نہیں اگر ایک قدم بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی آیات و کمالات کے دیکھنے کے لیے بلایا ہے (زرقانی ص ۱۰ جلد ۶) پس آپ نے جبریل امینؑ کو وداع کہا اور رفرف میں بیٹھ کر اس کے فرشتے کے ہمراہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ ایک مستویٰ (بلند جگہ) پر جا پہنچے جہاں آپ صریف الاقلام سنتے تھے یعنی ان قلموں کی کتابت کی آواز سنتے جو احکام الٰہیہ اور تقادیر ربانیہ کی کتابت کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی رفرف پر جا رہے تھے حضور فرماتے ہیں کہ اسی اثناء میں یکایک ایک نورانی بادل نمودار ہوا جس نے مجھے اپنے اندر لے لیا اور میں تنہا رہ گیا اور وہ فرشتہ جو رفرف کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا اور اس اثناء میں فرشتوں کی جو آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ سب منقطع ہو گئیں اس طرح بارگاہ قدس اور مقام قرب میں عرش کے قریب پہنچا کما قال تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی اور مقام دنیٰ اور تدلیٰ میں یعنی مقام قرب میں حق تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں فرض کیں بعد ازاں میں بارگاہ خداوندی سے واپس ہوا واپسی میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پھر بارگاہ خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف کی درخواست کی جو منظور ہوئی اسی طرح یہ دس معراجیں ہوئیں سات معراجیں تو سات آسمانوں تک ہوئیں اور آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی اور نویں معراج مقام صریف الاقلام تک ہوئی اور دسویں معراج مقام دنیٰ فتدلیٰ تک ہوئی یعنی مقام قرب تک ہوئی جہاں آپ لقاء خداوندی اور کلام خداوندی سے مشرف ہوئے بعد ازاں آسمانوں سے بیت المقدس واپسی ہوئی اور حسب سابق آپ براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی اور صبح کی نماز کے بعد قریش کو اپنے سفر بیت المقدس اور معراج آسمانی کی خبر دی کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کو

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝۲ ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا

کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز ۔ تم جو اولاد ہو ان کی

مَعَ نُوْحٍ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

جن کو لاد لیا ہم نے نوح کے ساتھ ، وہ تھا بندہ حق ماننے والا

ذکر کرامت حضرت موسیٰ علیہ السلام بعطائے تورات و شرف تکلیم و مناجات

قال اللہ تعالیٰ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا

ربط: اوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اسراء اور شرف معراج کا ذکر تھا اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف و عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلا کر ان سے کلام کیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ان کو توریت دی جس میں یہ تاکیدی حکم تھا کہ اے فرزندان قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا تم خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل گوسالہ پرستی اور شرک میں پڑ کر ہلاک ہو گئے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسوی کا ذکر نہایت لطیف ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے اسی طرح آپ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسول برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ کو ہدایت عالم کے لیے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبدا اور معاد اور مکارم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی طرح آپ نے بھی لیلۃ المعراج میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰ کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہوا اسی طرح آپ کی نبوت اور معجزہ معراج کے منکروں کا انجام خراب ہو ۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کی امت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کر سکے گی اس لیے آپ پروردگار کی طرف لوٹ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے آپ بار بار بارگاہ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوتی چلی گئی فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے امور کو اس کے حوالہ اور سپرد کر دو بلکہ اللہ کے سپرد کرو کیونکہ غیر اللہ کو کارساز بنانا ایک قسم کا کفر اور کفران نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور صاحب خدا کے شکر گزار بندے تھے لہٰذا تم کو چاہئے

کہ شکرگزاری اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو چنانچہ فرماتے ہیں

اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا پس تم اپنے باپ کے مشابہ بنو اور ان کے طریقہ پر چلو بیشک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکر گزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا پہنتے تو الحمد للہ کہتے اسی لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام عبداً شکوراً رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دارومدار شکرگزاری پر ہے شکرگزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکرا اور ناقدرا محروم رہتا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ

کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور چڑھ جاؤ گے

عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا

بڑی طرح چڑھنا ۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ اٹھائے ہم نے

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ

پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ ۔ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا پھر

رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ

ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر ۔ اور قوت دی تم کو مال سے

وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ

اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دی تمہاری بھیڑ ۔ اگر بھلائی کی تم نے

یہ سزا تو ان کو دنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنا رکھا ہے جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں دو واقعوں کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب اور تاریخ میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے ہم نے بھی اس تفسیر میں امام رازی قدس اللہ سرہ کی پیروی کی ہے جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کر کے پہلے وعدہ میں جالوت کا "عِبَادًا لَّنَا اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ" کے تحت ذکر اور ان کا تسلط مراد ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابو السعودؒ نے اور علامہ آلوسیؒ نے اختیار کیا ہے بہرحال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی و ستم رانی پر تل جائیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم و ستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلط کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے سزا ہوتی ہے کَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اور خوشی سناتا ہے ان کو جو یقین لاتے اور کرتے ہیں نیکیاں کہ

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ

ان کو ہے ثواب بڑا اور یہ کہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا

جو نہیں مانتے پچھلی زندگی ان کے لیے رکھی ہم نے دکھ کی

اَلِيْمًا ﴿١٠﴾

مار

ع ۱

ان کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ یہ اہل ایمان کے لیے دوسری خوشخبری ہے کہ ان کے دشمنوں کو عذاب ہوگا اس لیے کہ دشمنوں کی مصیبت سے مسرت ہوتی ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ
اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے

الْإِنسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾
انسان اتاولا

انسان کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی

قال اللہ تعالیٰ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا۔

(ربط) اس آیت میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ انسان جلد باز اور ناعاقبت اندیش ہے کہ غصہ میں آکر اپنی برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے اپنے نفع و نقصان کو خوب نہیں سمجھتا اس لیے ہماری نازل کردہ کتاب سے روگردانی کرتا ہے اور ہمارے احکام کی پیروی سے انحراف کرتا ہے انسان جلد باز ہے عاجلہ (دنیا) پر فریفتہ ہے اور آخرت کی پروا نہیں کرتا انسان کو چاہیے کہ راہ مستقیم کی ہدایت کی دعا مانگے اور توفیق خداوندی کی درخواست کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور انسان بے صبری کی وجہ سے اپنی ذات پر یا اپنی اولاد پر بددعا مانگ بیٹھتا ہے جیسا کہ وہ دعائے خیر کرتا ہے اور بھلائی طلب کرتا ہے اور انسان طبعی طور پر جلد باز واقع ہوا ہے انجام کو نہیں سوچتا ممکن ہے کہ وہ وقت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ ہر دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور یہ دعا اس کے حق میں بہتر نہ ہو انسان کی ہر دعا قبول نہ ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے انسان جلد باز ہے انجام کی خبر نہیں انسان کو چاہیے کہ ہدایت اور توفیق کی دعا کو سب سے مقدم جانے وہ انسان بڑا نادان ہے کہ جو اللہ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرما نضر بن حارث یہ دعا مانگتا تھا [illegible] اگر عقل ہوتی تو ہدایت کی دعا مانگتا اے اللہ اگر یہ حق ہے تو مجھ کو ہدایت دے اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ

اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے پھر مٹا دیا

اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو کہ

لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ

تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور معلوم کرو گنتی برسوں کی

وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (۱۲)

اور حساب اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر

ذکر نعمائے دنیویہ

قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا

ربط: گزشتہ آیات میں انسان پر اخروی نعمتوں کا ذکر تھا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتاب الٰہی کو نازل کیا اور انبیاء کو مبعوث کیا اب ان آیات میں دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں رات اور دن کا پیدا کرنا انسان کے لیے منافع کا باعث ہے ہر ایک سے جدا جدا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے یہ فوائد خدا تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے بھی ہیں اور اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بھی ہیں اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان کا کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی ضلالت کی طرف منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ عالم کبھی نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی ظلمت کی طرف اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان جلد بازی نہ کرے لیل و نہار سے عبرت پکڑے زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا کبھی راحت ہے اور کبھی مصیبت چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہم نے رات کو اور دن کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا یہ دونوں اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوا آرہا ہے تغیر پذیر ہے اور دین و دنیا کی مصلحتیں ان دونوں سے وابستہ ہیں اور لیل و نہار کا بنانا بھی خدا کی قدرت کی نشانی ہے پھر قدرت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ہم نے رات کی نشانی کو یعنی چاند کو مدھم اور دھندلا بنایا اور دن کی روشنی یعنی سورج کو ہم نے درخشاں اور روشن بنایا چاند رات کی نشانی ہے اور سورج دن کی ہے اگر چاند اور سورج نہ ہوتے

تو دن رات یکساں ہوتے اور ایک دوسرے کی شناخت نہ ہو سکتی

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ آیۃ اللیل اور آیۃ النہار سے چاند اور سورج مراد نہیں بلکہ خود رات اور دن مراد ہے اور آیۃ لیل اور آیۃ نہار کی اضافت بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کے دو نمونے بنائے قدرت کی ایک نشانی یعنی رات مٹی ہوئی ہے یعنی ظلمت کا اندھیرا ہے جس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور قدرت کی دوسری نشانی یعنی دن کو روشن بنایا کہ سب چیزیں اس میں بے تکلف دکھائی دیتی ہیں تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے پروردگار کا فضل یعنی روزی تلاش کرو تاکہ تم دن رات کی آمد و رفت اور اختلاف الوان اور اختلاف مقدار اور اختلاف جہات و طرق سے برسوں کا شمار اور دیگر امور کا حساب کتاب معلوم کرو اگر دن رات نہ ہوتے تو اوقات کا حساب ناممکن ہو جاتا نہ ساعات نہ دن نہ مہینے نہ برس اور لوگوں کے تمام کام درہم برہم ہو جاتے یہ دونوں یعنی لیل و نہار اللہ کی قدرت کی دلیلیں ہیں خود بخود موجود نہیں ہو گئے ان دونوں کا ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص مقدار اور خاص حیثیت کے ساتھ موجود ہونا ایک خاص طریقہ پر یکے بعد دیگرے ان کی آمد و رفت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی عزیز حکیم کی تقدیر اور صانع علیم کی صنعت اور کاریگری ہے لیل و نہار کی آمد و رفت اور ان کی یہ صفت اور یہ کیفیت ذکر لذاتہ مقتضی ہے ورنہ مرجح ہے اور نہ امر اتفاقی ہے معلوم ہوا کہ کسی ایسے قادر حکیم کی کاریگری ہے جو زمان اور زمانیات سے بالاتر ہے اور خود چاند اور سورج بھی منجملہ قدیر کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہر چیز کو ہم نے مفصل کر بیان کر دیا ہے اور بندوں پر حجت پوری کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی گھٹانے سے اندھیرا نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے جیسے رات دن کبھی کے گھٹانے سے اندھیرا ہے رات کم نہیں ہو جاتی اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں، انتہی کلامہ۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ÷ ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

حکایت: عطاء بن سائب سے روایت ہے کہ شام کا ایک قاضی یا والی فاروق اعظمؓ کی خدمت میں آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شمس و قمر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور نصف نجوم ایک طرف ہیں اور نصف نجوم دوسری طرف ہیں۔

فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ اس لڑائی میں تم کس کے ساتھ تھے۔

میں قمر کے ساتھ تھا۔

فاروق اعظمؓ نے یہ آیت تلاوت کی وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ آيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً اور اس قاضی یا والی سے کہا کہ آپ جائیے ہم نے آپ کو معزول کیا آپ عہدۂ قضا وغیرہ کا کوئی کام نہیں کر سکتے تم نے آیت مبصرہ شمس کو چھوڑ کر آیت محو

[illegible] کا ساتھ دیا (اذاً لا تعمل لی ابداً) ان کا نام عابس بن سعد تھا جو حضرت عمرؓ کی طرف سے کسی علاقہ کے والی یا قاضی تھے حضرت عمرؓ نے ان کو اس سے معزول کیا کہ انہوں نے آیت مبصرہ (شمس) کے بجائے آیت ممحوہ (چاند) کا کیوں ساتھ دیا حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو عابس بن سعد جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور وہاں قتال میں مارے گئے۔

(روح المعانی ص ۱۸ جلد ۱۵)

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۖ
اور جو آدمی ہے ، لگا رکھی ہے ہم نے اس کی بُری قسمت اس کی

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ
گردن سے اور نکال دکھاویں گے اس کو قیامت کے دن لکھا کہ پاوے گا اس کو

مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ
کھلا ، پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن

عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
اپنا حساب لینے والا ، جو کوئی راہ پر آیا تو آیا

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی

عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا
برے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا اور ہم بلا نہیں

مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ
ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول اور جب ہم نے چاہا کہ

نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ
کھپا دیں کوئی بستی حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے بے حکمی کی

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا

ان میں تب ثابت ہوئی اُن پر بات تب کھپا ڈالا ان کو اٹھا کر اور کتنی کھپا دیں ہم نے

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ

سنگتیں نوح کے پیچھے اور بس ہے تیرا رب اپنے

عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿١٧﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ

بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھتا جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر شتاب دے دیں

عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ

ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ اَرَادَ

اس کے واسطے دوزخ پیٹھے گا اس میں اپنی برائی سنکر دھکیلا جا کر اور جس نے چاہا

الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ

پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں

كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَ

کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو

هٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ

اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے

مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ

نہیں روکی دیکھ! کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے اور

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾ لَا

پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی بڑائی

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم پھر بیٹھ رہے گا تو الزام پا کر بے کس ہو کر

بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و طالبین دنیا و طالبین آخرت

قال اللہ تعالیٰ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۔۔۔ الی ۔۔۔ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا

ربط: گذشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ لیل و نہار اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی طرح سمجھو کہ سعادت و شقاوت اور ہدایت و ضلالت سب اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں جس طرح ظاہری نور اور ظلمت اس کے اختیار میں ہے اسی طرح باطنی نور اور ظلمت بھی اسی کے اختیار میں ہے اور سب مقدر ہو چکی ہیں جن کا ظہور قیامت کے دن ہوگا پھر یہ بتلایا کہ جنہوں نے انبیاء و رسل کا مقابلہ کیا وہ ہلاک اور برباد ہوئے لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ ان بستیوں کو دیکھ کر جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا عبرت پکڑیں۔

بعد ازاں یہ بتلایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت پھر اس تمام مضمون کو لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا پر ختم فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ذلت و خواری کا سرچشمہ کفر ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ ذلیل و خوار ہوا اور بیکس رہا۔ فرماتے ہیں اور ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کی قسمت اس کی گردن میں لٹکا دی ہے اور چپکا دی ہے قسمت کا لکھا ہوا ٹلتا نہیں اور انسان جہاں جاتا ہے وہیں قسمت اور تقدیر ساتھ ہوتی ہے۔

طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں اور محاورۂ عرب میں طائر کا لفظ بطور استعارہ قسمت اور نصیبہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اسی محاورہ کے مطابق آیت میں قسمت کے معنی مراد ہیں گویا کہ قسمت ایک پرندہ ہے جو آشیانۂ ازل سے اڑ کر اس پر آ بیٹھا ہے اور اس کی گردن پر کسی مضبوط تار سے باندھ دیا گیا ہے انسان جب تک پردۂ عدم میں رہا قسمت اس کا منتظر رہا پس جب انسان نے اپنا سر عدم سے باہر نکالا تو یہ پرندۂ قسمت اڑ کر اس کی گردن سے چمٹ گیا زندگی میں اور قبر میں اس کے گلے میں پڑا اور لٹکا رہے گا حتیٰ کہ جب قبر سے نکلے گا تو یہ طوق اس کی گردن میں ہوگا دنیا کا طریقہ ہے کہ جس کی گردن میں جو چیز باندھ دی جاتی ہے وہ اس شخص کیلئے لازم و ملزوم بن جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کا طوق میری گردن میں ہے اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو چیز مقدر کر دی ہے وہ اس کو لازم ہے جیسے کہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کام کا نیک و بد انجام معلوم کرنے کے لیے پرندہ اڑاتے اگر دائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے کہ خیر ہے اور اگر بائیں جانب سے اڑتا

عطا کریں تو انکے دلوں میں اطاعت اور فرمانبرداری اور رسولوں کی پیروی کا داعیہ ڈال دیتے ہیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے دولت مندوں اور عیش پرستوں کو جو نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے ہیں تکوینی اور تقدیری طور پر فسق و فجور کا حکم دیتے ہیں یعنی انکے دلوں میں فسق و فجور کا الہام اور القاء کرتے ہیں کما قال تعالیٰ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا پھر وہ دل کھول کر فسق و فجور کرتے ہیں یعنی شریعت کی حدود اور قیود کو توڑ ڈالتے ہیں اور نفس امارہ کے اشاروں پر دوڑنے لگتے ہیں اس طرح انکی طبیعت میں جو فسق و فجور کا مادہ پوشیدہ تھا وہ کھل جاتا ہے اور انکا باطنی خبث اندر سے نکل کر باہر آجاتا ہے پس جب انکے جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم اور ثابت ہو جاتی ہے اور فرد جرم ان پر عائد ہو جاتی ہے اور شقاوت ازلیہ جو اب تک مستور تھی وہ ظاہر اور نمایاں ہو جاتی ہے تو پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں خوب اچھی طرح تہ و بالا کرنا کہ تباہی اور بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے مطلب یہ ہے کہ آیت میں ارادہ یعنی اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً میں ارادہ سے ارادہ ازلیہ مراد ہے اور اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا میں امر سے حکم تکوینی اور تقدیری مراد ہے بے شک اللہ تعالیٰ تشریعی طور پر کسی کو فحشاء اور منکر کا حکم نہیں دیتے مگر تکوینی اور تقدیری طور پر سعادت اور شقاوت ہدایت اور ضلالت سب اسی کے حکم سے ہے کوئی خیر اور شر اسکی تقدیر و تکوین اور اسکے ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں اور بعض علماء تفسیر بلکہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ مطلب آیت کا اس طرح ہے کہ جب ہم کسی بستی کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں کو پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ پیغمبروں کا حکم نہیں مانتے اور کھلم کھلا فسق و فجور پر اتر آتے ہیں تو پھر ہم اس پوری بستی کو ویران کر ڈالتے ہیں اور اسی قانون کے مطابق ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قومیں اور امتیں ہلاک کر دیں مطلب یہ ہے کہ پچھلے لوگ پیغمبروں کی نافرمانی کی بدولت عذاب کا مزہ چکھ چکے ہیں منکرین اور مکذبین کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور اے نبی تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے اور ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون طالب دنیا ہے اور کون طالب آخرت ہے سب کے دل اسکی نظروں کے سامنے ہیں کسی کی نیت اور دل کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اسی لیے اب آئندہ آیت میں طالبان دنیا اور طالبان آخرت کا حال اور مآل ذکر فرماتے ہیں کہ کسی کے دل میں دنیا کی طلب ہے اور کسی کے دل میں آخرت کی طلب ہے۔

ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت

جو شخص ایسا خسیس اور پست ہمت ہو جائے کہ اس دنیائے فانی کی عیش و عشرت ہی اسکی مراد اور تمنا بن جائے اور اپنی ہمت کو اسی دار عاجلہ (دنیا) پر مقصور کر دے اور آخرت کو اعتقاداً یا عملاً پس پشت

ڈالی رہے تو ہم اسکو دار دنیا ہی میں جلد دے دیتے ہیں یعنی جلد ہی اسکی مراد میں سے کچھ دیدیں گے جتنا چاہیں گے اور یہ سب کچھ نہیں بلکہ جس کے لیے چاہیں گے اسکو دیں گے یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر عاشقِ دنیا کو اسکی تمنا اور آرزو کے مطابق مل جائے بلکہ جسکو ہم اپنی مرضی کے مطابق دینا چاہیں گے اور جس قدر چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے اتنی ہی مقدار ہم اسکو دنیا ہی میں دیدیں گے کوئی طالبِ دنیا اس خیال میں نہ رہے کہ جو مانگے گا وہ اسکو مل جائے گا خوب سمجھ لے کہ دنیا کا عاشق بن جانے سے کچھ زیادہ نہیں ملے گا بلکہ اسی قدر ملے گا جس قدر اللہ تعالیٰ نے اسکے نصیب میں لکھ دیا ہے اسکو اتنا ہی ملے گا نہ کم نہ زیادہ غرض یہ کہ طالبِ دنیا کو دنیا ہی میں بقدر حسب مشیت کچھ دے دیتے ہیں پھر ہم نے آخرت میں اسکے لیے دوزخ کو قرارگاہ بنا دیا ہے داخل ہوگا وہ اس میں درآنحالیکہ وہ بدحال اور راندۂ رحمت ہوگا مذموماً کا مطلب یہ ہے کہ ذلت اور خواری کے ساتھ بُری باتیں سن کر اور سیاہ رو ہو کر دوزخ میں داخل ہوگا اور مدحوراً کے معنی یہ ہیں کہ راندۂ درگاہ خداوندی ہوگا یعنی اللہ کی رحمت سے نکالا ہوا اور دور افتادہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ طالبِ دنیا کو ہم دنیا ہی میں کچھ دیدیں گے مگر اتنا ہی دیں گے جتنا ہم چاہیں گے اور اسی کو دیں گے جس کو ہم دینا چاہیں گے فقط ہم نے اسکے لیے مقدر کر دیا ہے اتنا ہی اسکو مل جائے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا پھر اسکے بعد وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے دور رہے گا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس نے آخرت کو طلب ہی نہ کیا تھا اس لیے وہ آخرت کے درجات سے تو بالکل محروم رہے گا اور دنیا میں بھی اس کو پوری مراد حاصل نہ ہوگی بلکہ کچھ دیدیا جائے گا اور جو شخص دل وجان سے آخرت کا طلبگار بن جائے رہتا تو دنیا میں ہے مگر منزل مقصود آخرت کو بنائے ہوئے ہے اور راہِ آخرت ہی کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے جیسا کہ چاہیے دوڑنا یعنی جیسا آخرت کے لائق اور مناسب ہے اور جیسا کہ اس کا حق ہے اور جو اعمال بہشت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں انکی دھن میں لگا ہوا ہے بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو یعنی بشرطیکہ وہ شخص اللہ اور اسکے رسول پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو یہ قید اسلیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کوئی عبادت اور کوئی عمل مقبول نہیں تو ایسے جامع صفات لوگوں کی سعی اور دوڑ اللہ کے یہاں مشکور ہوگی یعنی مقبول اور کارآمد ہوگی اور اس پر انعام ملے گا غرض یہ کہ قبول اعمال کی تین شرطیں ہیں: اوّل یہ کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ وہ عمل صحیح ہو یعنی قواعد شریعت کے مطابق ہو جیسا کہ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا سے معلوم ہوتا ہے اس لیے جو مجاہدہ اور ریاضت شریعت کے خلاف ہو وہ آخرت کا راستہ نہیں جیسے جوگیوں کی ریاضتیں کہ کوئی دن رات کھڑا ہی رہتا ہے اور کوئی کھانا پینا چھوڑ کر اپنے جسم کو سکھا لیتا ہے اس قسم کی ریاضتیں آخرت کا راستہ نہیں۔

سوم: یہ کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو جیسا کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ — اس آیت سے معلوم ہوا کہ طالبِ دنیا کی کامیابی حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور طالبِ آخرت کی کامیابی حتمی اور قطعی وعدہ ہے لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی

فکر کرے اور دنیا کی فکر میں زیادہ نہ پڑے۔ یہاں تک طالب دنیا اور آخرت کا ذکر کیا۔ اب آگے نبی علیہ السلام
کا ذکر فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ہم ہر ایک کی خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اسکی سعی اور جدوجہد
میں اور جس چیز کا وہ جویا ہے مقتضائے حکمت و مشیت اسکی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کی بھی مدد کرتے
ہیں جو طالب دنیا ہیں اور ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب آخرت ہیں تیرے پروردگار کی عطاء اور
بخشش سے ہر ایک کو مدد دیتے ہیں اور اس کی تلاش اور سعی کے مناسب وہ مطابق سامان مہیا کر دیتے ہیں
ہر ایک کی سعی اور جدوجہد کے مناسب اسکو مدد دیتے ہیں کسی کو ناامید نہیں کرتے۔

طالب دنیا کو بقدر کفایت اور طالب آخرت کو بمقدار رحمت دیتے ہیں جو طالب جس چیز کا مستحق ہے
صورتاً یا حقیقتاً وہ اسکو دے دی جاتی ہے اور مقتضائے حکمت جو اسکے لیے مقدر ہے وہ اسکو
مل جاتا ہے بہرحال ہم کسی کو محروم نہیں رکھتے بلکہ سب کی مدد کرتے ہیں اور تیرے پروردگار کی عطاء اور
بخشش خواہ وہ عطاء دنیوی ہو یا اخروی کسی سے رکی ہوئی اور بازرکھی ہوئی نہیں نہ مومن سے نہ کافر سے
بلکہ ہر ایک کے لیے مقتضائے مشیت و حکمت جو عطاء مقدر ہے وہ اسکو ضرور ملتی ہے اور اس عطاء سے تیرے
پروردگار کا مقصود تربیت ہے کبھی بندہ کو اسکی استعداد و حیثیت کے مطابق وسعت اور فراخی عطا کرتے ہیں
تاکہ مال و دولت کو آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنائے اور حسب منشاء الٰہی اس سے متمتع اور
مستفید ہو سکے اور کبھی اس پر دنیا کو تنگ کرتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا کے فتنہ اور معاصی کے شر اور فتنہ سے
محفوظ رہے اور دنیا کے کھیل اور تماشہ میں لگ کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں
کہ عطاء رب سے قسمت اور تقدیر خداوندی مراد ہے یعنی جو خیر و شر اللہ تعالیٰ نے ہر بندہ کے لیے مقدر اور
مقسوم فرمایا ہے وہ مل کر رہتا ہے جو مرید عاجلہ یعنی طالب دنیا ہے اسکی معاصی سے امداد کرتے ہیں
کہ معصیت کا سامان اسکے لیے مہیا ہو جاتا ہے اور مرید آخرت یعنی طالب آخرت کی طاعت کے ذریعے
مدد کرتے ہیں کہ سامان طاعت اسکے لیے میسر ہو جاتا ہے (البحر المحیط ص ۲۱ ج ۶)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول فَأَلْهَمَهَا
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا کا مضمون ہے (دیکھو روح المعانی ص ۴۹ ج ۱۵)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آیت عطا میں امداد سے دنیوی رزق مراد ہے اور مطلب یہ ہے
کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اس دار دنیا میں عطاء دنیوی سے حسب حکمت و مصلحت ہر دو فریق
کی امداد کرتے ہیں اور سب کو روزی دیتے ہیں خواہ مومن ہو یا کافر دنیوی رزق سے سب کو حصہ ملتا
ہے مگر عطاء اخروی وہ مومن کے ساتھ مخصوص ہے عطاء دنیوی کسی فریق کے ساتھ مخصوص نہیں اس
میں سب شریک ہیں مرنے کے بعد ہر ایک کا حال مختلف ہوگا۔

خواجہ حسن بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رزق سب کو دیتا ہے نیک ہو یا بد
کفر اور عصیان کی وجہ سے رزق دنیوی کا دروازہ بند نہیں کرتا سب اللہ کے بندے ہیں سب کو رزق

دے بہرحال اصل رسالت اور شریعت کا علم ہو جانا کافی ہے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، رسالتِ عامہ ہے تمام عالم کے لیے ہے صحابہ کرام و تابعین اور علماء امت کے ذریعہ سے مشرق اور مغرب میں آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا) سے معلوم ہوا ہے جو شخص بعثت سے پہلے مر گیا یا اس تک رسول کی دعوت نہیں پہنچی وہ عند اللہ معذور ہے اس پر عذاب نہ ہوگا اگرچہ وہ شرک کی حالت میں مرا ہو کیونکہ احکام خداوندی کی معرفت بدون شریعت کے ناممکن ہے اور احکام الٰہی کی معرفت کے لیے عقل انسانی کافی نہیں بغیر بعثت کے حجت تمام نہیں اس لیے جس کو دعوت نہیں پہنچی وہ معذور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید خداوندی کی قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو معمولی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کما قال تعالیٰ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اس لیے انکار خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگرچہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو اور عقل والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبادت بغیر معبود کے ممکن نہیں اور یہ بت جن کو آپ نے لکڑی سے تراشا ہے خدا نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ زمین سے آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہو گئی جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ اونٹ کی مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان اور گرد و غبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی۔ وہ عقلاً توحید بھی امر بدیہی ہے اور شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہر شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کے لیے یہ چیز سخت ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ وہ کسی دوسری مخلوق کے سامنے سر جھکائے اس لیے قرآن کریم میں آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے وہ جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا میں عدم عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکاب معاصی پر عذاب نہ ہوگا اور کفر و شرک چونکہ امر بدیہی ہے عقل و فطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکار خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مؤاخذہ ہوگا۔ غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی رہنمائی بھی اس کے لیے کافی ہے اور انبیاء کرام نے ہر ملک اور ہر زمانہ میں اس کی مزید تشریح اور توضیح کر دی کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اور علماء امت نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ اور توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا لہٰذا اب کسی منکر خدا اور کسی مشرک کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(۳) أَصْحَابُ الْفَتْرَةِ | یعنی جو لوگ زمانۂ فترت میں مرگئے اور ان کو رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور
| اطفال مشرکین یعنی جو لڑکے بچپن کی عمر میں گزر گئے ان کے ماں باپ کافر تھے
اور مجنون اور بے عقل اور مجنون جو جنون اور بے عقلی کی حالت میں مرگئے۔

ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں جائیں گے اور بعض علماء نے ان کے بارے میں توقف کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں ان کے بارے میں کوئی حکم قطعی نہیں لگایا جاسکتا ہے قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا امتحان ہوگا اور من جانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ پس جو شخص حکم خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد و سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو نافرمانی کرے گا وہ ذلت و خواری کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوگا امتحان سے مقصود یہ ہوگا کہ ان میں جو اطاعت اور معصیت کا مادہ پوشیدہ اور مستور ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور اندرونی فرمانبرداری اور نافرمانی جب ظاہر ہو جاتی ہے تب اس کے مطابق جزا و سزا ان پر جاری کی جاتی ہے محض صلاحیت اور استعداد پر جزاء اور سزا مرتب نہیں ہوتی جب تک کہ عملی طور پر ان پر حجت نہ قائم ہو جائے اس امتحان کے بعد اندرونی اطاعت اور معصیت عملی طور پر سامنے آ جائے گی اور علم ازلی میں جو سعادت اور شقاوت مقدر اور مضمر تھی وہ ظاہر اور منکشف ہو جائے گی اور ان کی اطاعت اور معصیت سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے مطابق جزا اور سزا مرتب ہو جائے گی۔

امام ابو الحسن اشعریؒ نے اسی کو اہل سنت والجماعت کا قول قرار دیا ہے اور اسی کو امام بیہقیؒ نے کتاب الاعتقاد میں اختیار کیا اور اس کے دلائل دیے ہیں جو صحت اور قوت میں قابل ہیں اور اسی کو قول مختار قرار دیا۔

حضرات اہل علم اگر اس مسئلہ کی مزید تفصیل چاہیں تو ناچیز کا حاشیہ بخاری مسمی بہ تحفۃ القاری ملاحظہ فرمائیں جس میں صحیح بخاری کی کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۴) وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بستی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے دل میں فسق و فجور کا داعیہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ دل کھول کر فسق و فجور کریں تب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے لہٰذا دولت مندوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنا امتحان کر لیں کہ اپنی دولت و ثروت اگر ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے جا رہی ہے تو اللہ کا شکر کریں کہ اس نے اس دولت کو آخرت کا ذریعہ بنایا اور اگر وہ دولت و ثروت

إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ

بھلائی، کبھی پہنچ جاویں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک یا

كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا

دونوں، تو نہ کہہ اُن کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو، اور کہہ ان کو

قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ

بات ادب کی، اور جھکا اُن کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز

الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

سے اور کہہ اے رب! اُن پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا

رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، اگر تم نیک ہوگے،

فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ

تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے اور دے ناتے والے کو

حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ

اس کا حق، اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا

تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ

بکھیر کر بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ

اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر اور اگر کبھی تغافل کرے

عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل

تو اُن کی طرف سے، تلاش میں مہربانی کی اپنے رب کی طرف سے جس کی توقع رکھتا ہے تو کہہ

لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً

ان کو بات نرمی کی اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن

إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا

کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھولنا، پھر تو بیٹھ رہے الزام

مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَ

کھایا ہارا تیرا رب کشادہ کرتا ہے روزی، جس کو چاہے اور

يَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾ وَلَا تَقْتُلُوا

کستا ہے وہی ہے اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا اور نہ مار ڈالو

أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ

اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک

قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ

ان کا مارنا بڑی چوک ہے اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے، وہ

كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

ہے بے حیائی اور بری راہ ہے اور نہ مارو جان

الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا

جو منع کی اللہ نے، مگر حق پر اور جو مارا گیا ظلم سے

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ

تو ہم نے دیا اسکے وارث کو زور، سو اب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر اسکو

كَانَ مَنصُورًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

مدد ملتی ہے اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے، مگر

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا
جس طرح بہتر ہو، جب تک وہ پہنچے اپنی جوانی کو اور پورا کرو

بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ
اقرار کو بے شک اقرار کی پوچھ ہے اور پورا بھر دو ماپ

اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ
جب ماپ دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے

وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ
اور اچھا اس کا انجام اور نہ پیچھے پڑ، جس بات کی خبر نہیں

عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ
تجھ کو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے

كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ
پوچھ ہے اور نہ چل زمین پر اتراتا تو پھاڑ نہ

اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾
ڈالے گا زمین کو، اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾
یہ جتنی باتیں ہیں، ان میں سے بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری

تفصیل اعمال آخرت واحکام ہدایت

قال اللہ تعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ... الیٰ... كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا

ربط: گزشتہ آیات میں آخرت کی سعی اور اس کی جد وجہد کا بیان تھا کہ جو آخرت کے لیے سعی کرے گا وہ اپنے

آخرت کی نعمتیں عطا کریگا۔ اب ان آیات میں ان اعمال کی تفصیل فرماتے ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان آخرت کی نعمتیں حاصل کر سکے اور ان احکام کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ انسان ہدایت حاصل کر سکے اور آخرت کی سعی اور جد و جہد کا ذریعہ اعمال ہیں اور ان احکامات کو توحید ہی سے شروع کیا اور توحید ہی پر ختم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام گناہوں میں شرک بڑے درجہ کا گناہ ہے اور درمیان میں زیادہ تر ان احکام کو بیان فرمایا کہ جو شعائر اسلام میں سے ہیں اور تمام ادیان اور شرائع میں مشترک ہیں اور سب کے سب محکم ہیں قابل نسخ نہیں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر واقع میں تم آخرت کے طالب ہو اور اس کے لیے ساعی ہو تو ان اعمال کو بجا لاؤ ان اعمال کے بجا لانے سے وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا کے مصداق بن سکو گے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم ۔۔۔ کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

اور گزشتہ آیات مثلاً إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ اور مثلاً مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ میں جس ہدایت کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان اہم احکام ہدایت کو بیان کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو ہدایت حاصل ہوتی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے توراۃ کی ساری اخلاقی تعلیم ان پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے اور وہ پندرہ آیات اسی رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

حکم اول توحید

اور حکم دیا تیرے پروردگار نے تمام بندوں کو کہ سوائے اس معبود برحق کے اور کسی کو نہ پوجو اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے عبادت نام ہے غایت تعظیم کا اور غایت تعظیم کا مستحق وہی ہے کہ جو غایت درجہ کا منعم اور محسن ہو اور وہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

حکم دوم، اکرام و احترام والدین

اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ ان دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا سبب حقیقی ہے اس لیے اول اس کا حکم دیا اور والدین انسان کے وجود کا سبب مجازی اور ظاہری ہیں اس لیے والدین کے ساتھ احسان کا حکم بعد میں دیا نیز والدین کی شفقت رحمت خداوندی کا ایک نمونہ ہے والدین کی شفقت ہر وقت موجزن

رہتی ہے کہ ہر طرح کی بھلائی اولاد کو پہنچا دیں اور ہر طرح کی برائی کو اولاد سے دور رکھیں اور والدین سے جس قدر خیر اور بھلائی کا اولاد کو پہنچانا ممکن ہوتا ہے وہ اس سے دریغ نہیں کرتے اور سوائے جذبۂ شفقت و محبت اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی اسی وجہ سے انعام اور احسان میں خدا کے بعد والدین کا درجہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ واجب اور لازم گردانا أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔

پھر چونکہ حق جل شانہ علیم و خبیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ والدین بڑھاپے کے وقت اولاد پر گراں ہوجاتے ہیں لہذا بطور اہتمام حکم دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے اور تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ضعف اور عجز سے ان کی وہ حالت ہوجائے جو بچپن میں تیری تھی اور ایسی حالت میں کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو طبعاً تم کو ناگوار ہو تو ایسی حالت میں بھی انکے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا اور ان کے سامنے "اُف" بھی نہ کرنا یعنی ہُوں اور ہاں بھی نہ کرنا یعنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو ان کے کانوں کو ناگوار گزرے اور کسی بات پر خواہ وہ تیرے لیے کیسی ہی خلاف طبع ہو ان کو نہ جھڑکنا۔ اظہار ناگواری میں زجر کا درجہ "اُف" کہنے سے بڑھا ہوا ہے اُف کہنا اظہار ناگواری کی ابتداء ہے اور زجر یعنی جھڑکنا اور ڈانٹنا اسکی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نہ ان کی بات سے ملول ہو اور نہ ان کی بات کو رد کرو اور ان کے سامنے نرمی اور ادب سے بات کرو جس سے انکی تعظیم و تکریم اور ادب مترشح ہوتا ہو اور از راہ شفقت و تواضع نہ از راہ سیاست و مصلحت انکے سامنے بازوئے ذلت کو پست کرو یعنی ان سے بکمال تواضع و انکسار کے ساتھ برتاؤ کرو جَنَاحَ الذُّلِّ کے معنی ذلت کے بازو ہیں حالانکہ ذلت کے بازو نہیں ہوتے تو یہ کلام بطور استعارہ ہے کہ جس طرح پرندہ اپنے بچے کی تربیت کے وقت اپنے بازو پست کرکے اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اسی طرح تم کو چاہیے کہ ایسی ہی تربیت اور شفقت کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ کرو اور ان کے لیے اس طرح دعا کرو کہ اے پروردگار ان دونوں پر ایسا خاص رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور کمال شفقت و رحمت سے میری پرورش کی جب کہ میں بالکل عاجز اور لاچار تھا۔

والدین اگر مسلمان ہوں تو انکے حق میں دعائے رحمت کے معنی ظاہر ہیں اور اگر کافر ہیں اور زندہ ہیں تو انکے حق میں دعاء رحمت کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ انکو ایمان اور اسلام کی ہدایت نصیب فرما کافر کے حق میں ہدایت سے بڑھ کر کوئی رحمت نہیں اور اگر والدین بحالت کفر مرچکے ہوں تو ان کیلئے دعائے مغفرت و رحمت جائز نہیں کما قال تعالیٰ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ اس

آیت کی تفسیر سورۂ توبہ کے اخیر میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے غرض یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اول والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اور پھر اس کے بعد پانچ باتوں کا حکم دیا۔

(اوّل) لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ ان کے سامنے اُف مت کرو۔

(دوم) وَلَا تَنْهَرْهُمَا۔ ان کو جھڑکو مت اور انکے سامنے آواز بلند نہ کرو۔

(سوم) وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ ان کے سامنے ادب سے بات کرو۔

(چہارم) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ؛ یعنی کمال تواضع اور کمال شفقت کے ساتھ ان سے برتاؤ کرو۔

(پنجم) وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا یعنی انکے لیے دعائے مغفرت ورحمت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ کمال ادب اور تواضع اور شفقت پر اکتفاء نہ کرو کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں بلکہ دعا کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت باقیہ اور دائمہ سے ان کی دستگیری کرے اور رحمت آخرت کی دعا مسلمان والدین کے لیے مخصوص ہے یہاں تک والدین کی ظاہری توقیر اور احترام کے متعلق احکام بیان فرمائے اب اگلی آیت میں باطنی ادب یعنی دل سے ادب اور احترام کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ والدین کے سامنے فقط ظاہر میں ذلت کا بازو پست کر دینا اور انکے سامنے اُف نہ کرنا یہ کافی نہیں بلکہ دل سے ان کا ادب کرنا اور باطنی طور پر انکی اطاعت اور فرماں برداری اور انکے ساتھ احسان کا قصد کرنا بھی ضروری ہے حتیٰ کہ دل میں انکی نافرمانی کا خیال بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ والدین کے متعلق تمہارے دلوں میں کیا بات پوشیدہ ہے ممکن ہے کہ ظاہر میں تم نے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا ہو لیکن دل میں کوئی گرانی اور ناگواری مضمر ہو سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم فی الواقع نیک بخت ہو گے یعنی دل سے ان کے مطیع اور فرماں بردار اور خدمت گزار ہو گے اور مقتضائے بشریت ان کا پورا حق خدمت ادا نہ ہو سکے گا اور اس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو گے تو بے شک خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی تقصیر کو بخشنے والا ہے ممکن ہے کہ یا عدم استطاعت کی بنا پر جو کمی اور کوتاہی انکی خدمت میں واقع ہو گی اس کو وہ معاف فرما دے گا اوّاب کی تفسیر میں کئی قول ہیں جامع قول یہ ہے کہ جو شخص کثرت کے ساتھ بار بار بات بات میں شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہو وہ اوّاب ہے۔

ایک فلسفیانہ وسوسہ[1] اور اس کا جواب

وسوسہ یہ ہے کہ اگرچہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری ہیں لیکن اس میں انکی نفسانی خواہش کو بھی دخل

---

[1] یہ فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب تفسیر سراج منیر ص ۲۲۱ جلد ۲ اور تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے اور ہماری یہ تمام تقریر اسی سے ماخوذ ہے (واللہ اعلم)

ہے جس سے ایک فرزند تولد ہوا اور پیدا ہو کر عالم آفات میں آپہنچا اور طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں میں آپہنچا تو والدین کا اولاد پر کیا احسان ہوا جس کا شکر واجب ہو اور اس احسان کے صلہ میں انکی اطاعت اور خدمت فرض ہو حتیٰ کہ ایک فلسفی اپنے باپ کو مارا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اس نے مجھ کو عالم کون فساد میں داخل کیا اور اس نے مجھ کو موت کا نشانہ بنایا اور فقر و فاقہ اور طرح طرح کے امراض و آلام کے دہانہ پر لاکر مجھے کھڑا کر دیا۔

اسی قسم کا ایک فلسفی ابو العلاء گزرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

هٰذا جناه ابی علی ✽ وما جنیت علیٰ أحدٍ

یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے ✽ اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا

یعنی میں نے[1] کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردۂ عدم میں رہنے دیا تاکہ میری وجہ سے پردۂ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو پردۂ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگرچہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہوا تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے تو محفوظ رہا۔

اسی طرح اسکندر سے پوچھا گیا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لیے لذت جماع کی خواہش تھی اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لا نکالا۔

جواب اس فلسفیانہ طویل تقریر سراپا تزویر کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اول امر میں والدین کا مقصود لذت نفسانی کی تحصیل ہو مگر جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس وقت سے لے کر اخیر تک دیکھو کہ ماں باپ نے اس فرزند دلبند کے ساتھ کیا معاملہ کیا اسکو اپنا لخت جگر جانا اور اسکی ولادت پر خوشیاں منائیں اور اسکی تربیت میں طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور اسکی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ضروریات زندگی میں اسکو اپنے سے مقدم رکھا اور اپنے اوپر تنگی برداشت کر کے دل و جان سے اسکے مصارف زندگی اور مصارف تعلیم پورے کیے اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا طرح طرح

---

[1] ابو العلاء معری کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے وہ دو شعر یہ ہیں۔

وترکت فیهم نعمة العدم التی ✽ سبقت وصدت عن نعیم العاجل

ولو انهم ولدوا لنالوا شدة ✽ ترمی بهم فی موبقات الآجل

(روح المعانی ص ۶۵ جلد ۱۵)

کی خوبیاں اور بھلائیاں جو اس کو پہنچا سکتے تھے وہ اس کو پہنچا ڈالیں اور جس بلا اور آفت کو اس سے ہٹا سکتے
تھے وہ اس سے دور کر دیں اور دن رات اس کوشش میں لگے رہے کہ اس مولود کو ہم سے جس قدر بھی ہو سکے نعمتیں
اور عزتیں اور راحتیں مل جائیں اور اس راہ میں جو مشقتیں پیش آئیں وہ والدین نے اپنے اوپر اٹھائیں یہاں
تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچا اور جوان ہو گیا کیا اس والہانہ شفقت و محبت اور بے غرضانہ تربیت اور راحت
کا کوئی معمولی سا نمونہ یا ادنیٰ سا نمونہ سوائے والدین کے کسی اور جگہ بھی دکھلایا جا سکتا ہے دیکھنا تو در کنار
ایسی محبت اور شفقت کے تصور سے عقل بھی قاصر ہے۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۲۲۳ جلد ۲ و روح المعانی ص ۵۰ جلد ۱۵)

ایسی بے مثال شفقت و تربیت کا کہ جو ابتدائے ولادت سے کر بیس سال تک مسلسل جاری
رہی جو احسان مند نہ ہو اور والدین کے اس حق تربیت کا منکر ہو وہ انسان کا بلکہ حیوان کا بھی کام نہیں حیوان
بھی اس مادہ کا احترام کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے بہر حال جس میں ذرا بھی عقل ہے وہ والدین کے
حق کا انکار نہیں کر سکتا حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا
رسول اللہ! میرے والدین بوڑھے ہو کر اس حد کو پہنچ گئے ہیں جس طرح والدین نے بچپن میں میرا خورد و نوش
کا ٹھیک ویسے ہی میں ان کی خورد و برداشت اور خبر گیری اور خدمت گزاری کر رہا ہوں تو کیا میں نے ان کا حق ادا
کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ وہ دونوں تیری خورد و برداشت کرتے تھے تو
ان کی تمنا اور آرزو یہ ہوتی تھی کہ تو زندہ رہے اور تو ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور چاہتا ہے
کہ وہ مر جائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالم، عالم اسباب ہے جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور حکمت سے ایک شی کو ایک
شی کا سبب بنایا۔ نسل انسانی اور حیوانی کے بقا کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ
نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذیذ طیبات اور مرغوبات اور مطعومات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہ کی نعمتیں ہیں
حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی
آمیزش کی وجہ سے ان کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نعمت کی
لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آجاتی ہیں تو وہ شخص اس ہاتھ کا ممنون
اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اس کو نو مہینہ اپنے
پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اس کو ازراہ شفقت
و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اٹھائے پھرے اور راتوں ان کے لیے جاگے اور اس کی راحت
کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ
کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

سالہا بر تو بگذرد کہ گذر ❊ نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر ❊ تا ہماں چشم داری از پسرت

حکم سوم۔ ادائے حقوق دیگر اہل حقوق

گزشتہ آیت میں والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اب اس آیت میں تمام اہل قرابت اور عام اہل حاجت کے ساتھ احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت دار اور رشتہ دار کو حسب قرابت اس کا حق ادا کر اور محتاج مسافر کو بھی دے ماں باپ کا حق چونکہ تمام رشتہ داروں سے بڑھا ہوا ہے اس لیے اول خدا تعالیٰ نے اس کی تاکید کی اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور محتاج اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ رشتہ اور محبت قائم رکھے اور خوش حالی اور افلاس دونوں حالتوں میں اس کے ساتھ حسن معاشرت اور الفت برتے اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرے اور اگر وہ تنگ دست ہوں تو ان پر خرچ کرے اور محتاج اور مسافروں کو خیرات دے اور اگر محتاج اور مسافر رشتہ دار بھی ہو تو انکے دینے میں دوہرا ثواب ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت یعنی وآت ذا القربیٰ حقہ نازل ہوئی تو اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ میرے قریب کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرئیل نے جواب دیا کہ قریب تمہارے فاطمہ ہے اور حق اس کا فدک ہے فدک انکو دے دو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فاطمہ کو فدک دے دیا۔

یہ روایت سراسر موضوع اور ساختہ پرداختہ شیعہ ہے اور خلاف عقل ونقل ہے اس لیے کہ اس روایت کا حاصل تو یہ ہے کہ آیت ذا القربیٰ سے فقط حضرت فاطمہؓ مراد ہیں اور حقہ سے فدک مراد ہے اور یہ بالکل غلط ہے الفاظ قرآنی کو ان معنی سے کوئی مس اور مساس نہیں لفظ ذا القربیٰ ایک لفظ عام اور امر کلی ہے جس کے معنی قرابت والے کے ہیں جو حضور پرنورؐ کے تمام قرابتداروں کو شامل ہے لہٰذا اس لفظ عام یعنی ذا القربیٰ کو فقط حضرت فاطمہؓ میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہو گا حضور پر نورؐ کے قرابت دار بھی ایک دو نہ تھے بلکہ بیسیوں تھے اور صاحبزادی بھی فقط ایک نہ تھی بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یہ تین صاحبزادیاں اور تھیں جو قرابت میں حضرت فاطمہؓ کے برابر تھیں اور کچھ کم نہ تھیں حق جل شانہ کے ارشاد یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں اور ایسا ہی کافی کلینی کی روایت بھی ہے جو صاف اور واضح ہے کہ آنحضرت

کی متعدد بیٹیاں تھیں تو کیا معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب قرابتداروں کو محروم کر کے سب کا حق حضرت فاطمہؓ کو دیدیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صاحبزادیاں نزول آیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور وفات مدینہ میں ہوئی۔ اور علی سبیل الفرض والتسلیم حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرات حسنینؓ اور حضرت جعفرؓ تو موجود تھے گویا کہ ایک حضرت فاطمہؓ کا حق تو دیا جائے اور باقی سب قرابتداروں کا حق تلف کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہئے تھا کہ مسکینوں اور مسافروں کے واسطے بھی کوئی چیز وقف کر دیتے تاکہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا نیز یہ کہنا کہ حق سے فدک مراد ہے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ آیت سورۂ اسراء کی ہے جو بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا فدک تو ہجرت کے ساتویں برس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا اور علیٰ ھذا سورۂ روم کی ایک آیت جس میں وَالْقُرْبٰى کا لفظ آیا ہے وہ بھی مکی ہے نیز اگر یہی مراد ہوتے تو مقتضائے کلام یہ تھا کہ اُمت فاطمة فدک فرما دیتے اس تطویل کی کیا حاجت تھی نیز لفظ حق کا استعمال جب مناسب ہے کہ جب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہبہ یا ہبہ کے ذریعے حضرت فاطمہؓ کی ملکیت فدک ثابت ہو جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے دینے میں معاذ اللہ کچھ تقصیر ہوئی تو پھر یہ کہنا مناسب ہوتا کہ فاطمہؓ کو ان کا حق دیدو کیونکہ اگر کوئی چیز دبا لیتا ہے تو اس کو کہا کرتے ہیں کہ فلانے کا حق دیدو۔

نیز اگر شیعوں کے نزدیک ذالقربیٰ کے لفظ سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہی مراد ہوتی تھیں تو اس بنا پر آیت کریمہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى۔ میں ذی القربیٰ سے حضرت فاطمہؓ ہی مراد ہوں گی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ مال غنیمت کا خمس صرف فاطمہؓ کے لیے ہے باقی حضرت فاطمہؓ کے علاوہ دیگر بنی ہاشم کو دینا اور لینا جائز نہیں اہل تشیع نے یہ سمجھا کہ اس آیت میں خطاب لفظ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے خاص حضرت فاطمہؓ کو حق فدک دینے کے بارے میں بطور خاص آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

اور یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں ما قبل اور ما بعد میں تمام خطابات امت کو ہیں اور امت کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم ان احکام کو بجا لانا کیونکہ شروع آیت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ اور رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اور وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ وغیرہ وغیرہ میں تمام ضمیریں جمع کی ہیں اور باقی رہا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ یہ خطاب بھی اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر اس سے بھی مراد امت ہی کا ہر فرد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ تو بچپن ہی میں گزر گئے تھے لہٰذا یہ حکم کہ ماں باپ کے سامنے اف نہ کرنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا درحقیقت امتیوں کو سنانے کے لیے ہے آپ کے لیے نہیں۔

اور علیٰ ھذا وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا کا حکم بھی تمام امت کے لیے ہے اسی طرح سمجھ کر وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ میں بھی خطاب ہر شخص کو ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ قرابتداروں کا حق ادا کرے اور

صلہ رحمی سے دریغ نہ کرے اور علیٰ ھذا القیاس سورۂ روم میں اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ کے بعد فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ سے بھی صلہ رحمی کی ترغیب مقصود ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اگر اہل قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں وسعت دے گا اس آیت میں بھی گو مخاطب خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن فی الحقیقت خطاب عام ہے غرض یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں شیعوں نے جو قصہ فدک کی یہ روایت نقل کی ہے وہ سراسر دروغ بے فروغ ہے دشمنان دین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا طلبی کی تہمت لگانے کے لیے گھڑی ہے کہ اپنی بیٹی کو دینے کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا حوالہ دے دیا تاکہ اس ہبہ پر کوئی اعتراض نہ کرے استغفر اللہ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

حکم چہارم ممانعت از اسراف

اور اپنی دولت کو ناحق اور بے جا نہ اڑا بے شک اپنے مال کو بیجا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اس لیے کہ اسراف فعل شیطانی ہے پس جس نے اسراف اور فضول خرچی کی وہ شیطان کے بھائیوں میں سے ہو گیا اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے مال و دولت اللہ کی نعمت ہے راہ حق میں اس کو خرچ کرنا یہ اس کا شکر ہے اور ناحق خرچ کرنا یہ اس کی ناشکری ہے۔

حکم پنجم تلطف در جواب سائل

اور اگر تجھ سے اقرباء اور احباب سوال کریں اور اس وقت تیرے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تو اپنے پروردگار کے فضل و رحمت کے انتظار میں جس کے ملنے کی تجھے امید ہو اور مجبوری کی وجہ سے تو ان عزیزوں سے تغافل برتے تو ایسی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے بات کر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس کوئی سائل آکر سوال کرتا ہے اور اس وقت اسکے پاس کچھ دینے کو نہیں ہوتا مگر اسے کہیں سے مال آنے کی امید ہوتی ہے ایسی صورت میں خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ نرمی سے انکو جواب دو کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں پھر آنا۔

حکم ششم اقتصاد و اعتدال در انفاق مال

اور مال خرچ کرنے میں اعتدال کو ملحوظ رکھو نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا رکھ یعنی نہ تو غایت

بخل کی وجہ سے بالکل ہاتھ روک لے گویا کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے کسی کو کچھ دینے کے لیے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو پورا ہی کھول دو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے ڈالو اور آئندہ کا کچھ ہوش نہ رہے پھر تو خالی ہاتھ گھر میں بیٹھا رہ جائے ملامت کیا ہوا درماندہ اور محتاج یعنی اگر بخل کی وجہ سے ہاتھ کو بالکل بند کرلیا تو "ملوم" ہو گا سب لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تیری بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور اگر ہاتھ کو کشادہ کر دیا تو محسور یعنی درماندہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائے گا۔ "حسیر" اصل میں اس چوپایہ کو کہتے ہیں کہ جو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ رہا ہو اسی طرح جس نے اپنا کل مال خرچ کر ڈالا وہ بھی اس سواری کے مشابہ ہے جو تھک کر بیٹھ رہا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا حدیث میں ہے کہ جو خرچ میں درمیانی چال چلے گا وہ کبھی مفلس نہ ہو گا بے شک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ قبض اور بسط اللہ ہی کو زیبا ہے اس کے خزانے خالی نہیں ہوتے رہے بندے سو ان پر حکم کے مطابق میانہ روی واجب ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا ہے وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس بندہ کو چاہتا ہے تونگر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ کون امیری کے لائق ہے اور کون فقیری کے لائق ہے تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہٰذا تم کو جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہو جاؤ اس کی حاجت تیرے ذمہ نہیں اللہ کے ذمے ہے" انتہی کلامہ۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہ ہو جائے گا اور تمہاری سخاوت سے تم فقیر اور دوسرا غنی نہیں بن جائے گا امیر بنانا اور غریب بنانا سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے تمہارا کام میانہ روی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حکم دیا وہی تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کے حکم پر چلو اور اپنی فکر کرو اور اپنے انجام کو سوچو۔

حکم ہفتم، ممانعت از قتل اولاد

اور اے مشرکو! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو مت قتل کرو ہم ہی تو ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق دینے والے ہیں نہ کہ تم۔ پھر تم اس فکر میں کیوں پڑتے ہو بے شک اولاد کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے عرب کے مشرک اپنی لڑکیوں کو فقر کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے بعض عار کی وجہ سے اور بعض اس خیال سے کہ انہیں کھلائے گا کہاں سے کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزی رسان اللہ تعالیٰ ہے تم بے رحمی کا کام نہ کرو۔

حکم ہشتم، ممانعت از زنا

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بڑی بے حیائی ہے جس کی قباحت اور شناعت بالکل ظاہر ہے اور بہت بری راہ ہے زنا سے حسب ونسب گڑبڑ ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی عداوتیں اور لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور سب راستے زنا سے نکلے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اگر یہ راہ چلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے تو کوئی دوسرا اس کی عورت پر نگاہ کرے گا ۱ھ اپنی غرض یہ ہے کہ زنا بہت بری راہ ہے فواحش پرستوں کی راہ ہے اللہ نے یہ حکم دیا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو اجنبی عورت کو بدون عذر شرعی کے دیکھنا زنا کے قریب جانا ہے زنا سے حسب ونسب غلط ملط ہو جاتے ہیں یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لڑکا کس کا ہے پھر یہ کہ زنا سے جو اولاد ہوتی ہے اس کی پرورش کا کوئی کفیل نہیں ہوتا زنا سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا جس طرح حیوان جس مادہ سے چاہتا ہے اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے اسی طرح زنا کار بھی جس عورت سے چاہتا ہے اپنی مستی نکال لیتا ہے جس طرح جانور کو نکاح کی ضرورت نہیں اسی طرح زانی کو بھی نکاح کی ضرورت نہیں اور شیعوں کا متعہ بھی زنا کی ایک قسم ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی تفسیر میں اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حکم نہم ممانعت از قتل ناحق

اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے مگر حق کے ساتھ اور قتل حق کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ قاتل کو قتل کی سزا میں بطور قصاص قتل کیا جائے دوسرے یہ کہ زانی محصن کو زنا کی سزا میں سنگسار کیا جائے تیسرے مرتد کو ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے یعنی جو دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ بھی واجب القتل ہے ان تین صورتوں کے سوا مسلمان کا قتل کرنا حرام ہے اور جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے قاتل پر غلبہ دیا ہے یعنی ولی مقتول کو اختیار ہے کہ چاہے قاتل سے قصاص لے یا دیت لے لے یا معاف کر دے لیکن اس وارث کو چاہئے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کرے ایک کے بدلے میں دو کو قتل نہ کرے اور نہ مثلہ کرے اور بغیر قاتل کو قتل کرے بے شک اس ولی مقتول کی ہماری طرف سے مدد ہوتی ہے مظلوم کی حق تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور حکام حکومت کو بھی حکم ہے کہ اس کی مدد کریں جہاں تک ممکن ہو مظلوم کا حق دلائیں

رشوت اور سفارش سے کسی مظلوم کے دعوے کو خارج نہ کریں۔

حکم دہم، ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر اور یتیم کے لیے مفید اور نافع ہو یعنی اصلاح اور حفاظت کو ملحوظ رکھو خرد برد کی نیت سے اس کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے تب اسی وقت اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

حکم یازدہم، ایفائے عہد

اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ عہد پورا کیا تھا یا توڑ دیا تھا سب سے پہلے عہد عہد الست ہے اور اس کے بعد ایمان ہے کہ وہ بھی ایک قسم کا عہد ہے کہ اللہ کے اوامر کو بجا لاؤں گا اور منہیات کو ترک کر دوں گا اور نذر بھی ایک قسم کا عہد ہے اور مخلوق سے جو عہد کیا ہے اسے بھی پورا کرو بشرطیکہ وہ عہد شریعت کے مطابق ہو اور کسی معصیت پر وہ عہد نہ کیا ہو غرض یہ کہ لفظ عہد عام ہے خالق سے ہو یا مخلوق سے اس کا ایفاء واجب ہے۔

حکم دوازدہم، ایفائے کیل

اور جب دوسرے کے لیے ناپو تو پورا ناپو۔ مطلب یہ ہے کہ ناپ میں کمی نہ کرو اپنے لیے کم ناپنے میں کوئی حرج نہیں۔

حکم سیزدہم ایفائے وزن

اور جب دوسرے کے لیے وزن کرو تو سیدھی ترازو سے تولو جس میں کجی اور جھکاؤ نہ ہو یعنی پورا تولو یہی حکم یعنی پوری ناپ تول تمہارے لیے بہتر ہے قناعت میں برکت ہے اور دنیا و آخرت میں انجام کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور بہت خوب ہے پورا تولنا اور پورا ناپنا دنیا میں بھی نیک نامی کا ذریعہ ہے۔

حکم چہاردہم عدم جواز عمل بر امر نامعلوم

یعنی جب تک کوئی بات پوری طرح معلوم نہ ہو جائے اس پر حکم لگانا جائز نہیں کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ یعنی جس بات کی تجھے تحقیق اور خبر نہیں اس کے پیچھے نہ لگ بغیر سنے اور بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے کوئی حکم نہ لگا دے بے شک آنکھ، کان اور دل قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی بندہ سے بھی ان اعضاء کے متعلق سوال ہوگا اور خود ان اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا سنا اور کیوں سنا اور کیا دیکھا اور کیوں دیکھا اور دل سے پوچھیں گے کہ تو نے کیا جانا اور کیوں جانا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے متعلق دعویٰ کر کے یوں نہ کہے کہ یوں ہے اور بے تحقیق گواہی نہ دے۔

حکم پانزدہم۔ ممانعت از رفتار تکبر و تبختر

اور مت چل تو زمین پر اتراتا ہوا اور اکڑتا ہوا یعنی ایسی چال مت چل جس سے بڑائی اور فخر معلوم ہو بلکہ نرم رفتار چلئے جس سے تواضع معلوم ہو تحقیق تو ایسی مغرورانہ رفتار سے زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا کہ سوراخ کر کے اس کی انتہا کو پہنچ جائے اور بلندی اور لمبائی میں ہرگز پہاڑوں کو نہیں پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ اس مغرورانہ رفتار سے سوائے حماقت کے کوئی فائدہ نہیں ایڑی کے بل چلنے سے تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پنجوں کے بل چلنے سے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا تمہارا یہ تکبر نہ زمین برداشت کر سکتی ہے اور نہ پہاڑ برداشت کرتے ہیں پھر کیوں اکڑ کر چلتے ہو یہ سب ممنوعات جن سے ممانعت کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک بری بات ہے تیرے پروردگار کے نزدیک اور نہایت ناپسندیدہ ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر فرمایا وہ پچیس ہیں جن میں سے بعض مامورات ہیں اور بعض ممنوعات و منہیات ہیں یعنی بعض امور وہ ہیں جن کی بجا آوری کا اللہ نے حکم دیا اور بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان سب کو شمار کر دیا جائے تاکہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہو۔

(اول) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (دوم) خالص اللہ کی عبادت کرو (سوم) غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ (چہارم) والدین کے ساتھ احسان کرو (پنجم) والدین کے سامنے اف نہ کرو (ششم) انکو نہ جھڑکو اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو۔ (ہفتم) ان سے ادب سے بات کرو جس سے انکی تعظیم و تکریم ٹپکتی ہو۔

(ہشتم) ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ۔ (نہم) ان کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرو (دہم) قرابتداروں کے حقوق ادا کرو (یازدہم) مسکین کا حق ادا کرو (دوازدہم) ابن السبیل کا حق ادا کرو۔ (سیزدہم) اسراف اور فضول خرچی سے بچو (چہاردہم) اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب میں قَوْلًا مَّيْسُوْرًا یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے (پانزدہم) اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھو کہ بخیل نہ بن جاؤ (شانزدہم) ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جو کچھ ہیں آگے سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ۔ (ہفدہم) تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ (ہشتدہم) زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ (نوزدہم) کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو (بستم) قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو (بست ویکم) مال یتیم ناحق مت کھاؤ۔ (بست ودوم) عہد کو پورا کرو (بست وسوم) ناپ تول کو پورا کرو۔ (بست وچہارم) اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں (بست وپنجم) زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ چلو۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا

یہ ہے بھی ایک جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے اور نہ

تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا

ٹھہرا اللہ کے سوا اور کی بندگی پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھایا

مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ

دھکیلا کیا تم کو چن کر دے دیے تمہارے رب نے بیٹے اور آپ نے

الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

فرشتے بیٹیاں تم کہتے ہو بڑی بات

خاتمۂ کلام بر تاکید احکام و توحید خداوند نام

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ... اِلٰى ... اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

یہ احکام مذکورہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی منجملہ اس حکمت کے ہیں جو تیرے پروردگار نے تیری طرف وحی

کہ یہ سب عمدہ اور پاکیزہ ہدایات ہیں جو بمنزلہ مغز نصیحتیں اور ہدایتیں کی گئیں وہ من جملہ ان علم و حکمت کی باتوں کے ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے اور یہ تمام احکام دیگر ادیان اور شرائع میں بھی آئی ہیں ان میں نسخ ممکن نہیں انکی رعایت واجب ہے اس لیے کہ یہ تمام امور بمنزلہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال ہیں سراپا حکمت ہیں ان میں نسخ کی گنجائش نہیں اور چونکہ ان احکام میں دین و دنیا کی ساری خوبیاں موجود ہیں اس لیے ان کا خاتمہ بھی توحید ہی کے حکم پر کیا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا پس اس شرک کی وجہ سے تجھ کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ درآنحالیکہ تو ملامت کیا ہوا ہو اور دور پھینکا ہوا نفس تیرا تجھ کو ملامت کرے گا اور تو رحمت خداوندی سے دور ہوگا پھر اس کے بعد آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو سمجھتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور خود اس نے اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنا لی ہیں اے مشرکین ذرا غور تو کرو بے شک تم بڑی بھاری بات کہتے ہو خدا تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے بیٹا اور بیٹی ہونا تو جسم مرکب ذی اجزاء کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسمیت اور ترکیب سے پاک اور منزہ ہے پھر تمہاری ایک حماقت یہ ہے کہ تم خدا پر اپنے کو ترجیح دیتے ہو کہ اپنے لیے بیٹے ٹھہراتے ہو اور بیٹیاں جن سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو انکو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو بیان کر کے تاکید اور اہتمام کے لیے یہ فرمایا کہ یہ احکام پر حکمت کی باتیں ہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم سے اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا اور اسی پر ختم فرمایا جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے بغیر اس کے کوئی عمل قبول نہیں جہاں تک ممکن ہو توحید کو اپناؤ اور بناؤ تا کہ تمہاری زندگی کا خاتمہ اسی پر ہو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ الواح توریت جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں ان میں یہ تمام احکام حکمت مذکور تھے جن کا آغاز لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے ہوا اور ان کا خاتمہ بھی وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ پر ہوا۔

(السراج المنیر ص ۱۰ جلد ۲)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ

اور پھیر پھیر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں تا کہ سوچیں

وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

اور ان کو زیادہ ہوتی ہے وہی بدکنا کہہ اگر ہوتے

مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

اس کے ساتھ اور حاکم ، جیسا یہ بتاتے ہیں ، تو نکالتے تخت

اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ

کے صاحب کی طرف راہ وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ

اور برتر ہے ان کی باتوں سے بہت دور اس کی ستھرائی بولتے

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ

ہیں آسمان ساتوں اور زمین ، اور جو کوئی ان میں ہے اور

مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی ، لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا

تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

پڑھنا بے شک وہ ہے تحمل والا بخشتا اور جب

قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا

تو پڑھتا ہے قرآن ، کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا

مانتے آخرت کو ، ایک پردہ ڈھکا ہوا اور رکھے ہیں

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

ان کے دلوں پر اوٹ ، کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ

وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا

اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا اکیلا کر کر

عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ

بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ہم خوب جانتے ہیں جیسا وہ سنتے ہیں

بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ

جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف، اور جب وہ مشورہ کرتے ہیں، جب کہتے ہیں

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۴۷ اُنْظُرْ

بے انصاف، جس کے کہے پر چلتے ہو نہیں وہ مگر ایک مرد جادو مارا دیکھ!

كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

کیسی بٹھاتے ہیں تجھ پر کہاوتیں، اور بہکتے ہیں، سو راہ نہیں

سَبِیْلًا ۝۴۸

پا سکتے

تاکید توحید وبیان حال منکرین نبوت

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ... الیٰ ... فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم توحید کا تھا اب ان آیات میں اسی تاکید اور تائید کے لیے ابطال شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان منکرین نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ تنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں توحید کے مضامین سنتے ہیں تو ان کی وحشت اور نفرت کچھ اور زیادہ ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبر کے تکذیب اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ حسد اور عناد کی انتہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم وحکمت کی اور موعظت ونصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں اور علم وحکمت کی باتوں کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جاتے لیکن افسوس ہے ان کی عقل پر کہ باوجود اس کے نہیں زیادہ کرتا ہے قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے مگر اور زیادہ بدکنے لگے اور وحشت کھا کر بھاگے

لگے تب سمجھو کہ جس کو علم و حکمت کی باتوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اسکی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا محکوم اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال و قتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال و قتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل منافی ہے اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پرلے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدا نہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی اور اگر بالفرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا اس لئے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل اور یکتا اور یگانہ ہو اور کوئی اس کا مثل اور ہمسر اور برابر نہ ہو کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا کی تفسیر میں آئے گی یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالا و برتر ایک ہی ہے وہ ذات والا صفات پاک اور منزہ ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارہ میں کہتے ہیں بہت زیادہ بلندی اور برتری کہ جہاں وہم و خیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عالی میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ و سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہئے پہاڑوں کا اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۔

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھوں میں سنی گئی حاضرین مجلس کا سنگریزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرق عادت تھا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

مسئلہ | تسبیح نباتات وجمادات کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ہر زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے گھاس اور شاخ جب تک درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات واقعۃً اور بزبان قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور پر سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ÷ دلے داند دریں معنی کہ گوش است

نہ بلبل بر گلش تسبیح خوان است ÷ کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبان است

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

چوں ندارد جان تو قندیلہا ÷ بہر بینش کردۂ تاویلہا۔

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا ÷ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

یہاں تک تو مشرکین کی توحید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت اور ان کے استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جب آپ بغرض دعوت و تبلیغ ان کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ) حق اور ہدایت کے لیے ساتر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ کافروں اور ان کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ کا قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء و عیب جوئی سنتے ہیں تاکہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ یہ لوگ آپ کے بارہ میں اور قرآن کے بارہ میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں سے قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسکی عقل زائل ہو گئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حضور پر نور سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو سے اسکی عقل مغلوب ہو گئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے دیکھ لیجئے کہ ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کیسی مثالیں بنائیں اور تجھ پر کیسی کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سروپا باتوں کے کہنے سے خود گمراہ ہوئے کہ علم و حکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلانے لگے حالانکہ جو علوم و معارف آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعلیم اور القاء سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عناد حد سے گزر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہ راست کو نہیں پا سکتے جب تک حسد اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہ راست کا نظر آنا ممکن نہیں۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم

لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً

پھر اٹھیں گے نئے بن کر تو کہہ، تم ہو جاؤ پتھر،

اَوْ حَدِيدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ

یا لوہا یا کوئی خلقت جو مشکل لگے تمہارے جی میں

فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُّعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ اَوَّلَ

پھر اب کہیں گے، کون لوٹائے گا ہم کو؟ تو کہہ جس نے بنایا تم کو پہلی بار

مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ

پھر اب مٹکاویں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہے

هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ

وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہوگا جس دن تم کو پکارے گا

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا

پھر چلے آؤ گے سراہتے اس کو اور اٹکلو گے (گمان کرو گے) کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر

قَلِيلًا ﴿٥٢﴾

تھوڑی

اثبات معاد

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ... الیٰ ..... اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

(ربط) گزشتہ آیات میں الہیات اور نبوات کے متعلق کلام فرمایا اب ان آیات میں منکرین قیامت کا ایک شبہ نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں منکرین قیامت یہ کہا کرتے تھے کہ جب آدمی مر جائے گا اور گوشت پوست اس کا گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر وہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ تو بہت آسان ہے جس قدرت نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد تمہارے اجزاء خواہ ہوا میں اڑ جائیں یا آگ میں جل جائیں یا مٹی میں مل جائیں اللہ تعالیٰ کے خزانہ علم اور احاطہ قدرت سے باہر نہیں جا سکتے جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تمہارے بدن کے اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے ایک نطفہ سے تمہارا پیکر تیار کیا وہ دوبارہ ان اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے تمہارا پیکر تیار کرنے پر قادر ہے۔

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت از خزینہ قدرت تو کے گریخت

اور جب وہ اس دلیل قطعی سے لاجواب ہو گئے تو سر ہلا کر پوچھتے ہیں مَتٰى هُوَ اچھا پھر وہ قیامت کب آئے گی اس کا جواب یوں دیا گیا کہ عنقریب آنے والی ہے مگر اس کے آنے کا وقت نہیں

بتایا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس طرح یہ لوگ قرآن اور نبی سے نفور اور بیزار ہیں اور اس کا تمسخر کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ اس منکر کا یہ کہنا کہ مرنے کے پیچھے زندہ ہوگا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اسے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہڈیوں کی دوبارہ زندگی کو بعید از عقل سمجھتے ہو اچھا تم سختی میں پتھر اور قوت اور وزن میں لوہا بن جاؤ جن میں حیات کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں یا کوئی اور مخلوق ہو جاؤ جو تم کو ہاتھ کے دماغ سے بڑی معلوم ہو تب بھی تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ تم ہڈیوں کو دوبارہ جوڑنے اور زندہ کرنے کو بعید از عقل سمجھتے ہو حالانکہ وہ ایک عرصہ دراز تک محل حیات رہ چکی ہیں پس اگر بالفرض تم پتھر یا لوہا وغیرہ جن کو دنیا میں روح اور حیات سے تعلق نہیں اگر ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ زندہ کرے گا جس خدا نے پہلی بار ہڈیوں میں حیات پیدا کی اسے ان میں دوبارہ حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے تم جو چاہو ہو جاؤ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پس قریب ہے کہ یہ سن کر وہ یہ کہیں گے کہ مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا آپ جواب میں کہہ دیجئے وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا وہ تمہارے دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا اس کی قدرت کاملہ جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہے اور تمہاری فطرت اور قابلیت اور صلاحیت بھی ویسی ہے جیسے پہلے تھی اپنی حقیقت کے اعتبار سے گوشت اور پوست اور لوہا اور پتھر اور ماضی اور حال اور استقبال سب برابر ہیں پس اس پر یہ لوگ استہزاء اور تمسخر سے تیری طرف اپنے سر مٹکائیں گے اور سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا یہ بتلائیے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونا کب ہوگا آپ کہہ دیجئے کہ شاید وہ قریب ہی ہو اس کو دور نہ سمجھو دنیا بھی چند روزہ ہے اور تمہاری زندگی بھی چند روزہ ہے جب انسان مر گیا تو اس کی قیامت تو آگئی اور اس نے اپنی قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو سب سمجھ لو کہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے پہلے ہی سے اس کی فکر کرو اور یہ واقعہ اس روز ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قبروں میں سے زندہ کرکے بلائے گا اور میدان حشر کی طرف تم کو پکارے گا اور بلاتے گا تو تم اس آواز کو سنتے ہی اضطراری طور پر خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی اور جس چیز کو اس وقت محال بتا رہے ہو اس وقت اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے۔

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ لوگ قبروں سے سبحانک اللھم وبحمدک کہتے ہوئے نکلیں گے مگر کافر کو اس حمد و ثنا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے اس کا یہ کہنا اضطراری طور پر جبراً و قہراً ہوگا اور گمان کرو گے کہ ہم نہیں ٹھہرے دنیا میں یا قبر میں مگر بہت تھوڑا اور حیران اور پریشان

ہو کر باہم گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں کس قدر ٹھہرے، یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھہرے، پس عقلمند کو چاہیئے کہ اس تھوڑی سی زندگی کو اس دائمی زندگی کے لیے صرف کرے تاکہ اس دن حسرت اور ندامت کی ذلت میں مبتلا نہ ہو۔

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری — بخر جانِ من ورنہ حسرت بری
کسے گوئے دولت ز دنیا ببرد — کہ باخود نصیبے بہ عقبیٰ ببرد

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ
اور کہہ دے میرے بندوں کو، بات وہی کہیں جو بہتر ہو

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ
شیطان جھگڑا ڈلواتا ہے آپس میں، شیطان ہے انسان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ
کا بے شک دشمن صریح، تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو، اگر

يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ
چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو عذاب (سزا) دے اور تجھ کو نہیں بھیجا

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
ہم نے ان پر ذمہ لینے والا، اور تیرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ
اور زمین میں، اور ہم نے زیادہ کیا ہے بعضے نبیوں کو بعضوں سے

وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اور دی ہم نے داؤد کو زبور، کہہ، پکارو جن کو سمجھتے ہو

مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

سوا لگے، سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے، اور نہ

تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى

بدل دیں وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، ڈھونڈتے ہیں اپنے

رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ

رب تک وسیلہ، کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور اُمید رکھتے ہیں اسکی مہر کی اور

يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

ڈرتے ہیں اسکی مار سے بے شک تیرے رب کی مار ڈرنے کی چیز ہے

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور کوئی بستی نہیں، جس کو ہم نہ کھپاویں گے قیامت سے پہلے

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ

یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت یہ ہے کتاب میں

مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ

لکھا گیا اور ہم نے اس سے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ

كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوجھانے کو

فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ

پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو اور جب

قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

کہہ دیا ہم نے تجھ سے، کہ تیرے رب نے گھیر لیا لوگوں کو اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا

الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ

ہم نے ، سو جانچنے کو لوگوں کے ، اور وہ درخت جس پر پھٹکار ہے

فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا

قرآن میں اور ہم ان کو ڈراتے ہیں ، تو ان کو زیادہ ہوتی ہے

كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾

بڑی شرارت

تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات از شبہات مشرکین

قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ...... الیٰ ...... اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا

ربط: توحید اور قیامت کی حقانیت پر دلائل قائم کرکے مسلمانوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ مخالفین سے جب بحث کی نوبت آئے تو الفاظ نرم ہونے چاہئیں کیونکہ سختی سے بسا اوقات سب وشتم کی نوبت آجاتی ہے اور شیطان باہمی نفرت اور عداوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مخالف ضد پر اتر آتا ہے ایسی حالت میں دعوت وتبلیغ بے سود ہو جاتی ہے بعد ازاں مشرکین کے چند شبہات کے جوابات دیئے جو نہایت نرم ہیں اور باوجود نرم ہونے کے نہایت محکم ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! میرے بندوں یعنی مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ کافروں سے بات چیت کریں تو وہ بات کہیں جو بہت اچھی ہو کفار اگر سخت کلامی کریں تو ان کا جواب نرمی سے دیں بے شک شیطان سخت بات زبان سے نکال کر لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے تو اندیشہ ہے کہ سختی کا جواب سختی سے دینے میں جھگڑا بڑھ جائے گا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ہرگز اس کی بھلائی نہیں چاہتا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شروع شروع میں مسلمان کافروں کو لعن طعن کیا کرتے تھے لہٰذا فتنہ اور فساد بڑھتا تھا اور عداوت کی بیخ مضبوط ہوتی تھی اور یہ اسلام کی ترقی میں حرج پیدا کرتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی چونکہ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اس لیے بلحاظ وقت نزول اس آیت میں عبادی سے خصوصیت کے ساتھ مہاجرین اولین مراد ہیں جو کفار قریش سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے لفظ عباد کو یاء کی طرف مضاف کرکے عبادی فرمایا یعنی میرے خاص بندے اس میں لطف وکرم خاص ہے مہاجرین اولین کے ساتھ جس کے وہ مورد بنائے گئے وھو المقصود (حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام کا ترجمہ

ختم ہوا) (ازالۃ الخفاء)

پس اے حبیب خاص بندوں (تبعین) کا فروں کی دعوت اور نصیحت میں شدت و خشونت یعنی سختی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ تمہارا پروردگار تم کو خوب جانتا ہے ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد کو اور ہر ایک کے انجام کو خوب جانتا ہے اور اپنی مخلوق کا مختار ہے جو چاہے کرے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور بغیر ناصح کی شدت اور خشونت ہی کے ہدایت دیدے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے کر باوجود ناصح کی شدت اور خشونت کے انکو ہدایت نہ دے اور عذاب دنیاوی یا اخروی سے ہلاک کرے مطلب یہ ہے کہ مشیت خداوندی تم سے پوشیدہ اور مستور ہے اور آپ کو اور کسی کو اس کا انجام معلوم نہیں اور ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں خدا جس کو چاہے گمراہ کرکے عذاب دے اور جس کو چاہے ہدایت دے اور اے نبی! ہم نے تجھ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا آپ کا کام یہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے انکو تبلیغ اور دعوت اور نصیحت کرتے رہیے اور آپ ان پر نگہبان نہیں لہذا سختی اور درشتی بے کار ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کافر ہیں حق والا ان سے جھگڑنے لگتا ہے اور دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے وہ سمجھادے۔ (موضح القرآن)

یعنی پیغمبر کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچادے پھر جو کوئی مانے تو اس کا بھلا ہے اور جو نہ مانے اس کا برا ہے سختی کرنی بے سود ہے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ دعوت اور نصیحت میں نرمی اور حسن اخلاق کو ملحوظ رکھیں اور کسی کو دوزخی اور جہنمی نہ کہیں کیونکہ خاتمہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ایمان پر ہوگا کہ کفر پر۔

اب آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ہر ایک کا حال اور مآل جانتا ہے اور جو بات جس کے حق میں مصلحت ہے یا مضر ہے سب جانتا ہے اس لیے لوگوں کو اخلاق و اعمال و احوال و مآل اور حسن و جمال کے اعتبار سے مختلف بنایا اور اس اختلاف اور تفاوت کو باہمی تمایز کا ذریعہ بنایا اور اپنے علم اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے اسی علم کے موافق بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی جس کے لیے جو فضیلت چاہی وہ انکو عنایت کی ابراہیم علیہ السلام کو خلت اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالمت عطا کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ و ابرص جیسے معجزات عطا کیے اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی جو حکمت اور فصل خطاب پر مشتمل تھی اور یہ عطاء زبور ان کی فضیلت کا ذریعہ بنی حالانکہ داؤد

علیہ السلام سب بھائیوں میں پست قد اور لوگوں کی نظروں میں حقیر و فقیر تھے مگر اللہ نے انکو یہ فضیلت بخشی کہ نبوت و رسالت بھی عطا کی اور اس کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی تاکہ سلطنت نبوت و رسالت کی معین و مددگار اور خدمت گزار ہو غرض یہ کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینا یہ حق تعالیٰ کی سنت قدیم ہے کوئی بدعت نہیں حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ پس اگر ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت عطا کی اور آپ کو جملہ انبیاء پر فضیلت دی اور ان پر قرآن عظیم اتارا تو اس میں استبعاد اور انکار کی کون سی بات ہے اس آیت میں قریش کے تعجب کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ سارے عرب میں خدا کو رسول بنانے کے لیے ابو طالب کا یتیم ہی پسند آیا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ بزرگی کا دارومدار مال و دولت پر نہیں بلکہ خداداد فضائل و شمائل پر ہے جیسا کہ انجیل میں ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے خراب جان کر پھینک دیا وہی محل کا کنگرہ اور سیرا ہوا"

نکتہ اور زبور کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس سے آپ کی اور آپ کی امت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح داؤد علیہ السلام نبوت و رسالت کے ساتھ صاحب سلطنت عظیم بھی تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت عظیم بھی عطا فرمائے گا اور داؤد علیہ السلام کی طرح آپ بھی صاحب جہاد ہوں گے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے کان لا یفر اذا لاقی یعنی داؤد علیہ السلام جہاد میں کبھی پیچھے نہ ہٹتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت اور بادشاہت کو ایک کمل میں جمع کرے گا اور پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سرزمین شام و فارس کے وارث اور حکمران ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اسکی خبر دی ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

چنانچہ یہ وعدہ خداوندی صحابہ کرام زمین ایران و شام کے وارث ہوئے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت اور بادشاہت سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت اور بادشاہت کا نمونہ تھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرح نبی نہ تھے لیکن بدرشید صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ ولی بادشاہ تھے۔ داؤد علیہ السلام کی گدڑی میں نبوت اور خلافت جمع تھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے کمبل میں ولایت اور خلافت جمع تھی اور جس کمبل میں ولایت اور بادشاہت دونوں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جو فرماں روا فضائل و شمائل میں نبی کا نمونہ اور ہم رنگ ہو تو وہ خلیفۂ راشد ہے

اے وصف تو در کتاب موسیٰ ✽ وے وصف تو در زبور داؤد
مقصود توئی ز آفرینش ✽ باقی بطفیل تست موجود

مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے فضائل و شمائل سے عزت بخشی وہ سب اللہ کے عبادت گزار بندے تھے تم کو چاہیئے کہ انکے نقش قدم پر چلو اور ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ

جانو نہ کہ معبود اس لیے آئندہ آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر فرماتے ہیں۔

رجوع بسوئے ابطال شرک

مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کرتے اور کہتے کہ وہ بڑے بزرگ ہیں ان کو پکار سکتے ہیں حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود قرار دیئے ہوئے ہو جیسے ملائکہ اور جنات ذرا انکو اپنی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پکارو تو سہی دیکھیں تو وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں بس خوب سمجھ لو کہ وہ تم سے کسی تکلیف کے دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس میں کسی تغیر و تبدل کا اختیار رکھتے ہیں کہ تم سے ہٹا کر کسی دوسرے پر ڈال سکیں پس جن کو اتنی بھی قدرت نہیں تو پھر کیوں تم انکو معبود ٹھہراتے ہو اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل مکہ جس قحط شدید میں تم اس وقت مبتلا ہو تمہارے یہ معبود اس کو دور نہیں کر سکتے اور معبود برحق وہ ہے کہ جو ایصال منفعت اور دفع مضرت پر اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے پر قادر ہو اور جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ اس بات پر قادر نہیں معلوم ہوا کہ وہ معبود برحق نہیں اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم معبود سمجھے ہوئے ہو وہ تو خود خدا کے عبادت گزار بندے ہیں اور اسکی رحمت کے امیدوار ہیں اسکے قہر سے ڈرنے والے ہیں پھر کہاں سے خدا ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ گروہ ملائکہ و جنات جن کو مشرکین معبود اور مستعان سمجھ کر اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں انکا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ڈھونڈتے ہیں جیسے عیسیٰ و عزیر علیہم السلام اور ملائکہ کرام سب اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی فکر میں ہیں کہ ان میں سے کون خدا کے زیادہ نزدیک تر اور مقرب بنتا ہے یعنی جن ہستیوں کو تم معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ طاعت

---

[1] قال ابن الجوزی فی قولہ تعالیٰ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ قولان ذکرھما الزجاج احدھما ان یکون ایھم مرفوعا بالابتداء وخبرہ اقرب ویکون المعنی یطلبون الوسیلۃ الی ربھم ینظرون ایھم اقرب الیہ فیتوسلون الی اللہ بہ (والثانی) ان یکون ایھم اقرب بدلا من الواو فی یبتغون فیکون المعنی یبتغی ایھم اقرب الوسیلۃ الی اللہ ان یتقرب الیہ بالعمل الصالح (انتہی من زاد المسیر ج ۵)

[2] والثانی کون ای استفہامیۃ وھی مبتدأ والجملۃ فی محل النصب بیبتغون وفیہ معنی الحرص فکانہ قیل یحرصون ایھم یکون اقرب الی اللہ تعالیٰ بالطاعۃ وازدیاد الخیر والصلاح۔

(روح المعانی ص ۹۰ جلد ۱۵)

اور عبادت کے ذریعہ سے عرش الٰہی خدا کا قرب حاصل کرنے کی طمع اور حرص میں لگے ہوتے ہیں اور جیسے کوئی منافست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتا ہے اسی طرح یہ حضرات عبادات اور طاعات کو وسیلہ بناتے ہیں کہ قرب مزید حاصل ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے پس جب ان کا یہ حال ہے تو وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں کیا معبود کی یہی شان ہے کہ کسی کے قرب حاصل کرنے کی تلاش میں لگا رہے اور اسکی رحمت کا امیدوار ہو اور اس کے قہر سے لرزاں و ترساں رہے معلوم ہوا کہ وہ کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر معبود کیسے ہوتے اور واسطے ہیں؟ ملائکہ اور جنات کا عذاب خداوندی سے ڈرنا بے جا نہیں بیشک تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے ہماری سفارش کریں اور دنیاوی مصائب سے ہم کو محفوظ رکھیں ایسا جواب دیا کہ خوش فہمی غلط ہے وہ ہرگز تمہاری مصیبت کو دفع نہیں کر سکتے۔

علامہ زمخشریؒ اور قاضی بیضاویؒ اور امام رازیؒ نے ان آیات کی یہی تفسیر فرمائی جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی اور بعض مفسرین نے آیت مذکورہ یعنی أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ کی دوسری طرح تفسیر فرمائی وہ یہ کہ مقبولان بارگاہ دین اور مقبولان خداوندی کو اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تاکہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی انکی اقتداء اور اتباع کو اور اسکی دعا کو حصول قرب خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔

(دیکھو تفسیر روح المعانی[1] ص ۹۲ جلد ۱۵)

حضرت شاہ عبد القادر قدس اللہ سرہ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں "یعنی جن کو کافر پکارتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وہ وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی"۔

(موضح القرآن)

اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے نجات نہیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

---

[1] ويجوز الحوفي والزجاج ان يكون ايهم اقرب مبتدا وخبرا والجملة في محل نصب بينظرون اي يفكرون والمعنى ينظرون ايهم اقرب فيتوسلون به وكان المراد يتوسلون بدعائه والا ففي التوسل بالذوات ما فيه۔

(روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵ و روح البیان ص ۱۶۳ جلد ۵)

کی مثال اس پیش دی کہ قوم ثمود کے کھنڈرات بلاد عرب سے قریب تھے اور ان کی ہلاکت اور عذاب کے نشانات کو اہل عرب دیکھتے تھے پس انھوں نے اس پر ظلم کیا یعنی اسکو مار ڈالا اور ذبح کر ڈالا اور اس ظلم وستم کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے پس اگر ہم اہل مکہ کو انکی فرمائش کے مطابق معجزہ عطا کریں تو یہ بھی ویسے ہی ضدی اور عنادی ہیں معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اسکی سزا میں ہلاک ہوں گے مگر ہم کو ان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہماری بارگاہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ امت پہلی امتوں کی طرح ہلاک نہ ہوگی آئندہ چل کر خود ان میں سے بعضے کامل مسلمان ہوں گے اور خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور انکی اولاد بھی مسلمان ہوگی جو اس دین کی مدد کرے گی اس آخری امت کے متعلق اللہ کا ارادہ نہیں کہ پہلی امتوں کی طرح اس امت کو بالکلیہ تباہ کر دیا جائے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ امت محمدیہ قیامت تک باقی رہے اور اس امت کو مہلت ملنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور برکت ہے اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں وہ صرف ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور اللہ کی نافرمانی اور خدا کے عذاب سے ڈر جائیں اور کچھ سوچیں سمجھیں پھر اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد وہ کفر پر قائم رہیں تو نیست و نابود ہو جائیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کے ساتھ ہوا کہ اول ڈرانے کے لئے انکو کچھ نشانیاں دکھلا دی گئیں پھر بھی جب ایمان نہ لاتے تو نیست و نابود کر دیئے گئے لیکن اس آخری امت کے حق میں حکمت الٰہیہ یہ ہے کہ اس امت کو پہلی امتوں کی طرح تباہ اور برباد نہ کیا جائے کہ اس لئے فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت میں یعنی وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے وہی مخصوص اور معہود معجزات مراد ہیں جن کا مشرکین آپ سے سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کے ظاہر کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا منظور نہیں اس لئے انکی فرمائشیں اور خواہشیں پوری نہیں کی جائیں گی اس بارہ میں مفسرین ———— کا کوئی اختلاف نہیں اور دوسری آیت وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ میں مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں بھی وہی آیات مقترحہ مراد ہیں جنکا مشرکین سوال کرتے تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس دوسری آیت وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ میں مطلق نشانیاں مراد ہیں خواہ فرمائشی جیسے زلزلہ اور طاعون اور طوفان اور چاند اور سورج کا گہن ہونا وغیرہ وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ڈرانے کے لئے نشانیاں بھیجتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی قدرت کے نشان ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور اللہ کے قہر سے ڈریں پس اگر ڈریں تو نجات پا جائیں ورنہ پھر دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ وہ آیات اور نشانات ان کی فرمائش کے مطابق ظاہر کئے گئے تھے تو دنیا ہی میں عذاب استیصال میں مبتلا ہو کر سب ہلاک ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نشانات و آیات، آیات مقترحات نہ ہوں یعنی انکے فرمائشی نشان نہ ہوں تو پھر ایمان نہ لانے کی صورت میں انکو اس زندگی میں مہلت مل جاتی ہے اور عذاب آخرت میں ماخوذ ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ اگر آیت وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا میں آیات مقترحہ یعنی فرمائشی نشان مراد ہوں تو تخویف سے عذاب استیصال سے ڈرانا مراد ہوگا کہ جس سے بالکلیہ تباہی

بحالت بیداری بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ رؤیا واقع ہوا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں مگر یہ انکی غلطی ہے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت میں رؤیا سے رؤیا عینیؔ مراد ہے یعنی دکھلاوے سے بحالت بیداری آنکھ کا دکھایا مراد ہے جو شب معراج میں آپ کو دکھایا گیا خواب کا دکھلانا مراد نہیں اور لفظ رؤیا لغت عرب میں خواب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح یہ لفظ خواب کے دیکھنے کے لیے آتا ہے اسی طرح عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور یہی تفسیر لفظ رؤیا کی سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج، عبدالرحمن بن زید وغیرہ اکابر تابعین رحمہم اللہ سے کی ہے (دیکھو تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے رؤیت اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں دونوں کے معنی دیکھنے کے ہیں کہا جاتا ہے رأیتہ رؤیۃ و رؤیا یعنی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رؤیا رؤیت دونوں آنکھ کے دیکھنے میں مستعمل ہوتے ہیں (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۲۵ ج ۵)

قال ابن الانباری المختار فی هذه المسئلة ان یکون الرؤیا والرؤیة بمعنی واحد یقول القائل رأیت فلانا رؤیة ورأیته رؤیا الا ان الرؤیة یقل استعمالها فی المنام والرؤیا یکثر استعمالها فی المنام ویجوز کل واحد منهما فی الحالتین۔ (زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۳۵ جلد ۵)	امام ابن انباریؒ فرماتے ہیں کہ مختار اور صحیح قول یہی ہے کہ رؤیا سے بحالت بیداری دیکھنا مراد ہے اس لیے کہ کلام عرب میں رأیتہ رؤیۃ اور رأیتہ رؤیا دونوں کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں کو دیکھا رأیت کے بعد رؤیت کا لفظ ہو یا رؤیا کا لفظ ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف فرق اتنا ہے کہ رؤیت کا استعمال

خواب کے دیکھنے میں کم ہے اور رؤیا کا استعمال خواب کے دیکھنے میں زیادہ آتا ہے۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ رؤیا کا استعمال بحالت بیداری دیکھنے میں بھی آتا ہے جیسا کہ متنبی کا قول ہے ورؤیاک احلی فی العیون من الغمض (فتح الباری ص ۳۰۰ جلد ۸ کتاب التفسیر)

نکتہ: واقعہ معراج بلاشبہ مشاہدہ بیداری تھا مگر زیادہ تر اس کا تعلق دوسرے عالم سے تھا جیسے خواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ اسی مناسبت سے اس مشاہدہ عینی اور نظارہ بیداری کو لفظ رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

علاوہ ازیں کہ واقعہ معراج اگر خواب ہوتا تو پھر وہ لوگوں کے لیے کسی طرح فتنہ اور آزمائش نہیں ہو سکتا دنیا

لہ اخرج البخاری عن عکرمة عن ابن عباس وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس قال هی رؤیا عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری به وزاد سعید بن منصور عن سفیان فی آخر الحدیث رؤیا منام (فتح الباری ص ۳۰۰ جلد ۸ کتاب التفسیر)

میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی ایسا نہیں جو خواب کو جھٹلائے البتہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا ہو تو ضرور فتنہ اور ذریعہ آزمائش ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں اس شب میں بیت المقدس دیکھ کر آیا ہوں تو لوگوں نے اس کو مستبعد اور محال جان کر اس کو نہ مانا اور آپ کو جھٹلایا اور مؤمنین اور مخلصین نے اس کی تصدیق کی پس اللہ تعالیٰ نے اس معراج جسمانی اور اس شب کے نظارہ ہائے بیداری کو لوگوں کی آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بنایا اگر خواب کا ذکر ہوتا تو کوئی تکذیب نہ کرتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی بیت المقدس ہو کر آ سکتے ہیں اس رؤیت کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ اور آزمائش قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب کا واقعہ تو فتنہ اور آزمائش نہیں ہو سکتا ہے فتنہ اور آزمائش تو کوئی عجیب وغریب چیز ہی ہو سکتی ہے بحالت خواب آسمانوں کی سیر کوئی معجزہ ہے اور نہ کوئی عجیب وغریب چیز ہے جسے فتنہ کہا جائے کافر کو بھی خواب میں آسمانوں کی سیر حاصل ہو سکتی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کو واقعہ معراج سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال دیکھا تھا کہ آپ مع اصحاب کے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آپ نے اور آپ کے اصحاب نے عمرہ کیا اس خواب کے بعد آپ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ کو روکا اور آپ ان سے صلح کر کے بغیر عمرہ کے مدینہ واپس آ گئے۔ منافقین نے طعن کیا کہ یہ خواب تو سچا نہ ہوا اور بتقاضائے بشریت بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی خطرے گزرے اور یہ خواب لوگوں کے حق میں موجب فتنہ اور امتحان بن گیا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ جو خواب اللہ نے آپ کو دکھلایا وہ حق ہے اس خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔ خواب مطلق تھا اس میں کسی وقت کی تعیین نہ تھی۔ اس خواب میں مسجد حرام میں داخل ہونے کا وقت نہیں بتلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے شوق میں اسی سال ارادہ فرما لیا مگر مشیت ایزدی میں اس سال اس خواب کا پورا ہونا مقدر نہ تھا بلکہ اگلے سال پر موقوف تھا چنانچہ اگلے سال اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی اور آپ نے مع اصحاب کے بغایت اطمینان عمرہ ادا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ تاویل اور تفسیر ضعیف ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے خواب کا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے

(تفسیر قرطبی ص ۲۸۲ جلد ۱۰)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آپ نے بدر میں جانے سے پہلے دیکھا کہ مسلمان اور کافروں میں لڑائی ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے جب کافروں نے یہ خواب سنا تو انہوں نے اس کی ہنسی اڑائی اور خوب ٹھٹھے لگاتے۔

لہٰذا ممکن ہے کہ آیت میں لفظ رؤیا سے ان میں سے کسی خواب کی طرف اشارہ ہو لیکن اس آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ واقعۂ معراج خواب تھا کسی طرح صحیح نہیں اسکا منشاء بجز الحاد اور زندقہ کے کچھ نہیں احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ واقعۂ معراج اول تا آخر بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ تھا۔

اور علی ھذا ہم نے اس ملعون درخت کو بھی لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ درخت زقوم کا ہے جب یہ آیت اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۔ نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۔ یعنی زقوم کا درخت جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے تو ابوجہل بولا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو تم کو ایسی آگ سے ڈراتا ہے جو پتھر تک جلا دیتی ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس آگ میں ایک درخت اگتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے یہ محمد کی خرافت نہیں تو اور کیا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے اس شجرۂ ملعونہ یعنی زقوم کو آگ میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ ہے اور اہل ایمان نے صدق دل سے اسکی تصدیق کی اور اس کا یقین کیا کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد و نہایت نہیں وہ جو چاہے درخت پیدا کر سکتا ہے اور ظالموں کے لیے یہ درخت فتنہ بن گیا ان ظالموں نے قادر مطلق کی قدرت کا اندازہ نہیں کیا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اس لیے ظالموں نے اس کو خلاف عقل سمجھ کر اسکا انکار کر دیا اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ کا مطلب یہ ہے اور اس درخت کے ملعون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہوں گے یہ درخت جہنم میں ملعونین یعنی کفار اور مشرکین کی غذا ہوگا۔ اصل ملعون اس کے کھانے والے ہوں گے اور اس درخت کو مجازاً ملعون کہہ دیا گیا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہرا اور سرسبز درخت کیونکر اگ سکتا ہے یہ انکی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے آگ کا درخت کو نہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں ملک ترک میں ایک جانور سمندل ہوتا ہے اسکی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں جب یہ رومال میلے ہو جاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیتے جاتے ہیں آگ انکے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی شتر مرغ آگ کے انگارے کھا جاتا ہے اور اس سے اسکو کچھ نقصان نہیں ہوتا نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لیے سبز درخت سے آگ نکالی تاکہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس سبز درخت سے نکلتی ہے اس سے وہ سبز درخت نہیں جلتا۔

پس ان نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ جو خدا درخت میں آگ رکھ سکتا ہے وہ آگ میں درخت

کو بجھا بھی سکتا ہے آگ کا کیڑا ہمیشہ آگ ہی میں رہتا ہے مگر آگ اس کو نہیں جلاتی۔

اس زمانے میں تجربہ سے درخت ایسے معلوم اور منکشف ہوئے ہیں جو بجائے پانی کے آگ سے نشوونما پاتے ہیں۔

اور ان آیات مذکورہ اور نشانات مطلوبہ کے علاوہ بھی ہم اور طرح طرح سے عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں سو وہ ڈرانا ان کے حق میں سوائے سخت تمرد اور سرکشی کے کسی بات کو زیادہ نہیں کرتا ایسے ملعون ہیں کہ معجزہ طلبہ سے نہیں ڈرتے جتنا انہیں عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اور زیادہ تمرد اور سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾

مگر ابلیس۔ بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جو تو نے بنایا مٹی کا

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ

کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا، اگر تو مجھ کو ڈھیل

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

دے قیامت کے دن تک تو اس کی اولاد کو ڈھاٹی دے لوں مگر تھوڑے سے

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ

فرمایا جا، پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے، سو دوزخ ہے تم سب کی سزا،

جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ

بدلہ پورا۔ اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی

خاص بندوں کے اولاد آدم کی جڑ کاٹ کر چھوڑ دوں گا یعنی اولاد آدم کو اغوا کر کے جنت سے ان کی جڑ اکھاڑ دوں گا مگر تھوڑے آدمیوں کو تیری عصمت اور حفاظت کی وجہ سے گمراہ نہ کر سکوں گا یعنی انبیاء اور اولیاء جو شیطان کے داؤ میں نہیں آتے فرمایا اچھا جا اور دور ہو یہاں سے جو تجھ سے ہو سکے وہ کر لے پس جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا اور تیرے پیچھے چلے گا تو بے شک تم سب کی سزا دوزخ ہے پوری جزا یعنی بدلہ ہم کو تیری کوئی پرواہ نہیں ہم تجھ کو اور تیرے متبعین کو سب کو جہنم میں ڈال دیں گے اور ان میں سے جس کو اپنی آواز سے پھسلا سکے اس کو پھسلا یعنی جس طرح تو اللہ کی معصیت کی طرف بلا سکتا ہے بلا لے یہاں جو آواز اور پکار اللہ کی نافرمانی کی طرف دی جاتی ہے وہ درحقیقت شیطان کی آواز ہوتی ہے جیسے راگ و رباب کی آواز۔ اور کھینچ لا اور چڑھا لا ان پر اپنے سوار اور پیادے یعنی لشکر بھگانے میں اپنی پوری قوت صرف کر ڈال اور جتنا زور تجھ سے لگایا جا سکے لگا لے اور مالوں اور اولادوں میں ان کا شریک ہو جا۔ جو مال و اولاد معصیت کا باعث بنے اس میں شیطان ان کا شریک ہے اور علی ہذا جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو اس میں بھی نفس اور شیطان شریک ہے زجاج کہتے ہیں کہ سوار اور پیادوں کے چڑھا لانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تیری قدرت ہو اتنے مکائد اور مکر و فریب کے جال اور وسائل جمع کر لے اور ان کو غوایت اور ضلالت پر آمادہ کرے اور سب مقدور میں اپنا تصرف کر یہ امر تہدید کے لیے ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ اچھا جو تجھ سے بن سکے کر گزر عنقریب اس کا انجام تجھ کو معلوم ہو جائے گا (انتہیٰ) یعنی جب کرے گا دیکھا بھرے گا اور تیرا جو جی چاہے اولاد آدم سے جھوٹے وعدے کر کہ جنت اور دوزخ کچھ نہیں شیطان جب کسی کو معصیت کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے جو کچھ بھی ہے وہ یہی دنیا کی زندگی ہے کیوں اپنی عزت و سرور کو چھوڑتا ہے اور عبادت میں بیکار کیوں مشقت کرتا ہے یہ مراد ہے شیطان کے وعدے دینے سے" اور نہیں وعدہ دیتا شیطان لوگوں کو مگر دھوکہ اور فریب کا یعنی شیطان کے سب وعدے دھوکہ اور فریب ہیں باطل اور خطا کو حق اور ثواب کی صورت میں دکھلاتا ہے جس سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آ جاتے ہیں۔ اب اگلی آیت میں پھر شیطان کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے شیطان تحقیق میرے خاص بندوں پر جن کو مجھ سے خاص تعلق ہے تیرا کوئی زور نہیں وہ بندے انبیاء اور اولیاء ہیں۔ شیطان کو ان کے اغوا پر قدرت نہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور اے نبی تیرا پروردگار اپنے خاص بندوں کو کافی کارساز ہے وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے شیطان کا فتنہ بہت سخت ہے اور انسان ضعیف اور ناتواں ہے بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے معصیت سے نہیں بچ سکتا اور بدون اللہ کی اعانت اور توفیق کے طاعت نہیں کر سکتا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور خاتمہ پر یہ فرمایا وکفی بربک وکیلا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بندہ خدا پر توکل اور بھروسہ کرے شیطان اس کا کچھ

نہیں

تمہیں بگاڑ سکتا ۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی

تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا

الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

میں تاکہ تلاش کرو اس کا فضل وہ ہے تم پر

بِكُمْ رَحِیْمًا ۝۶۶ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

مہربان اور جب تم پر تکلیف پڑے

فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارتے تھے اس کے سوا پھر جب بچا لایا تم کو

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷

جنگل کی طرف پھر گئے اور ہے انسان بڑا ناشکر

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ

سو کیا نڈر ہو گئے ہو کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے

عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ۝۶۸ اَمْ اَمِنْتُمْ

تم پر آندھی، پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کام بنانے والا یا نڈر ہو گئے ہو

اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ

کہ پھر لے جاوے تم کو اس میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر

قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ

ایک جھونکا باؤ کا پھر ڈبو دے تم کو بدلہ اس ناشکری کا پھر

لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا

نہ پاؤ تمہاری طرف سے ہم پر اسکا دعویٰ کرنے والا اور ہم نے عزت دی ہے

بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ

آدم کی اولاد کو اور سواری دی انکو جنگل اور دریا میں اور روزی دی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

ہم نے انکو ستھری چیزوں سے اور زیادہ کیا انکو اپنے بنائے ہوئے بہت شخصوں

تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

پر بڑائی دے کر

رجوع بسوئے توحید

قال اللہ تعالیٰ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ ... الیٰ ... وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا

ربط: اب پھر توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں نیز گزشتہ رکوع میں شیطان کا یہ قول نقل کیا تھا قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۔ اب ان آیات میں بنی آدم کی کرامت اور فضیلت کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شیطان بر اور بحر میں کس طرح اغوا کرتا ہے اور بنی آدم کی تکریم اور تفضیل کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ منعم حقیقی کا شکر گزار بندہ بنے اور کسی کو اسکے ساتھ شریک نہ کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے نفع کے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم ان پر سوار ہو کر دوسرے شہر میں پہنچ کر روزی کی تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ جو حاجت تم کو اپنے شہر میں میسر نہ ہو سکے اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر میں جانے کا سامان مہیا کر دیا اور اس خداوند پروردگار کی معرفت تمہاری فطرت اور جبلت میں مرکوز ہے دلیل اسکی یہ ہے کہ جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے مثلاً طوفان اور باد و باراں کی وجہ سے کشتی کے ڈوب جانے کا خوف ہوتا ہے تو اس وقت سوائے خدا کے جن جن کو تم پکارتے اور پوجتے تھے وہ سب غائب ہو جاتے ہیں اس وقت سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں پکارتے اور سمجھتے ہو کہ سوائے خدا کے

لو انسان کو معاش اور معاد کے بارے میں حسن تدبیر عطا کی اور منافع اور مضار کے ادراک کے لیے حواس ظاہرہ اور باطنہ عطا کیے وغیرہ وغیرہ اور تحمل کرامت اور عزت یہ ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو خشکی میں چوپایوں پر سوار کیا اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کیا مطلب یہ ہے کہ بحر اور بر میں سفر کا سامان ان کے لیے مہیا کیا انسان سوار ہو کر چلتا ہے اور سواری کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلتی اور پاکیزہ چیزوں میں سے ہم نے اسکو روزی دی دنیا کی مزیدار چیزیں اسکے کھانے میں آتی ہیں بخلاف دیگر حیوانات کے کہ وہ ان لذیذ چیزوں سے محروم ہیں اور ہم نے اولاد آدم کے اکرام و انعام میں فقط مذکورہ بالا کرامتوں اور نعمتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور فوقیت دی اور طرح طرح کے فضائل اور شمائل عطا کیے جس سے بیشتر مخلوق خالی ہے لہذا حق تعالیٰ کی اس تکریم اور تفضیل کا اور انعام و اکرام کا حق یہ ہے کہ اپنے منعم حقیقی کا دل و جان سے شکر کریں اور شرک اور ناشکری سے دور رہیں اور عبودیت اور عبادت سے اور اطاعت سے اس خداداد کرامت و فضیلت کی حفاظت کریں اور ابلیس لعین جو تمہارے باپ آدم کی کرامت اور تفضیل کا منکر ہے اور جس نے اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ کہہ کر تمہارے باپ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اور کرامت کے انکار کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے ہر وقت تمہاری تاک میں ہے کہ باپ کی وجہ سے تم کو جو عزت و کرامت اور تفضیل و فوقیت ملی ہے اسکو خاک میں ملا دے بس اس سے چوکنا رہنا اور اس کے بہکانے میں آکر اپنے منعم حقیقی کو نہ بھول جانا۔

لطائف و معارف

(۱) حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ میں اولاد آدم کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا سو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت و کرامت عطا فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مومن و کافر سب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے۔

(۱) کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے اسکا خمیر تیار کیا اور خود دست قدرت سے اسکو بنایا۔

(۲) اور احسن تقویم میں اسکو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اسکو بنایا۔

(۳) اور معتدل القامت اسکو بنایا۔ مثلاً غذا کھانے کیلئے انگلیاں بنائیں اور دیکھنے کیلئے [illegible] اور حیوانوں کی طرح منہ سے نہیں کھاتا اور عقل اور تمیز عطا کی اور بولنے کیلئے زبان عطا کی اور قدرت سے [illegible] بحیثیت مجموعی اسکی [illegible] کے ساتھ [illegible] اسکو [illegible] کیا۔

(۲) **کرامت روحانی** — دوسری قسم کی کرامت، کرامت روحانی ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہے (۱) ایک کرامت عامہ اور دوسری کرامت خاصہ کرامت عامہ میں مومن

اور کافر سب شریک ہوتے ہیں روحانی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتلہ خاکی میں ایک روح پھونکی جو ایک روحانی چیز ہے اور جنس ملائکہ سے ہے۔

(۲) اور پھر اولاد آدم کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خطاب سے اکو عزت و کرامت بخشی جس کے جواب میں سب نے مومن اور کافر نے بلیٰ کہا اور سب سے عہد ربوبیت لیا۔

(۳) اور پھر تمام اولاد آدم کو اسی فطرت یعنی عہد الست پر پیدا کیا اور پھر اس عہد الست کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے اور صحائف نازل کیے اور سب کو آگاہ کر دیا کہ اگر اپنی اصل فطرت اور عہد الست پر چلو گے تو تم کرامت کے بعد جنت میں اپنے باپ سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جا کر مل جاؤ گے اور اگر عہد الست سے انحراف کیا اور اپنے باپ کے دشمن ابلیس کے کہنے پر چلے تو ابلیس کے ساتھ جہنم میں جاؤ گے۔

کرامت روحانیہ کا خاصہ اور روحانی کرامت کی دوسری قسم کرامت خاصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یعنی انبیاء اور اولیاء اور عباد مومنین کو مکرم و سرفراز فرمایا۔ انبیاء کرام کو نبوت و رسالت کی کرامت سے عزت بخشی اور اولیاء کو نور ولایت اور نور معرفت سے مشرف بخشا اور اہل ایمان کو ایمان اور اسلام اور صراط مستقیم کی ہدایت سے کرامت بخشی کہ صراط مستقیم پر چل کر اپنے رب اکرم تک پہنچ جائیں اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بلیٰ کہہ کر جو عہد ربوبیت کر کے آئے تھے اسکو پورا کر کے اپنے رب کے سامنے سرخروئی کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔

(۴) کرامت اور فضیلت میں فرق کرامت اس صفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی ذات میں بدون لحاظ غیر پائی جائے اور فضیلت اور تفضیل میں زیادتی کو کہتے ہیں کہ جو دوسرے کے لحاظ سے اس میں زیادہ ہو یعنی انسان باعتبار اپنی ماہیت اور حقیقت کے تمام مخلوقات سے اکرم اور افضل اور اشرف ہے جیسے عقل اور فہم و فراست اور حسن صورت یہ کرامت اور عزت سوائے انسان کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں اور باعتبار اخلاق کمالات اور اعمال و افعال کے بہت سی مخلوق سے افضل ہے مطلب یہ ہے کہ انسان امور خلقیہ اور طبعیہ اور ذاتیہ کے اعتبار سے سب مخلوق سے زیادہ مکرم اور محترم ہے اور باعتبار امور اکتسابیہ کے جن کو انسان فکر اور عقل اور حواس سے حاصل کرتا ہے جیسے علوم حقہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ اس اعتبار سے انسان اکثر مخلوقات سے افضل اور برتر ہے کرامت کا دارومدار چونکہ امور خلقیہ اور طبعیہ پر ہے جن میں انسان کے عمل اور کسب و اکتساب کو دخل نہیں اس لیے تکریم و کرامت میں مومن اور کافر سب شریک ہیں اور تفضیل کا دارومدار فضائل کسبیہ پر ہے اس لیے تفضیل میں اہل جنت کے لیے مخصوص ہے جو بوجہ علوم حقہ اور اعمال صالحہ اور طاعات و قربات سے فرق مراتب قائم ہوتا ہے۔

یہ تمام کلام امام رازی قدس اللہ سرہ کے کلام کی تفصیل ہے حضرات اہل علم اصل تفسیر کبیر ص ۳۷۴ جلد ۵ کی مراجعت کریں ۔

(۳) شروع آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوقات پر کرامت اور عزت بخشی اور اخیر آیت میں یہ فرمایا وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا یعنی ہم نے بہت سی مخلوقات سے انسان کو فضیلت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ کل مخلوقات پر اس کو فضیلت دی اور لفظ کثیر کو مبہم رکھا اس کی کوئی تعیین نہیں فرمائی اس لئے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ انسان کو سوائے ملائکہ اور فرشتوں کے سب پر فضیلت ہے اور یہ قول ابن عباسؓ سے مروی ہے اور زجاجؒ نے اسی کو اختیار کیا اور معتزلہ نے اس آیت کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہیں جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بنی آدم اکثر مخلوقات سے تو افضل ہیں مگر ایک قلیل مخلوق ایسی ہے کہ بنی آدم ان سے افضل نہیں وہ قلیل مخلوق فرشتوں کی ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ خواص بشر یعنی انبیاء و مرسلین خواص ملائکہ و عوام ملائکہ سب سے افضل ہیں یعنی انبیاء و مرسلین۔ جبرائیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین وغیرہم سب سے افضل اور برتر ہیں اور عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں یعنی باقی تمام فرشتے تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور علماء اہل سنت سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اولیاء اور اتقیاء جیسے صدیقؓ اور فاروقؓ اور لیث بن اللہ عام ملائکہ سے افضل ہیں اختلاف اور دلائل کی تفصیل کے لئے کتاب اصول الدین للشیخ الامام صدر الاسلام بزدوی ص ۱۰۴ دیکھیں اور مسامرہ شرح مسایرہ ص ۲۴۳ للشیخ کمال الدین ابن ابی الشریف مع شرح المقاصد للتفتازانی ص ۲۰۳ مطبوعہ مصر دیکھیں ۔

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کا اس آیت یعنی وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا سے تفضیل ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ایک جنس کا دوسری جنس سے افضل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے افضل اور بہتر ہے جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مرد ہر عورت سے بہتر ہے سب کو معلوم ہے کہ حضرت حوّا اور مریمؑ اور آسیہؑ اور خدیجۃ الکبریٰؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور فاطمۃ الزہراؓ بہت سے مردوں سے بہتر ہیں اسی طرح اگر جنس ملائکہ جنس بشر سے ——— افضل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنس ملائکہ کا ہر فرد یعنی ہر فرشتہ ہر فرد بشر یعنی انبیاء و مرسلین سے بھی افضل ہو خصوصاً جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاج خلافت رکھا اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور فرشتوں سے زیادہ علم عطا کیا جیسا کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ سے واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کی ایک وجہ ان کی علمی عظمت و فضیلت اور برتری قرار پائی

امام ابو منصور ماتریدی بھی یہی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس بارہ میں سکوت کیا جائے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے اس لیے بہتر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کیا جائے
(دیکھو حاشیہ خیالی بر شرح عقائد ص ۱۰۰ جلد ۲)

معذرت بقدر ضرورت اس مسئلہ کو لکھ دیا گیا مزید تفصیل کی نہ ہمت ہے اور نہ عام ناظرین کو اس کی ضرورت ہے حضرات اہل علم اگر مزید تفصیل چاہیں تو شرح عقیدہ طحاویہ ص ۲۹۵ تا ص ۳۲۲ اور شرح عقیدہ سفارینیہ ص ۳۶۴ تا صفحہ نمبر ۳۱۱ دیکھیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ

جس دن ہم بلاویں گے ہر فرقے کو ساتھ اُن کے سردار کے سو جس کو ملا

كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

اس کا لکھا اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا اُن پر

فَتِيلًا ﴿۷۱﴾ وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

ایک تاگے کا اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے

أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۷۲﴾

اور زیادہ دور پڑا راہ سے

بیان فرق مراتب در روز قیامت

قال اللہ تعالیٰ یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَأَضَلُّ سَبِيلًا

۱؎ قال الامام ابو منصور الماتریدی فی تفسیر قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ان الکلام فی تفضیل البشر علی الملائکۃ علی السکوت لانا لا نتکلم فیہ لانا لا نعلم ذلک ولیس لنا الی معرفتہ حاجۃ فنکل الامر فیہ الی اللہ تعالیٰ وذلک مثل الکلام بین الانبیاء والرسل والتفضیل الحق فی بین الملائکۃ وتفضیل بعضہم علی بعض لاختلاف ذلک الی اللہ تعالیٰ انتہی کلامہ
(حاشیہ خیالی بر شرح عقائد ص ۱۰۰ جلد ۲ مطبوعہ مصر)

ربط۔ گزشتہ آیات میں انسان کے دنیوی حالات بیان فرمائے اب اسکے بعد کچھ اخروی حالات بیان کرتے ہیں جہاں فرق مراتب کا ظہور ہوگا کہ نیک لوگوں کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اور انسان کی تکریم وتفضیل اس دن ظاہر ہوگی۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جب ہم ہر فرقہ کو اسکے پیشوا سمیت بلائیں گے یعنی ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو نبی کو نہیں مانتے تھے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے تھے اسکے بعد تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس بھیج دیئے جائیں گے پس جس کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اہل ایمان ہوں گے سو یہ لوگ خوشی سے اپنے اعمالنامہ کو بار بار پڑھیں گے اور دوسروں سے بھی کہیں گے کہ میرے اعمالنامہ کو دیکھو ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اور ان پر ایک تاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ملے گا اور جو شخص اس دنیا میں راہ حق سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی جنت کی طرف سے اندھا رہے گا یعنی نجات کی راہ نہ دیکھے گا اور بلکہ بہ نسبت دنیا کے زیادہ گمراہ ہوگا کیونکہ دنیا میں بینا ہونا ممکن تھا کہ راہ حق اس کو نظر آجاتی اور صراط مستقیم پر چل پڑتا اور آخرت میں تو بینائی کی استعداد بھی ——— زائل ہوگئی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ

اور وہ تو لگے تھے کہ تجھ کو بچلادیں (بہکا دیں) اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف

عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ

تا باندھ لاوے تو ہم پر اس کے سوا اور تب پکڑتے تجھ کو دوست اور اگر یہ نہ ہوتا کہ

ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا

ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا تب

لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا

ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا

تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ

تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔ اور وہ تو لگے ہی تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس

مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ

زمین سے کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور تب نہ ٹھہریں گے تیرے پیچھے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا

مگر تھوڑا دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

اور نہ پاوے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت

ذکر عداوت کفار با سید الابرار در امور دینیہ و دنیویہ و وعدۂ عصمت و حفاظت

قال اللہ تعالیٰ وان کادوا لیفتنونک ... الیٰ ... ولا تجد لسنتنا تحویلا

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا بیان تھا کہ وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیتوں میں انکی عداوت کا بیان ہے کہ وہ دین میں بھی آپ کے دشمن تھے آپ کو اپنی خواہشوں پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت ذکر یں یا اس پر قدرے سکوت کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بھی آپ کے دشمن تھے اور آپ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر خیریت ہوئی کہ وہ نکالنے پر قادر نہ ہوئے اللہ نے آپ کو وہاں سے ہجرت کرنے اور نکل جانے کا حکم دیا اور علاوہ دشمنوں کی آنکھیں ایسی خیرہ کردیں کہ آپ انکے سامنے سے گزر کر صحیح سالم نکل کر راہی مدینہ ہوئے غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر فرمایا اور آپ کو تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں دین اور دنیا میں ہم آپ کے محافظ اور نگہبان ہیں یہ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ کافر قریب تھے اس بات کے کہ آپ کو فریب اور دھوکہ دے کر آپ کو اس چیز سے بچلا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو فریب دے کر فتنہ کی طرف مائل کریں تاکہ آپ اس وحی کے سوا دوسری بات ہم پر افتراء کریں کیونکہ انکی خواہش پر چلنا اور انکی درخواست پر عمل کرنا در حقیقت اللہ پر افتراء ہے اور ایسی حالت

یعنی سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا یہ دستور ہمارا ان رسولوں میں بھی رہا ہے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے کہ جس امت نے اپنے رسول کو نکال دیا اس کے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک ہو گئی اور ہمارے اس دستور میں آپ کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔ بعض روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی قوم نے نبی کو بستی میں نہ رہنے دیا تو وہ بستی والے بھی وہاں نہ رہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ

کھڑی رکھ نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے

الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ

تک اور قرآن پڑھنا فجر کا بے شک قرآن پڑھنا فجر کا

كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً

ہوتا ہے رو برو اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں یہ بڑھتی ہے واسطے

لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿٧٩﴾ وَقُلْ

تیرے قریب ہے کہ کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں اور کہہ

رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ

اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا

صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيرًا ﴿٨٠﴾

نکالنا اور بنا دے میرے واسطے اپنے پاس سے ایک حکومت کی مدد

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے

زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ

والا اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ چنگے ہوں اور مہر

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ

ایمان والوں کو اور گنہگاروں کو نہیں بڑھتا ہے نقصان اور جب ہم

اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ

آرام بھیجیں انسان پر تو ٹل جاوے اور ہٹاوے اپنا بازو اور جب لگے

الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ

اس کو برائی رہ جاوے آس ٹوٹا۔ تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر سو تیرا رب

اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾

بہتر جانتا ہے کون خوب سوجھا ہے راہ

حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین

دعاء ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت و سلطنت

قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ... الیٰ ... اَهْدٰى سَبِيْلًا

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار آپ کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں اب ان آیات میں آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ شکر کی عبادت میں مشغول رہئے ان دشمنوں کی طرف التفات نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ اور اشرف عبادت نماز ہے۔ لہٰذا پنجوقتہ فرض نمازوں کی تاکید فرمائی اور آخر میں نماز تہجد کا کہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہے بعد ازاں آپ کو مقام محمود کی بشارت دی عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔ جو بظاہر اس تہجد کا ثمرہ معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آپ کو اللہ تعالیٰ شافع حشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کر دے گا مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے جو عزت و کرامت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو بجز [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نصیب نہیں شروع سورت میں اسراء اور معراج کی عزت و کرامت

سپ

کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں مقام محمود کی عزت و کرامت
کا ذکر فرمایا اور چونکہ مشرکین مکہ آپ کو مکہ سے نکالنے
کے درپے تھے اس لیے من جانب اللہ آپ
کو ہجرت کی دعا تلقین ہوئی وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا کیونکہ قضا و قدر نے ہجرت کو اسلام کی ترقی کا زینہ بنایا
اور جس آسمانی بادشاہت و سلطنت کا خدا تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا ہجرت کو اس کا پیش خیمہ
بنایا اس لیے آپ کو ہجرت کی دعا کا حکم ہوا اور وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا میں
اس بادشاہی و سلطنت کی طرف اشارہ ہے اور وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ میں اسلام کے ظہور
اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ
الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ اور یہ قرآن جو نسخہ کیمیاء اور شفاء اور رحمت ہے اس کا پورا استعمال
اس وقت شروع ہوگا کہ جب بدر میں کفر کے سر پر اسلام کی ضرب کاری لگے گی اور کفر کے غرور کا
نشہ کافور ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بخیر و عافیت آپ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا اور ہجرت کے بعد
اسلام کی شان و شوکت روزانہ فزوں ہونے لگی اور حق غالب ہوا اور باطل مضمحل ہوا مکہ فتح ہوگیا اور نجد
اور یمن کا تمام علاقہ اور حجاز کا علاقہ اسلام کے زیر نگیں آگیا اور شاہانہ طریقہ سے اللہ کے احکام جاری
ہونے لگے اور اہل اسلام اس نسخہ کیمیاء قرآن کریم کے استعمال سے ایسے شفایاب اور تندرست ہوئے
کہ قیصر و کسریٰ کا آپریشن کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور جن ظالموں نے مال و دولت کے نشہ میں اس
نسخہ کیمیاء کے استعمال سے گریز کیا وہ کفر اور شرک کے زہریلے مادہ سے ہلاک ہوگئے اور وَاِذَآ اَنْعَمْنَا
عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ
جب خدا تعالیٰ کسی انسان پر انعام فرمائیں تو انسان کو چاہئے کہ اپنے منعم سے باز ان نعمتوں میں
مست ہو کر منعم سے منہ نہ موڑے۔

چنانچہ فرماتے ہیں قائم کرو اے نبی! نماز کو زوال آفتاب کے وقت سے لے کر رات کی
تاریکی کے چھا جانے تک اس میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء جیسا کہ حدیث سے اس
اجمال کی تفصیل ہوگئی اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک دلوک شمس سے زوال آفتاب مراد ہے اور
مطلب یہ ہے کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد رات کے کچھ حصہ گزر جانے تک کہ جب رات کی تاریکی افق
پر چھا جائے نمازیں ادا کرو اور بعض صحابہ و تابعین یہ کہتے ہیں کہ دلوک شمس سے غروب آفتاب
کے معنی مراد ہیں اس سے مغرب کی نماز مراد ہے اور غسق اللیل یعنی جب رات کی سیاہی افق
پر پھیل جائے اس وقت عشاء کی نماز پڑھو اور لازم کرو قرآن کا پڑھنا فجر کی نماز میں اشارہ اس

طرف ہے کہ فجر کی نماز میں قرآن زیادہ پڑھا جائے اور بہ نسبت اور نمازوں کے فجر کی نماز میں قرأت قرآن زیادہ طویل ہونی چاہئے بے شک فجر کی قرأت یعنی نماز فجر کل حضور ملائکہ ہے اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے رہتے ہیں جو فرشتے شب کو تم میں رہے وہ عروج کرتے ہیں پس اللہ عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ جب ہم انکے پاس گئے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے انکو چھوڑا تب بھی نماز پڑھ رہے تھے اور چونکہ نماز صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے اسلیے نماز فجر کا حکم الگ بیان کیا پھر اس کے متصل نماز تہجد کو بیان کیا جو شب کے اخیر میں پڑھی جاتی ہے اور خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خطاب فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ شب خیزی کرو یعنی رات کا کچھ حصہ تہجد کے لیے مخصوص کر دو تہجد ہجود سے مشتق ہے معنی ترک خواب کے ہیں یعنی رات کے کچھ حصہ میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کرو یہ نماز تہجد کا حکم خاص تیرے لیے زیادہ ہے نماز پنجگانہ کے علاوہ خاص آپ کے لیے یہ حکم زیادہ ہے کہ آپ ضرور تہجد پڑھا کریں اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کریں گے لہٰذا آپ امید رکھیے کہ تیرا پروردگار تجھ کو ایک بلند پسندیدہ مقام میں کھڑا کرے گا مقام محمود کے معنی مقام عزت کے ہیں۔

احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ آیت میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے اور اسکو محمود اس لیے کہتے ہیں کہ اس مقام میں کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عجیب و غریب حمد و ثناء کریں گے کہ جو کسی بشر کے دل پر نہیں گذری ہوگی اور پھر اس مقام میں تمام امم اور اقوام عالم کے لیے شفاعت کریں گے تو تمام اولین اور آخرین آپ کی تعریف کریں گے جس کی مفصل کیفیت احادیث میں مذکور ہے۔

نکتہ آیت میں لفظ عسیٰ امید دلانے کے لیے ہے اور درحقیقت وہ بشارت اور وعدہ ہے کیونکہ کریم کا امید دلانے کے بعد محروم کرنا یہ موجب عار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ امید دلانے کے بعد پھر نہ دے۔

فائدہ تہجد ابتداء اسلام میں سب پر فرض تھا بعد میں امت سے اسکی فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ تہجد آپ کے حق میں خاص طور پر فرض رہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ پر فرض نہ رہا تھا اس لیے نافلۃ لک کے دو معنی بیان کیے گئے ایک یہ کہ تہجد خاص آپ کے لیے فرض زائد ہے دوم

یہ کہ تہجد خاص آپ کے لیے نفیلت زائدہ اور زیادتی مرتبہ کا موجب ہے۔

تلقین دعاء ہجرت وبشارت قیام حکومت

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ۔۔ الیٰ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

گزشتہ آیت میں ـــــ مقام محمود یعنی مقام شفاعت کے وعدہ اور بشارت کا ذکر تھا جو آخرت سے متعلق ہے اب اس آیت میں دار کفر سے دار ایمان کی طرف ہجرت کی دعا تلقین فرماتے ہیں اور ایک دنیوی بشارت دیتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اسلام کی شان بڑھتا ہوا مقدر ہو گئی اور عنقریب مکہ مکرمہ فتح ہوگا اور جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہو جائے گی حق ظاہر ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ کفار مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں آپ تو یہ دعا مانگیں کہ اے میرے پروردگار داخل کر مجھ کو مقام صدق میں سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو دشمنوں کے نرغے سے سچا اور اچھا نکالنا یعنی مکہ سے اچھی طرح نکال اور اچھی طرح عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل کر اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جو دین کے بارے میں میرا معین و مددگار ہو مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں میری اعانت اور امداد کر کہ یہاں سے نکلتے وقت اور دوسری جگہ داخل ہونے کے وقت بھی یعنی اس شہر سے مجھ کو آبرو کے ساتھ نکال اور کسی جگہ مجھ کو آبرو سے ٹھہرا دے اور ایسی حکومت اور ایسی سلطنت عطا فرما جو تیرے دین میں مدد دینے والی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی مکہ سے اس خیر و خوبی اور خوش اسلوبی اور عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو نکالا کہ دشمن دیکھتے رہ گئے اور پھر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو مدینہ پہنچایا جہاں سے حق کا بول بالا ہوا اور مدینہ کے لوگ آپ کے انصار اور مددگار بنے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی اور دعا کا جز لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا ظہور ہوا۔

اور اے نبی! جب مکہ فتح ہو جائے اور اللہ کی فتح اور نصرت اور من جانب اللہ سلطانا نصیرا کو آپ دیکھ لیں تو اس وقت یہ کہنا آگیا حق اور صدق یعنی دین اسلام اور نابود ہوا دین باطل یعنی کفر اور شرک سرزمین عرب سے دم دبا کر بھاگ نکلا اور بے شک وہ تو تھا ہی مٹنے والا باطل کو اگرچہ کسی وقت میں دولت و صولت حاصل ہو جائے تو وہ چند روزہ ہے جیسے کوڑا کرکٹ بظاہر اگرچہ پانی کے اوپر نظر آئے تو اس کا اعتبار نہیں وہ عارضی ہے جامع ترمذی میں ادخلنی اور اخرجنی کی تفسیر ہجرت کے ساتھ آئی ہے اور قل جاء الحق سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو تین سو ساٹھ بت اس کے اندر

رکھے ہوئے تھے ہر قوم کا الگ بت تھا آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے بتوں کو کچوکے دیتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے (اور آیندہ نہ باطل ابتداءً پیدا ہوگا اور نہ لوٹے گا)

آپ یہ پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل اوندھا ہوتا جاتا تھا حق جل شانہ نے باطل کی مغلوبی اور سرنگونی لوگوں کو بچشم سر مشاہدہ کرادی اور غلبہ حق کی برتری مجسم کر کے اس کا نظارہ کرادیا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آیت کریمہ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز و اکرام مدینہ طیبہ پہنچایا نیز قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

حکومت اور امارت اعزاز الٰہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتو بعض لوگ بعض کو تباہ و برباد کر دیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا حسن بصریؒ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کا اقتدار تم سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ کفار و فجار کی ستم آرائیوں سے گھبرائیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلغلہ ہے بالآخر دین حق غالب و سر بلند ہو کر رہے گا اور کفر ذلیل و خوار و سرنگوں ہوگا اور اے کافرو! تمہاری تدبیریں کالعدم ہوں گی لہٰذا اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو کفر و عناد کو چھوڑ دو اور طبیب روحانی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نسخہ شفاء یعنی یہ قرآن کریم تمہارے لیے لے کر آئے ہیں اس کا استعمال کرو اور دیکھو کہ ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز کہ جو امراض باطنی کے لیے شفاء ہے جس سے دل کے شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لیے اور پھر اس کا استعمال کرنے والوں کے لیے رحمت ہے کہ اس نسخہ شفاء کو پیتے ہی چنگے ہوگئے اور دلوں کی

علیہ اشارہ اس طرف ہے کہ من القرآن کا من بیانیہ ہے با وجود شفاء کا بیان مقدم ہے اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ شفاء طرفین تھا اس لیے بیان کو مبین پر مقدم کر دیا گیا اور مطلب یہ ہے کہ سارا ہی قرآن شفاء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ من تبعیض کے لیے ہے اور تبعیض کا یہ مطلب نہیں کہ بعض قرآن شفاء ہے اور بعض شفاء نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نزول تدریجاً ہو رہا ہے لہٰذا جس قدر حصہ نازل ہوا وہ بلاشبہ شفاء ہے اس اعتبار سے من بیانیہ اور من تبعیضیہ کا مآل ایک ہو جائے گا باعتبار معنی کے دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا (دیکھو حاشیہ قونوی علی التفسیر البیضاوی ص ۱۵۱)

ساری بیماریاں دور ہو گئیں اور سارے شک و شبہے مٹ گئے اور نہیں زیادتی کرتا یہ قرآن ان ظالموں کے حق میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کسی اور چیز کو چونکہ تمرد اور عناد میں مبتلا ہیں اس لیے قرآن سن کر جوش عداوت میں آجاتے ہیں اور استہزاء اور تمسخر پر اتر آتے ہیں لہٰذا بجائے رحمت کے حق اور بجائے شفاء کے مرض پیدا ہوتا ہے فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۔

اب آئندہ آیت میں اس خسارہ کا سبب بیان کرتے ہیں کہ انسان مال و منال اور جاہ و جلال کی محبت میں غرق ہے تکبر اور قساوت قلبی کی بیماری میں مبتلا ہے اور منعم حقیقی سے بے تعلق ہو گیا ہے اس لیے کوئی دوا اس کے حق میں کارگر نہیں ہوتی چنانچہ فرماتے ہیں ۔

اور یہ قرآن جو شفاء اور رحمت کا سبب تھا وہ مرض اور خسارہ کا سبب کیسے بنا اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی صحت اور مال دیتے ہیں تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کو ہمارے قرب اور رضا کا ذریعہ بنائے تو وہ بجائے قریب ہونے کے ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو ہم سے دور کر لیتا ہے یعنی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی سے پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار کرتا ہے یہ کنارہ تکبر سے ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف اور سختی پہنچتی ہے یعنی زمانہ کے حوادث اور مصائب میں سے کوئی چیز اسکو لاحق ہوتی ہے تو وہ بالکل مایوس (ناامید) ہو جاتا ہے کہ اب اسکو کوئی خیر اور بھلائی نہیں ملے گی ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر آدمی کو نعمت اور دولت ملتی ہے تو وہ اس پر مغرور ہو کر منعم حقیقی کو یعنی خدا تعالیٰ کو بالکل بھول جاتا ہے اور اگر دنیا سے محروم ہوا تو اس پر غم اور مایوسی چھا جاتا ہے اور خدا کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے پس جو دنیا کا ایسا شیدائی اور فدائی ہو گیا وہ قرآن کی نعمت اور رحمت کو کیا جانے اور کیا سمجھے ان بندگان شکم کے حق میں قرآن جیسے نسخہ شفاء کے اسرار و حکم عبث ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کو تمہارے نزدیک عبث ہو مگر ہمارے نزدیک عبث نہیں ازلی سعادت اور شقاوت کے ظہور کا ذریعہ ہے اس لیے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت اور روحانی مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل اسکی روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہم نے اپنی حکمت سے مخلوق کو مختلف الانواع بنایا کسی کی فطرت میں نیکی ودیعت رکھی اور کسی کی فطرت میں برائی رکھی ہر ایک اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے پس قرآن کے ماننے نہ ماننے سے انسان کی اس پوشیدہ استعداد اور صلاحیت کا ظہور ہو جاتا ہے اس سے اگر اعمال خیر کا صدور ہوا تو دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ نیک جبلت ہے اور اگر اس سے اعمال شر کا صدور ہوا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بد جبلت ہے باقی تمہارا پروردگار پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریق میں سے کون زیادہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے یہ قرآن ہم نے تم پر الزام

جنت کے لیے نازل کیا ہے جیسا عمل کروگے اسکے مطابق تم کو جزا دے گا قال اللّٰہ تعالیٰ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ

پس جب معلوم ہوگیا کہ خیر و شر کا مبداء اور منشاء انسان میں اسکی روح اور اسکی طبیعت اور جبلت ہے جسم سے روح کے مطابق اعمال سرزد ہوتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر کرتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب
رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ وَلَئِن
کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی اور اگر ہم
شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ
چاہیں تو لے جاویں جو چیز تم کو وحی بھیجی پھر تو نہ پاوے اپنے
بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ
لادینے کو ہم پر کوئی ذمہ لینے والا مگر مہربانی سے تیرے رب کی اسکی بخشش تجھ پر
كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝
بڑی ہے

ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قال اللّٰہ تعالیٰ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ... الى ... إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا

ربط: گزشتہ آیت وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا میں ظالموں کی عداوت کا ذکر فرمایا یہ ظالم قرآن عظیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے تھے ازانجملہ یہ ہے کہ ایک بار قریش نے باہم فیصلہ اور مشورہ کیا کہ یہود اہل علم اور اہل کتاب ہیں ان سے دریافت کرو کوئی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی پوچھیں جس کا جواب آپ سے نہ بن سکے چنانچہ

قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو مدینہ بھیجا انہوں نے مشرکین سے کہلا بھیجا کہ وہ آپ سے تین باتیں پوچھیں۔

(۱) روح کی بابت سوال کرو۔

(۲) اصحاب کہف کا حال دریافت کرو کہ وہ کون تھے اور کیوں غائب ہوگئے۔

(۳) ذوالقرنین کا حال پوچھو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟

اور یہود نے کہلا بھیجا کہ آپ سے یہ تینوں باتیں پوچھیں اگر آپ ان سب باتوں کا جواب دیدیں یا ان میں سے کسی کا بھی جواب نہ دیں تو آپ نبی نہیں اور اگر بعض باتوں کا جواب دیا اور دوسری بابت روح کا جواب نہ دیا تو سمجھو کہ وہ نبی ہیں کیونکہ روح کی کیفیت کسی آسمانی کتاب میں مذکور نہیں اور توریت میں ہے کہ روح کی حقیقت سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں پس اگر آپ روح کی حقیقت نہ بیان کریں تو سمجھو کہ آپ نبی ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے مکہ واپس آکر آپ سے یہ سوالات کیئے ایک سوال روح کا تھا کہ وہ کیا ہے اس سوال کا جواب تو اس آیت میں مذکور ہے اور باقی دونوں سوالوں کے جواب دوسرے مقام پر مذکور ہیں۔ آیت کا یہ شان نزول مذکورہ سطور بالا ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہی قرین قیاس ہے کیونکہ یہ تمام سورت مکی ہے اور بخاری میں اور مسلم اور ترمذی کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود نے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کے لئے کیا اس قول کی بنا پر یہ آیت مدنی ہوگی اسی وجہ سے اس آیت کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مکرر ہوا پہلی بار قریش کے سوال پر یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور پھر جب یہود نے مدینہ میں آپ سے روح کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت دوبارہ مدینہ میں یہود کے سوال پر نازل ہوئی۔

ربط دیگر: گزشتہ آیت میں بطور تہدید مشرکین کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ اے نبی کریم! آپ ان ظالموں سے بطور تہدید کہہ دیجئے کہ ہر ایک شخص خواہ وہ سعید ہو یا شقی اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اسکی جوہر روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہر شخص کا عمل اور ہر جسم کا ہر فعل اسکی روح اور اس کے روحانی مزاج اور طبیعت کے مشاکل اور مماثل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے قرآن کریم کو تم پر اتمام حجت کے لیے اور تمہاری روح میں جو صلاحیت اور استعداد پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے نازل کیا ہے کہ جس نے قرآن کی ہدایت کو قبول کیا اور اس نسخۂ شفا کو استعمال کیا معلوم ہوا کہ اسکی روح صحیح ہے اور جس نے اس نسخۂ شفا سے منہ موڑا وہ شقی ہے اللہ نے جس فطرت اور جبلت پر تم کو پیدا کیا ہے وہ پہلے ہی تم سے خوب آگاہ ہے تم اگر اپنی سعادت و شقاوت کو جاننا چاہتے ہو تو اس کا معیار یہ نسخۂ شفاء اور نسخۂ ہدایت ہے اور خوب سمجھ

لوگ یہ قرآن کیسا سعادت ہے اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

اے نبی یہ لوگ آپ سے امتحاناً روح انسانی کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اسکی حقیقت اور کنہ کیا ہے جس سے انسان کی زندگی متعلق ہے سو آپ انکے جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ روح ایک خاص چیز ہے کہ جو میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے جب اسکے حکم سے بدن میں جان ڈالی جاتی ہے تو بدن جی اٹھتا ہے اور جب اسکے حکم سے نکال لی جاتی ہے تو مرجاتا ہے اور باقی اسکی مفصل حقیقت اور اصلی کنہ اور ماہیت کی معرفت کا توقع ہی نہ کرنا اس لیے کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے صرف چند چیزوں کی چند صفات اور چند کیفیات کا تھوڑا سا علم بقدر ضرورت اور بطور حاجت چند روز کے لیے تم کو دیا گیا ہے اور اکثر چیزوں کا علم تم سے مخفی رکھا گیا ہے جہاں نہ تمہارے حواس ظاہرہ کی رسائی ہے اور نہ حواس باطنہ کی پس روح کو بھی اسی کثیر یعنی ان اکثر چیزوں میں داخل کرو جن کا تم کو بالکل علم نہیں تمہارا مبلغ علم صرف اتنا ہے کہ تم حق تعالیٰ کے عطا کردہ حواس سے کچھ تھوڑا علم حاصل کر لیتے ہو باقی اصل حقیقت اور کنہ تمہیں کسی چیز کی بھی معلوم نہیں صرف چند مادی چیزوں کے صفات اور چند کیفیات کا تم کو کچھ علم حاصل ہوا ہے جس پر فلاسفہ اور سائنس دان اتراتے ہیں فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

اور یہ نہیں سمجھنا کہ یہ تھوڑا سا علم ان کو ملا ہے وہ بطور عاریت ہے جس طرح انسان کا نفس وجود اسکا ذاتی نہیں بلکہ من جانب اللہ لیا ہوا عاریت ہے اسی طرح انسان کا علم اور ادراک بھی اسکا ذاتی نہیں بلکہ وجود کی طرح چند روزہ عاریت ہے اور تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھول چوک ساتھ لگا دی ہے تاکہ نادان انسان اپنے آپ کو اس علم و ادراک کا مالک نہ سمجھے۔

حضرت امام قرطبی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ روح کے علم کو انسان سے پوشیدہ رکھا کہ انسان کو اپنا عاجز اور قاصر ہونا معلوم ہو جائے کہ میں اس درجہ قاصر ہوں کہ اپنی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور اپنی روح کو بھی نہیں جان سکا جس سے میری زندگی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو خداوند دوجہاں کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۲۴ جلد ۱۰)

حق تعالیٰ نے انسان کو قلیل علم اور معرفت سے سرفراز فرمایا مگر اس کو خود اپنی حقیقت کی معرفت سے محروم کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ روح عالم امر کی ایک خاص چیز ہے جو تمہاری عقل اور ادراک سے بالا ہے تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اس علم قلیل کے ذریعہ سے تم دنیا کی چند چیزوں کو کچھ سمجھ لیتے ہو عالم آخرت اور عالم غیب کی چیزوں کو کیا جانو اور کیا سمجھو يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ

خلاصۂ کلام تمہارے علم کا حال تو یہ ہے کہ تم پانی اور آگ کی حقیقت سے بھی واقف نہیں تم روح اور جان کو کیا جانو روح کے متعلق خدا تعالیٰ اور اسکے رسول نے جتنا بتلا دیا اتنا جان سکتے ہو اس سے زائد کچھ نہیں جان سکتے۔

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن ۔ کہ جاہا سپر باید انداختن

انسان اپنی عقل اور فکر سے فقط اشیاء کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے خواہ وہ اشیاء محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر انکی کنہ اور اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا کہ آگ اور پانی موجود ہے مگر انکی اصل حقیقت نہیں بتلا سکتا کہ وہ کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اسکے کچھ اوصاف بتلا دے گا اور اگر وہ شے مرکب ہوئی تو اسکے کچھ اجزاء کی تشریح کر دے گا اور اپنا اندازہ اور تخمینہ بتلا دے گا مگر ان اجزاء کی پوری حقیقت اور اصل ماہیت اور انکی پوری کمیت اور پوری کیفیت نہیں بیان کر سکے گا انسان صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہائیڈروجن ہے مگر جب اس سے یہ پوچھو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے تو نہیں بتلا سکے گا فلاسفۂ جدید و قدیم سماعت اور بصارت اور فہم و فراست اور جہالت و حماقت کے وجود کے بلا اختلاف قائل ہیں مگر سماعت اور بصارت کی حقیقت اور کیفیت کے بیان کرنے میں حیران و سرگرداں ہیں اور فہم و فراست اور جہالت اور حماقت کی حقیقت بتلانے سے عاجز اور درماندہ ہیں آج تک کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی اور کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان یہ نہیں بتلا سکا کہ فہم و فراست اور جہالت و حماقت کی اصل حقیقت اور اسکی کنہ اور ماہیت کیا ہے پس جب کہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں بتا سکتا کہ جو روز مرہ اسکے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی رہتی ہیں تو اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ انسان اپنی عقل سے روح کے وجود کو تو معلوم کر سکتا ہے مگر اسکی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا اور کسی شے کے وجود کا محض اس لیے انکار کر دینا کہ ہمیں اسکی حقیقت معلوم نہیں ہوئی یا ہم نے اپنی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ نہیں کیا کھلی ہوئی بے عقلی اور نادانی ہے سب کا اتفاق ہے کہ آفرینش عالم سے لے کر اب تک عالم کے کل عقلاء نے مجموعی طور پر جن چیزوں کو جانا ہے وہ محدود ہیں اور نہایت محدود ہیں اور جن چیزوں کو نہیں جانا اور نہیں پہچانا وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور محدود کو غیر محدود سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے اس لیے کہ سمندر خواہ کتنا ہی وسیع ہو مگر بہر حال محدود اور متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں اتنا جاننا کافی ہے اور بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مر گیا (انتہیٰ)

صرف اتنی بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے کہ جو بدن میں آگئی تو بدن زندہ ہو گیا

اور جب بدن سے نکل گئی تو مردہ ہو گیا اس کے سوا سب باتیں ظنی ہیں غرض یہ کہ روح ایک حقیقت ثابتہ در واقعیہ ہے مگر محسوس نہیں، اور اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا اثیر وغیرہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہم ان سے محسوس نہیں ہوتیں مگر انکے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح روح بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ ہے اگرچہ وہ ہم کو محسوس نہیں اسکا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی بندہ کو اللہ نے اسکا پورا علم نہیں دیا اور آیت کے ختم پر یہ فرمایا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے یہ خطاب تمام مخلوق کو ہے۔

فائدہ جلیلہ اس آیت میں تمام عالم کے علم کو جو قلیل فرمایا وہ بہ نسبت علم الٰہی کے فرمایا کہ بمقابلہ علم الٰہی بہت ہی قلیل ہے اور دوسری آیت میں جو کتاب اور حکمت کے علم کو خیر کثیر فرمایا وہ بندوں کے اعتبار سے فرمایا کہ بہ نسبت متاع دنیا علم حکمت خیر کثیر ہے کتاب و حکمت کا علم اگرچہ قلیل ہو مگر وہ بھی خیر کثیر ہے اس آیت میں کثیر خیر کی صفت ہے نہ کہ علم کی لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نکتہ آیت کا آغاز سوال سے فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ ازراہ تعنت وعناد غیر ضروری مسائل میں آپ سے جھگڑتے ہیں اور نسخۂ شفاء قرآن کریم جو روح ہدایت ہے اس سے حیات طیبہ زندگی حاصل نہیں کرتے۔

اقوال حکماء و علماء دربارۂ روح

روح انسانی کی ماہیت میں عقلاء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آدمی جب مر جاتا ہے تو اس میں سے سوائے خون کے کوئی چیز کم نہیں ہوتی اور بعض کا قول یہ ہے کہ روح سانس کا نام ہے کیونکہ سانس کے رک جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور اطباء یہ کہتے ہیں کہ خون کے بخارات لطیفہ کا نام روح ہے اور یورپ کے فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف بخارات اور اسٹیم کا نام ہے جس سے جسم کی تمام کلیں چلتی رہتی ہیں جب یہ بھاپ بننا بند ہو جاتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

اور حضرات متکلمین اور اولیاء و عارفین یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جسم نورانی اور لطیف کا نام ہے جو تمام بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا نام موت ہے، امام الحرمینؒ اور امام رازیؒ کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسانی ایک جسم لطیف اور نورانی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور

مقدار سے بڑی ہے اور روح حیوانی ایک بخار لطیف کا نام ہے جو اس روح انسانی کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف، صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری میں جسم ظاہری کی کیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہری اور حسی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو یہ جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہو جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے جو اخلاط اربعہ خون اور بلغم اور صفراء اور سوداء سے پیدا ہوتا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبیعت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرمی اور سردی اور خشکی اور تری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخار لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیفہ غیبی ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور یہ عالم محسوس کے لیے ایک مسافر خانہ ہے اور روح حیوانی اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لیے آئی ہے تاکہ یہاں آکر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کیلئے توشہ لے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس قدر علم تم کو دیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے روح کی حقیقت اور ماہیت کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں اور پھر وہ قلیل علم جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے اسکے متعلق ہم کو اختیار ہے کہ جب چاہیں تو وہ قلیل علم بھی تم سے واپس لے لیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اے ہمارے رسول ہم نے جس قدر علم آپ کو دیا ہے یہ ہمارا فضل اور احسان ہے اگر ہم چاہیں تو وہ علم بھی واپس لے لیں جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو عطا کیا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے سو ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کو آپ کے سینے سے ایسا محو کر دیں کہ آپ کو اس کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے اور لوگوں کے سینوں سے بھی قرآن نکال دیں اور کاغذوں سے مٹا دیں جو خدا سینہ میں علم پہنچا سکتا ہے وہی خدا سینہ سے اس علم کو نکال بھی سکتا ہے جس طرح دینا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اسکے اختیار میں ہے تو آپ ہمارے لے جانے کے بعد اس کے واپس لانے کے لیے کوئی کارساز نہ پائیں گے کہ کوئی دوبارہ اس قرآن کو سینوں میں اور مصاحف میں واپس لے آئے مگر تیرے پروردگار نے اپنی مہربانی سے اس علم کو تیرے پاس باقی رکھا اور اپنے عطا کیے ہوئے علم کو تجھ سے واپس نہیں لیا یعنی اگر ہم چاہتے تو اس قرآن کو واپس لے جاتے مگر بمقتضائے فضل و کرم ایسا نہیں کرتے یا یہ معنی ہیں مگر یہ کہ اللہ تجھ پر

رحم کرے اور سلب اور محو کرنے کے بعد وہ علم دوبارہ آپ کو واپس کر دے اور بذریعہ وحی جدید کے وہ علم پھر آپ کو دوبارہ عطا کر دے معلوم ہوا کہ علم کی عطا اور پھر اسکی بقا یہ سب اللہ کے فضل اور اسکی رحمت سے ہے بیشک اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہ اسکے فضل سے یہ قرآن آپ پر نازل ہوا اور اسی نے اپنے فضل سے اس قرآن کو آپ کے سینہ میں باقی رکھا اسجانب اللہ اس قرآن عظیم کا آنا یہ بھی اس کا فضل ہے اور آپ کے سینہ میں بلاکم وکاست محفوظ رہنا یہ بھی اسکا فضل ہے۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مقصود لوگوں کو سنانا ہے کہ اے لوگو اس قرآن کو اللہ کی نعمت جانو اور اس پر عمل کرو اور اس نعمت کی ناقدری نہ کرو ورنہ خوب سمجھ لو کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس نعمت کو تم سے واپس لے لیں چنانچہ جب دنیا میں گمراہی عام ہو جائے گی تو ہم اس قرآن کو اٹھا لیں گے اور قیامت قائم کر دیں گے۔

لطائف ومعارف

پہلی معرفت

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اور اس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام روح ہے جو اللہ کے حکم سے قائم ہوئی ہے جس سے ہم زندہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام ہے کہ جس کے اندر سے زندگی کی طرح بدن کی تمام کلیں چلتی رہتی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو تمام کلیں بند ہو جاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے اسی کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شئے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دہری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب وکتاب کے قائل نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شئے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب وعذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔

(۱) تمام ادیان اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر جسم کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کو روح اور جان اور روان کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک جسم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں تغیرات پیش آتے ہیں مگر وہ چیز جس کی وجہ سے یہ شخص بعینہ وہی شخص کہلاتا ہے جو پہلے تھا اس میں کوئی تغیر نہیں آتا نیز تحقیقات سے یہ امر ثابت ہے کہ مسامات بدن کے ذریعہ جسم کے اجزاء اور ذرات ختم ہو جاتے ہیں اور نئے اجزاء اور ذرات پیدا ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ جسم اور یہ بھاپ اور یہ لطیف بخارات میں سے کوئی چیز روح نہیں بلکہ روح حقیقی وہ چیز ہے کہ جو ابتداء پیدائش سے لے کر آخر عمر تک یکساں رہتی ہے جس کو انسان انا اور میں سے تعبیر کرتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے جو تمام عقلاء کا

مخالف ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ عقلاء عالم کا اتفاق اور اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے لہٰذا جو شخص روح کے وجود کا منکر ہے وہ عقلاء عالم و اجماع کا منکر ہے۔ عقلاء عالم اگرچہ اب تک روح کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر رہے لیکن کسی شئے کی حقیقت اور کیفیت کا جاننا اور چیز ہے دنیا کی ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزیں ایسی نکلیں گی کہ دنیا ان کی حقیقت اور کیفیت کے جاننے سے عاجز اور قاصر ہے مگر اس شئے کی قائل ہے۔

لہٰذا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح وجود باری تعالیٰ کا اقرار ایک امر فطری ہے اسی طرح روح کے وجود کا اقرار بھی ایک امر فطری ہے۔

(۲) نیز چالیس سال کے بعد آدمی کے تمام اعضاء میں نقصان اور انحطاط شروع ہو جاتا ہے مگر عقلی قوت بڑھ جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شئے کے ساتھ قوت عقل قائم ہے وہ کوئی جسمانی شئے نہیں۔

(۳) نیز خواب کی حالت میں تمام جسمانی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں قوت سامعہ اور قوت باصرہ اور قوت شامہ وغیرہ وغیرہ یہ تمام قوتیں نیند کی حالت میں بیکار ہو جاتی ہیں لیکن نیند کی حالت میں روحانی قوتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے خواب میں انسان کو عجیب و غریب انکشافات ہوتے ہیں اور دوسرے عالم کی چیزوں پر مطلع ہوتا ہے پس جو چیز ان جسمانی قوتوں کے معطل ہو جانے کے بعد قوی اور تیز ہو جاتی ہے اور دوسرے عالم کی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے وہی روح ہے۔

(۴) نیز انسان بسا اوقات اپنے اعضاء کو اپنی طرف مضاف کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا سر اور میرا دماغ اور میرا بدن اور میرا پیر وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ انسان کی حقیقت ان اعضاء کے سوا ہے اس لیے کہ مضاف الیہ مضاف کے سوا ہوتا ہے بسا اوقات انسان یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا پس اگر اس لفظ "میں" کا مصداق بھی اعضاء اور جوارح ہوتے تو لازم آتا کہ ہاتھ اور پیر کٹ جانے کے بعد انسان انسان نہ رہے معلوم ہوا کہ اس لفظ "میں" کا مصداق اس جسم ظاہری کے علاوہ کوئی اور شئے ہے اور وہی روح ہے۔

(۵) نیز انسان بسا اوقات کسی کام میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء سے بالکل غافل ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں وہ اپنی حقیقت سے غافل نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ اس حالت میں یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا اور یہ دیکھا اور یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدمی کی حقیقت ان اعضاء اور جوارح کے سوا کوئی اور چیز ہے اور وہی روح ہے۔

(۶) انسان کے شعور و ادراک اور کمال کی کوئی حد نہیں اور جسم اور عالم جسمانی سب محدود ہے معلوم ہوا کہ اس غیر محدود شعور کا تعلق کسی جسمانی چیز سے نہیں اس لیے کہ اگر ادراک اور شعور کا تعلق اس جسم سے مخصوص ہوتا تو بقدر اس کے طول اور عرض اور عمق کے ہوتا یہ غیر محدود علوم اور ادراکات اس محدود جسم میں کیسے سما گئے۔

(۷) جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو

چیز جس سے وہ کسی دوسری چیز کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے خود مقصود نہیں بلکہ جو چیز ان آلات کو استعمال کرنے والی ہے وہ جسم کے علاوہ کوئی اور شئے ہے انسان کے تمام اعضاء ظاہرہ بمنزلہ آلہ کے ہیں اور دیکھنے والا کوئی اور ہے ۔

(۸) نیز ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بسا اوقات عالم امور معنویہ اور عقلیہ کا ادراک کرتا ہے جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور احساس و ادراک میں وہ حواس ظاہرہ کا مطلق محتاج نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ جسم انسانی میں کوئی شئے ایسی ضرور ہے جو اس ظاہری جسم کے علاوہ ہے ۔

(۹) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے بعد شہید زندہ ہے اسکو مردہ کہنا جائز نہیں حالانکہ جسم مردہ ہے معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری انسان کی حقیقت نہیں ۔

(۱۰) آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور جنت یا جہنم میں بھیج دیا جائیگا حالانکہ ان تمام حالات میں جسم انسانی مردہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انسان اس جسم کے علاوہ کوئی دوسری حقیقت ہے ۔

بعض جاہل مدعیان فلسفہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مردہ کے منہ سے کوئی شئے نکلتی ہوئی نہیں دیکھتے روح اگر کوئی چیز ہوتی تو نکلتے وقت ہم کو دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی ۔

جواب اس کا یہ ہے کہ روح کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو جیسے ہوا اور ایتھر جس کے علماء طبیعیات بھی قائل ہیں اور فرشتے بھی اللہ کی ایک لطیف اور نورانی مخلوق ہے اللہ نے اس کو قوت اور طاقت دی ہے کہ وہ جسم انسانی میں سے اس لطیف چیز (یعنی روح) کو فوراً و قوت سے نکال لے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ روح اس جسم کا نام نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور حقیقت ہے جو اس جسم میں مستور اور مخفی ہے اور اس جسم ظاہری کیلئے مدبر اور حاکم ہے اور یہ جسم اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے پس اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میری حقیقت محض یہ ظاہری جسم ہی ہے تو اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یہ سمجھے کہ میری حقیقت صرف یہی گدھا ہے جس پر میں سوار ہوں سو اسکا علاج کسی کے پاس نہیں ۔

حضرات محققین فرماتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف اور صاف و شفاف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح کوئلہ میں آگ اور سبز شاخ میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے ۔

اور براء بن عازبؓ کی ایک حدیث میں ہے جو مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ملائکۃ الموت اچھے لوگوں کی روح کو جنت کے کپڑوں میں لپیٹ کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور برے لوگوں کی روح کو ٹاٹ کے کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اس قسم کی بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور نورانی ہے کیونکہ کپڑوں میں لپیٹنا یہ شان جسم ہی کی ہے ۔

چوتھی معرفت

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کے کمالات ذاتی نہیں بلکہ رب کریم کا عطیہ ہیں اور وہ کمالات مع محدود ہیں جیسا کہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اس پر صراحتہً دلالت کرتا ہے کہ علم اللہ کا عطیہ ہے اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل اور محدود ہے اس لیے کہ لفظ قلیلاً کا مادہ بھی قلت پر دلالت کرتا ہے خود قلیلاً کی تنوین بھی تقلیل کے لیے ہے جو کہ کہتا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے مگر اس کا علم اس کے جہل سے کبھی نہیں بڑھ سکتا اس لیے کہ انسان کا علم محدود اور متناہی ہے اور جہل غیر محدود اور غیر متناہی بالفعل ہے جن چیزوں کو انسان نہیں جانتا ان کی کوئی حد اور شمار نہیں معلوم ہوا کہ انسان کا جہل اور اس کی لاعلمی غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور پھر انسان کو جن چند چیزوں کا علم ہوتا ہے وہ بھی فقط ان چیزوں کے چند ظاہری احوال اور چند صفات اور چند کیفیات کا علم ہوتا ہے مستقل حقیقت اور ماہیت کا اور پوری صفات اور تمام کیفیات کا وہاں بھی علم نہیں ہوتا بلکہ انسان جس چیز کے علم کا مدعی ہوتا ہے اس ایک چیز کے علم میں بھی اس کا جہل اس کے علم پر غالب رہتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ علم اور ادراک کا معدن اور مخزن دل اور دماغ ہے جو حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہے جس کو چاہے عقل دے اور جتنی چاہے اتنی ہی دے اور جس کو چاہے عقل سے بالکل محروم کر دے جیسی طرح عقل اور ادراک اور شعور کا دینا اس کے قبضہ میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے فرزانہ بنادے اور جس کو چاہے دیوانہ بنادے بہرحال انسان کا ادراک اور شعور محدود ہے اور کسی ایک شے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔

پانچویں معرفت

لفظ خلق اور لفظ امر کی تشریح اور ان کا باہمی فرق

قرآن کریم میں لفظ خلق اور لفظ امر بکثرت مستعمل ہوا ہے اور سورۂ اعراف کی اس آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ میں دونوں لفظوں کو یکجا لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں ایک دوسرے

لہ لفظ خلق اور لفظ امر کا باہمی اصلی فرق تو حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور اس پر جو اضافہ ہے وہ اس ناچیز کی طرف سے ہے ۱۲ وعفا اللہ عنہ

سے جُدا اور علیحدہ ہیں کیونکہ امر کو خلق کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور عطف بھی مغایرت کو چاہتا ہے رہا یہ امر کہ خلق اور امر میں کیا فرق ہے؟ سو آیت کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں اور امر کے معنی حکم اور فرمانروائی کے ہیں یعنی جو چیز اسکی قدرت اور مشیت سے جس کام اور جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے انکے حکم سے اس کام اور اس غرض کے لیے اسکا جاری ہو جانا یہ امر ہے مثلاً کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اور اس کی کل اور پرزوں کو ایک خاص انداز پر بنانا یہ ایک مرحلہ ہے اور اسکے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مشین فٹ ہو جانے کے بعد اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا جائے تاکہ مشین چالو ہو جائے اور اپنی اپنی ساخت کے مطابق تمام کل پرزے حرکت میں آجائیں۔

اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں طرح طرح کی مشینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں اور پھر ہر مشین کا چھوٹا اور بڑا پرزہ ایک خاص انداز کے مطابق بنایا جس کو تقدیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔ اور پھر اس مشین کے تمام کل اور پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جس کو حق تعالیٰ نے تصویر اور تسویہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اور پھر اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر یعنی روح پھونک کر اسکو جاری اور چالو کیا جس کو حق تعالیٰ نے نفخ روح سے تعبیر کیا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ——— پس جب کرنٹ چھوڑا جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق چلنے لگتی ہے اور کام کرنے لگتی ہے غرض یہ کہ کسی مشین کو بنانا "خلق" ہے اور جس کام کے لیے وہ مشین بنائی گئی اس کے لیے اسکو چالو کرنے کا نام "امر" ہے۔

جب تک امر الٰہی کی بجلی نہ چھوڑی جائے اس وقت تک دنیا کی کوئی مشین چالو نہیں ہو سکتی خدا کی طرف سے اشارہ اور حکم ہوا کہ چل تو فوراً چلنے لگی اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق حرکت کرنے لگتی ہے خلاصہ یہ کہ جسم انسانی بمنزلہ قمقمہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو قمقموں کے اندرونی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور قمقمہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق قمقموں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام قمقمے روشن رہیں گے اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو سارا روشنی معدوم ہو جائے گی۔

اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے رہے گا تو تمام قویٰ اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے اور جب روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا تو بدن کی حس و حرکت یکلخت ختم ہو جائے گی اول الذکر حالت کا نام حیات ہے اور دوسری حالت کا نام موت ہے۔

اور اگر روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ من وجہ باقی ہے تو یہ خواب اور نیند کی حالت ہے نیند کی حالت میں انسان کے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں مگر بعض طبعی افعال بدستور

چلتے

باقی رہتے ہیں مثلاً تنفس اور دوران خون اور ہضم طعام اور کروٹیں بدلنا وغیرہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن سے روح کا تعلق بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم ہے بخلاف موت کے کہ اس میں تمام حواس اور تمام قوتیں یکلخت بیکار اور ختم ہو جاتی ہیں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ جسم اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز یہ کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اپنے جسم کو بھولتی نہیں وہ بار بار اپنے اسی جسم میں واپس آتی ہے نیز یہ کہ روح بعض مرتبہ خواب میں سینکڑوں میل دور کسی شہر میں مقیم رہتی ہے اور یہاں جسم سے صرف چند گھنٹے جدا رہتی ہے بلکہ بعض مرتبہ چند منٹ ہی گذرتے ہیں کہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے لیل و نہار اس عالم کے لیل و نہار سے مختلف ہیں۔

چھٹی معرفت

جس طرح انسانی اجسام باہم متمیز ہیں اور ہر ایک کی ایک خاص صورت اور ایک خاص شکل ہے اسی طرح ارواح انسانی باہم متمیز ہیں اور ہر روح کی خاص صورت اور خاص شکل ہے جو اس جسم کثیف کے ہم شکل اور ہم صورت ہے روح کی شکل بعینہ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک اور کان اور ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ اور ناک اور ہاتھ اور پیر ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے جسمانی ہاتھ روحانی ہاتھوں کے لیے بمنزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں بمنزلہ پاجامہ کے ہیں اور سر بمنزلہ ٹوپی کے ہے اور چہرہ بمنزلہ نقاب کے ہے وقس علی ھذا۔

ساتویں معرفت

مرنے کے بعد اگرچہ روح بدن سے علیحدہ ہو گئی مگر روح کا اس مادی جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے جس کی حقیقت اور کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں جس طرح نیند کی حالت میں روح کو اس جسم کے ساتھ ایک تعلق ضرور رہتا ہے مگر اس کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے اسی طرح سمجھو کہ مرنے کے بعد بھی روح کو جسم میت کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے مگر اس کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے اور اسی تعلق کا نام حیات ہے جس کی بنا پر مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتا ہے جس قسم کا اور جس درجہ کا تعلق ہے اسی قسم کی

اور کسی درجہ کی حیات ہے اسی تعلق کی بنا پر یہ مردہ قبر پر گذرنے والے اور سلام کرنے والے کے سلام کو سنتا ہے اور جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ اس وقت بھی اسکو پہچانتا ہے۔

اور قرآن اور حدیث نے عالم برزخ کے متعلق جو خبر دی ہے وہ سب حق اور صدق ہے کیونکہ انبیاء کرام نے کبھی بھی ایسے امور کی خبر نہیں دی جو عقلاً محال اور ناممکن ہو عالم آخرت کے متعلق جو خبر دی ہے یا تو وہ خود انکی چشم دید ہے یا جن فرشتوں نے ان کو خبر دی ہے انکی چشم دید ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو شئے عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخبر صادق اسکے وجود اور وقوع کی خبر دے تو عقلاً اس خبر کو قبول کرنا اور تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے خود مشاہدہ اور معاینہ تو دلیل ہے ہی اور کسی مخبر صادق کا اپنے مشاہدہ کی خبر دینا یہ بھی تمام عقلاء کے نزدیک دلیل اور حجت ہے اور کسی کا کسی چیز کو نہ دیکھنا یہ کسی عاقل کے نزدیک بھی اس شئے کے عدم کی دلیل نہیں جیسے کہ مشاہدہ بینا پر حجت ہے اور نابینا کا نہ دیکھنا بینا پر حجت نہیں۔

فلاسفہ عالم آخرت کے بارہ میں نابینا ہیں اور حضرات انبیاء کرام بینا ہیں عالم آخرت کے متعلق حضرات انبیاء کرام جو کچھ مشاہدہ بیان کریں وہ عقلاً قابل قبول ہوگا کیونکہ انبیاء کرام سرتاپا صدق ہیں اور انکے قول اور فعل میں ذرہ برابر بھی کذب کا امکان نہیں اور عالم آخرت کے نابیناؤں یعنی فلاسفہ پر اُولِی الْاَيْدِي وَالْاَبْصَارِ کا مشاہدہ حجت ہوگا۔

آٹھویں معرفت

روح نظر کیوں نہیں آتی

روح ایک حقیقت واقعیہ ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں ۔۔۔ آتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شئے مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے اور ہم اسکو محسوس نہیں کر سکتے مگر اسکے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی شئے کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا دیکھو اثیر کہ جس کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا مگر اسکے وجود کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ روشنی کا دارومدار اثیر پر ہے اثیر ایک قسم کی گیس ہے جو تمام فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ بذاتہ ساکن ہے جب تک کوئی دوسرا جسم اسکو حرکت نہ دے وہ حرکت میں نہیں آتا جس طرح ہوا کسی آواز کو بتدریج تموج کے کان تک پہنچاتی ہے اسی طرح اثیر روشنی کو نور کے ذریعے قوت باصرہ تک پہنچاتا ہے غرض یہ کہ دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے احساس سے ہمارے حواس قاصر ہیں مگر لامحالہ انکے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

نویں معرفت

روح اور نفس میں فرق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک ہی شئے ہیں یعنی روح اور نفس ایک ہی شئی کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور ہر ایک کی حقیقت اور ماہیت جدا ہے بعض علماء کے نزدیک نفس اور روح ایک ہی شئے ہیں مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے اور نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے نفس کو ہوا سے کھانے اور پینے کے اور کچھ معلوم نہیں نفس لذات اور شہوات کے اعتبار سے گویا ہے اور غیظ و غضب کے اعتبار سے درندہ ہے اور مکر و فریب کے اعتبار سے شیطان کا حقیقی بھائی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

امام ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں نار سے پیدا ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر نے تمہید شرح مؤطا میں اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان اللّٰه خلق آدم وجعل	اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا
فيه نفسا وروحا فمن	اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس
الروح عفافه وفهمه	عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا اس
وحلمه وسخاؤه ووفاؤه	قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے
ومن النفس شهوته وطيشه	نکلتے ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور
وسفهه وغضبه ونحو هذا	غیظ و غضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاق
كذا في [illegible]	رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں روح نفس

یہ حدیث اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ آدم کی فطرت میں یہ دو متضاد چیزیں بیوست کر دی گئی ہیں ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین سے ہے بعض اولیاء نے نفس شیطان کا جڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح حدیث میں نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں ہے اعدیٰ عدوک نفسک التی بین جنبیک۔ اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے

اعجاز قرآن و اثبات رسالت محمدیہ

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ ... (الیٰ) ... اِلَّا كُفُوْرًا ۔

ربط: گذشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ قرآن نسخۂ شفا ہے مگر یہ معاندین بجائے اس کے کہ اس نسخۂ شفا سے متمتع ہوں نعمت اور عناد پر اُتر رہے ہیں اور خدا کی رحمت کی قدر نہیں کرتے اب آگے قرآن کا اعجاز بیان فرماتے ہیں جو آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جیسی معجز کتاب کا آپ پر نازل ہونا یہ اللہ کا آپ پر فضل کبیر ہے چنانچہ فرماتے ہیں

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن میری نبوت کی حجت کبریٰ اور مجھ پر اللہ کے فضل و رحمت کی ایک عظیمی ہے اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لاویں تب بھی اس جیسا نہ بنا سکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بھی ہو جائے انسان انسان کے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر خدا کے کلام کا کوئی مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتا بعض مشرکوں نے یہ کہا تھا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اسی قرآن کے مثل کہہ سکتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے بجا کیوں نہیں تم سب مل کر اس کے مثل بنانا چاہو تو نہ بنا سکو گے تو یہ بے چارے کیا چیز ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر آدمیوں نے سوائے ناشکری اور ناسپاسی کے اور کسی بات کو قبول نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی فطرت اور روحانی مزاج فاسد تھا کفر اور عناد میں ایسے طریقہ کو اختیار کیا جو ان کی روح کے ہم شکل تھا کما قال تعالیٰ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ہر شخص اپنی جبلت کے موافق عمل کرتا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا

اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو

مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ

نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جاوے تیرے واسطے

جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ

ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہا دے تو اس کے بیچ نہریں

خِلٰلَهَا تَفْجِيرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

بیچ اس کے چلا کر یا گرا دے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُونَ

ٹکڑے یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جاوے

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَنْ

تجھ کو ایک گھر سنہرا یا چڑھ جاوے تو آسمان میں اور ہم

نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۚ قُلْ

یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لاوے ہم پر ایک لکھا جو ہم پڑھ لیں تو کہہ

سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ

سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا اور لوگوں کو

النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ قَالُوا

روکا نہیں ہوا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی ان کو ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ

کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر کہہ اگر ہوتے زمین میں

مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

فرشتے پھرتے بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے

مَلَكًا رَّسُولًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ

کوئی فرشتہ پیغام دے کر کہہ اللہ بس ہے حق ثابت کرنے والا میرے تمہارے بیچ

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا اور جس کو سوجھاوے اللہ

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ

وہی ہے سوجھا اور جس کو بھٹکا دے پھر تو نہ پاوے ان کے کوئی رفیق

مِنْ دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ

اس کے سوا اور اٹھاویں گے ہم ان کو دن قیامت کے اوندھے منہ پر

عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ

اندھے اور گونگے اور بہرے ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے

زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

اور دیں گے ان پر بھڑکا یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے

وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا

اور بولے کیا جب ہو گئے ہم ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم کو اٹھانا ہے نئے بنا

جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ ۞ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

کر کیا نہیں دیکھ چکے جس اللہ نے بنائے آسمان اور

وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ

زمین وہ سکتا ہے ایسوں کو بنانا اور ٹھہرایا ہے ان کا

أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾ قُلْ

ایک وعدہ بے شبہ سو نہیں رہتے بے انصاف بن ناشکری کئے کہہ

لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ

اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی مہر کے خزانے تو ضرور بند کر رکھتے

خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ﴿١٠٠﴾

اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جاویں اور ہے انسان دل کا تنگ

معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن کے اعجاز کا ذکر تھا جب مشرکین جواب سے عاجز اور لاچار ہو گئے تو انہوں نے ازراہِ عناد آپ سے بے ہودہ سوالات شروع کئے اور کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ نشانیاں دکھلائیے جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان آیات میں کفار کے ان شبہات کا جواب دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور یہ لوگ باوجودیکہ قرآن کا اعجاز ان پر ظاہر ہو گیا اور آپ کی نبوت و رسالت اس سے ثابت ہو گئی پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

(۱) یہاں تک کہ تو ہمارے لیے مکہ کی زمین سے چشمہ جاری کر دے جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہوں۔

(۲) یا خاص تیرے لیے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تو انکے درمیان میں نہریں جاری کر دے اور اس قسم کا باغ تیری سرداری اور برتری کا نشان ہو۔

(۳) یا ہم پر کوئی بلا نازل کر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے اور ہم کو ڈراتا رہتا ہے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے گرا دے جس سے تیرے نہ ماننے والے مر جائیں۔

(۴) یا لے آ تو اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کہ ہم اپنی آنکھوں سے سب کو دیکھ لیں اور ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ یہ خدا کا رسول ہے۔

(۵) یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو جس سے دنیا میں تیری کوئی شان ظاہر ہو۔

(۶) اور یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تجھے چڑھتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں

(۷) اور پھر ہم تیرے چڑھنے پر بھی تیری نبوت پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار کر لائے جس کو ہم آپ پڑھ لیں اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کا اتباع کرو اگر تم ہماری ان باتوں کو پورا کر دو گے تو ہم تم کو سچا جانیں گے کہ اللہ کے یہاں تیرا بڑا مرتبہ ہے اور تم اس کے ایلچی ہو اس نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ان سب خرافات کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ فرمائشیں اس شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لیے کمال قدرت کا مدعی ہو میرا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اس کی قدرت کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو بشر میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اس قسم کے تماشے دکھلا سکے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر — جس کو خدا نے تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے مجھ کو اسی قدر قدرت حاصل ہے جو ایک بشر کو دی گئی ہے مگر میں اللہ کا رسول اور اس کا فرستادہ ہوں اس کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں ایسی باتیں کرنے کی مجھ میں قدرت

نہیں جیسے پہلے رسول گزرے ہیں ویسا ہی میں بھی رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو مناسب شان معجزات عطا کیے اور ان معجزات کا ظہور اللہ کی قدرت اور مشیت سے تھا رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہ تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور میری تصدیق کے لئے بہت سے معجزات دیئے جو تمہارے ان فرمائشی معجزات سے ہرگز کم نہیں جیسے شق القمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے معجزات آپ سے ظاہر ہوئے کہ جو آپ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کافی اور شافی تھے اور مشرکین کے اس قول سے کہ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے ان کا عناد اور ہٹ دھرمی صاف ظاہر ہے اور ضدی اور ہٹیلے آدمی کا منہ بھی بند نہیں ہو سکتا۔

جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر

اب آگے کافروں کے اس استعجاب کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں کہ کافروں کا تعجب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو کیوں رسول بنا کر بھیجا ملائکہ کو رسول کیوں نہیں بنایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت یعنی قرآن آگئی تو ان کو ایمان لانے سے سوائے اس بات کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی لوگوں کے پاس قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے متعلق سوائے اس کے اور کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ بشر کے رسول ہونے کو مستبعد سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہو سکتا اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتا تو اس کے یہاں فرشتوں کی کیا کمی تھی یہ لوگ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے حالانکہ پہلے جتنے بھی نبی گزرے وہ سب کے سب بشر ہی تھے ان میں سے کوئی فرشتہ نہ تھا اے نبی! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے کہ اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان کے مناسب ضرور آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیتے جو انہی کی جنس سے ہوتا کیونکہ تعلیم و تلقین کے لئے مناسبت اور باہمی جنسیت شرط ہے مگر چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں تو آدمی ہی رسول ہونا چاہئے۔

جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر

اور اگر باوجود دلائل قاہرہ اور آیات باہرہ کے یہ جاہل آپ سے کہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کا گواہ کون ہے تو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ میرے نبی اور رسول ہونے پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ الٰہی گواہ کافی ہے جس نے میری زبان سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور قسم قسم کے معجزات ظاہر فرما

میرے ہاتھ سے تم کو دکھلا دیئے یہی اللہ کی گواہی ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے ان کو دیکھنے والا ہے وہ صادق کو بھی جانتا ہے اور کاذب کو بھی اور سعادت اور شقاوت اور ہدایت اور ضلالت سب اسکے ہاتھ میں ہے جس کو اللہ ہدایت یعنی توفیق دے وہی ہدایت پانے والا ہے یعنی جس کے دل میں اللہ ہدایت ڈال دے وہی ہدایت پانے والا ہے پھر کسی کو قدرت نہیں کہ اسے گمراہ کر سکے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پاوے گا جو اسے راہ ہدایت پر لے جا سکے اس سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں اللہ نے ہدایت لکھ دی ہے وہ ضرور ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ ازل میں گمراہ ٹھیرا چکا ہے ان کا حق اور ہدایت کی طرف آنا محال ہے پس ایسی صورت میں آپ کافروں کے اعراض سے رنجیدہ نہ ہوں اور طول نہ ہوں قیامت کے دن سب کے اعمال کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا اور قیامت کے دن ہم ان گمراہوں کو ان کے منہ کے بل اندھا اور گونگا اور بہرا بنا کر اٹھائیں گے یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ وہ دنیا میں الٹے چلے تھے اور حق کے دیکھنے سے اندھے اور کہنے سے گونگے اور سننے سے بہرے بنے ہوئے تھے ابتداء حشر کے وقت انکی یہی حالت ہوگی تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی سب پر ظاہر ہو بعد میں یہ حالت نہ رہے گی اس لیے کہ دوسری آیات اور احادیث سے ان کا دیکھنا اور بولنا اور سننا ثابت ہے ان گمراہوں کا ٹھکانا جہنم ہے جب وہ آگ بجھنے لگے گی تو ہم اسکو اور بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا اور کہا کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انکا یہ خیال بالکل غلط ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ یقیناً ان کے مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے لیکن اللہ نے ان کو دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں جس طرح اس دنیاوی حیات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح دوبارہ زندگی کے لیے بھی وقت مقرر ہے اس پر بھی ظالموں نے سوائے ناشکری کے اور بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عذاب ضرور آکر رہے گا لیکن اسکی ایک مدت مقرر ہے اور آدمی جب مر گیا تو اسکی قیامت آگئی۔

اوپر کی آیتوں میں اللہ کے فضل اور رحمت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے سرفراز فرماتے اور اسی نے اپنے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا اس کے بعد مخالفین کے تعنت آمیز سوالات کا ذکر فرمایا جن میں ایک سوال یہ تھا کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ ایمان جب لائیں گے جب زمین میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں تاکہ زراعت سے اموال کثیرہ جمع ہو جائیں اور کھجور اور انگور کے باغات پیدا ہو جائیں اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر

یا غرض اگر تم اللہ کی رحمت پر قابض اور متصرف ہو جاؤ تو تم اپنی طبعی تنگ دلی اور جبلی بخل کی وجہ سے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لوگے لہٰذا تمہاری یہ فرمائش پوری نہ ہوگی اور خزائن رحمت اور وسائل رزق و معیشت تمہارے اختیار میں نہیں دیئے جا سکتے اللہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس پر چاہے رزق کو وسیع کرے اور جس پر چاہے تنگ کرے اور جس کو چاہے اپنے فضل سے اور رحمت سے نبوت اور قرآن عظیم عطا کرے اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے چنانچہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

آپ ان ظالموں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے پروردگار کے خزانہائے رحمت کے مالک اور متصرف ہو جاؤ تو البتہ اس وقت بھی تم اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روک لوگے اس ڈر سے کہ خزانے خرچ کرکے ختم ہو جائیں اور تم مفلس ہو جاؤ اور انسان بڑا تنگ دل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم سب خزانوں کے بھی مالک ہو جاؤ تو تب بھی تم اسی بخل اور دناءت پر رہو گے لہٰذا تم ایسی باتوں کا کیوں سوال کرتے ہو تم اس قابل نہیں تم جیسوں کو دینے سے کیا فائدہ (تفسیر کبیر ص ۴۲۳)۔

اس آیت کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت خاص مشرکوں کے حق میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے اور مقصود انسان کا من حیث انسان ہونے کے اعتبار سے حال بتانا ہے کہ وہ طبعی طور پر بخیل ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق اور ہدایت دے کما قال تعالیٰ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۳۵ جلد ۱۰)

یہ تمام کلام منکرین کی تہدید میں تھا اب آگے پھر منکرین نبوت کے تہدید کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ

اسرائیل سے، جب آیا وہ انکے پاس تو کہا اسکو فرعون نے، میری اٹکل میں

يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ

موسیٰ تجھ پر جادو ہوا بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں

هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ

اتارے . مگر آسمان و زمین کے صاحب نے سوجھانے کو

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ

اور میری اٹکل میں فرعون! تو کپا جاتا ہے پھر چاہا

اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ

کہ ان کو چین نہ دے اس زمین میں پھر ڈبا دیا ہم نے

وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اسکو اور اسکے ساتھ والوں کو سارے اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ

بسو تم زمین میں پھر جب آوے گا وعدہ آخرت کا لے آویں گے ہم تم کو

لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

سمیٹ کر اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے

اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

سو خوشی اور ڈر سنانے کو اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اسکو بانٹ کر کہ پڑھے

النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ

تو اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اسکو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا کہہ تم اس کو مانو یا

اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۚ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا

نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے آگے سے جب

یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّیَقُوْلُوْنَ

ان کے پاس اسکو پڑھیے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ میں اور کہتے ہیں

سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ

پاک ہے ہمارا رب بے شک ہمارے رب کا وعدہ البتہ ہونا ہے اور گرتے ہیں

لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹ السجدة

ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے انکو عاجزی

ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا

ربط : گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا اب ان آیات میں معجزات موسویہ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود انکے وہ ایمان نہیں لاتے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوئے اسی طرح تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کرتے ہو لوگو تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرو گے۔

جس طرح وہ متکبر اور جبار فرعون، خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوا ہے اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نگل جائے گا اور وقار بھی رہے گا تم اپنے انجام کو دیکھ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سرو سامان بشر تھے مگر درپردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بشری اور ظاہری فقیری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذو الجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونیوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزمان کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہو جائیں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (۹) واضح نشانیاں دیں جو انکی نبوت و رسالت کی

روشن دلیلیں تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے پچھلے رکوع میں گذر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک متواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لئے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے وہ سب کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ نو معجزے تمہارے ان فرمائشی معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ حسب الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سودمند نہیں۔

(تفسیر کبیر ملخصاً)

آیت مذکورہ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو معجزات یہ ہیں۔

(۱) عصا اور (۲) ید بیضا اور (۳) قبطیوں پر قحط شدید اور (۴) طوفان باران اور (۵) جراد یعنی ٹڈیاں اور (۶) قمل یعنی چچڑیاں اور (۷) ضفادع یعنی مینڈک اور (۸) دم یعنی خون اور (۹) نقص ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو آیات بینات اور معجزات ہیں اور آیات واضحات ہیں جن کا فرعونیوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر ان آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے مطالبات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کردیں تو یہ ظالم بھی فرعونیوں کی طرح ایمان لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدہ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا اے موسیٰ میں تم کو جادو کیا گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر بتلائیں گے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کردیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس سبب ان کے یہ مطالبات پورے نہیں کئے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نو نشانیوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں مثلاً (۱) دریا کا شق ہونا ——— (۲) عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔ (۳) پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا ——— (۴) بنی اسرائیل پر من و سلویٰ کا نازل ہونا۔

؎ ان نو نشانیوں میں سے سات کی تعیین پر تو سب کا اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے جن سات کی تعیین پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں (۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) طوفان (۴) جراد (۵) قمل (۶) ضفادع (۷) دم اور جن کی تعیین میں اختلاف ہے وہ بعض کے نزدیک (۱) فلق بحر اور (۲) طور ہیں اور بعض کے نزدیک (۱) قحط اور (۲) نقص ثمرات (واللہ اعلم)

(۵) بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کرنا وغیرہ ذالک یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلاد مصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نو نشانیوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں جن کی از راہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوگئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہوا اب دوسرا قول سنیے۔

قول دوم دوسرا قول یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے آیات احکام مراد ہیں یعنی نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تسع آیات کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) چوری مت کرو (۳) زنا مت کرو (۴) ناحق خون مت کرو (۵) سود مت کھاؤ (۶) جادو مت کرو (۷) کسی بے گناہ کو مت پکڑو (۸) کسی عفیف عورت پر تہمت نہ لگاؤ (۹) جہاد سے مت بھاگو۔

یہ نو احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شنبہ کے دن حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ نبوت ہمیشہ انہی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر افتراء تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ تسع آیات سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور ہوئے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایائے توریت ہیں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ بصائر بھی اسی معنی پر چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ سب معجزات ایسی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کے علاوہ توریت کے ان نو احکام کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا واللہ اعلم۔

اور آیات قرآنیہ میں تسع آیات بینات سے وہ نشانات مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونیوں کو دکھلائے گئے تاکہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیر کا خیال ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ تسع آیات کو ذکر کر دیا بہرحال سیاق و سباق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تسع آیات

بینات سے وہ معجزات مراد لیے جائیں جو فرعونیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونیوں کو ان آیات بینات سے ڈرایا تو فرعون نے از راہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ میں بلا شبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تو مخبوط الحواس ہو گیا ہے اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے جب فرعون نے ان آیات بینات کو جادو [illegible] لگے فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا اے فرعون تحقیق تو خوب جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو ضد اور عناد سے ان کا انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے درآں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کرشمہ ہے کوئی جادو نہیں مگر حسد اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر دیتی ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور معجزات کے دیکھنے کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا یعنی فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور ان کے غرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں بسو جس سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ مشرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ان کی سرزمین کا وارث بنا دے اور اسی میں ان کو بسا دے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق بولا گیا ہے فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی یہی لفظ اسی سورت میں تھوڑا پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزر چکا ہے وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا یعنی اہل مکہ آپ کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ عنقریب آپ کو اسی سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہرحال فرعون اور فرعونیوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر فرمایا اور اس دنیا میں ہوا اور جب آخرت کا وعدہ آ پہنچے گا تو ہم سب کو گڈمڈ یعنی خلط ملط سمیٹ کر حشر میں لاموجود کریں گے مومن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈمڈ اور مخلوط ہوں گے اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے گا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ پر نازل ہوا اور اول تا آخر شیاطین سے محفوظ ہے اور اول تا آخر بس حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے

بنا تھا اسی طرح محفوظ و مدون ہو کر بلا کم و کاست آپ کے پاس پہنچ گیا غیر کا کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیں مگر ہدایت انکے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ کو فقط بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دیدینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے لہذا آپ کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ ازیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے مقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کرکے اتارا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اسکے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسب حالات و واقعات تدریجاً اتارا ہے تاکہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آجائے اور ہر آیت اور ہر حکم کا محل اور موقع خوب اچھی طرح دل نشین ہو جائے تاکہ آیت کو بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے نیز اگر تمام احکام دفعۃً نازل ہو جاتے تو گھبرا جاتے یہ اللہ کا کلام ہے اور اسکے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ خدا کے یہاں سب برابر ہے تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور گاہ گاہے ٹھوڑی پر گرتا ہے یہ کنایہ ہے غلبۂ خوف اور جذبۂ شوق سے اور مطلب یہ ہے کہ غلبۂ شوق کی بنا پر انکی تعظیم کے بجا لانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی توریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشائر النبیین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے انکو توریت اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیلؓ اور سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ وغیرہم یہ لوگ انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے

نبی آخر الزمان اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدہ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سابقہ میں جو اس نے نبی آخر الزمان کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا اللہ تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرما دیا قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اسی وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی عظمت انکے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں انکی فروتنی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ پہلے سے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے جو جاہل اور نادان ہیں قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا

کہہ | اللہ | کو پکارو | یا | رحمٰن | کو | جو کچھ کہہ کر

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْـهَرْ

پکارو گے | سو اسی کے ہیں سب نام | اچھے | اور نہ پکار

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ

اپنی نماز میں | نہ چپکے | پڑھ | اور | ڈھونڈ لے اس کے

ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

بیچ | میں | راہ | اور کہہ | سب تعریف | اللہ کو | جس نے

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

نہیں رکھی | اولاد | نہ کوئی اسکا ساجھی | سلطنت میں

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱

نہ کوئی اس کا | مددگار | ذلت کے وقت پر | اور اسکی بڑائی کر بڑا جان کر

خاتمۂ سورت بر توحید و تحمید

قال اللہ تعالیٰ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ... الیٰ...... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا (ربط) سورت کا آغاز اللہ کی تسبیح و تنزیہ سے ہوا اب سورت کا اختتام اللہ کی توحید اور اس کی تحمید اور اس کی تکبیر و تمجید پر ہو رہا ہے جو غایت درجہ لطیف ہے ابتدا کی طرح اخیر میں بھی اللہ تعالیٰ کا تمام نقائص عجز اور ذلت سے مبرا اور منزہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ گزشتہ آیت میں سجود اور خشوع کا ذکر تھا اس لیے اس کی مناسبت سے ان آیات میں یہ دعا یعنی خدا تعالیٰ کو پکارنے کا ذکر فرماتے ہیں واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ کہتے تھے یا اللہ یا رحمٰن تو اس پر مشرکین نے طعن کیا کہ ہم کو تو دو خدا کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود دو خداؤں کو پکارتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ خواہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو تو سب اچھے نام اسی کے ہیں جس نام سے چاہو اس کو پکارو ناموں کے متعدد ہونے سے مسمیٰ متعدد نہیں ہو جاتا اسماء اور صفت کی تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا جو توحید کے منافی ہو عنوان کے بدلنے سے معنون نہیں بدلتا اچھے نام وہ ہیں جو اللہ کی تنزیہ و تقدیس اور اس کی تحمید و تمجید اور اس کی تعظیم و تکریم پر مشتمل ہوں اور اس کے جلال اور کمال پر دلالت کریں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں ترمذی کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے جن اسمائے حسنیٰ کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں۔

اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القھار، الوھاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر، الحفیظ، المقیت، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشھید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدئ، المعید، المحیی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاول، الآخر، الظاھر، الباطن، الوالی، المتعال، البر، التواب، المنتقم، العفو، الرؤف، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، المانع، الضار، النافع، النور، الھادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور، الستار

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں جن کی تعداد لفظ اللہ کے سوا ننانوے ہے اس کے

علاوہ اس کے اور نام بھی منقول ہیں جو درحقیقت انہی ناموں کے ضمن میں مندرج ہیں۔

اب دعا کے بعد صلوٰۃ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کیونکہ دعا کی طرح نماز کی روح بھی خشوع ہے اور رکوع و سجود نماز کا رکن ہے دعا کے لیے رکوع اور سجود لازم نہیں اور مت یعنی اپنی نماز کی قرأت میں آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت آہستہ کرو اور ان دونوں حالتوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کرو جہری نمازوں میں تو قرأت کو اتنی بلند آواز سے کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ آپ کے اصحاب بھی نہ سن سکیں درمیانی راہ اختیار کرو یہ مضمون حدیث میں آیا ہے معلوم ہوا کہ امام کا کام سنانے کا ہے اور مقتدی کا کام سننے کا ہے نہ کہ پڑھنے کا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی دعا نہ بہت بلند آواز سے مانگو اور نہ بالکل چپکے چپکے، بہرحال مقصود یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے تو درمیانی حالت میں رہے نہ آواز بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔

شریعت نے نماز کے جہر اور اخفاء کے متعلق بھی احکام بتلا دیئے اور دعا کے متعلق بھی بتلا دیئے اور یہ بھی بتلا دیا کہ نماز میں احوال مختلف ہیں کہیں جہر ہے اور کہیں اسرار ہے اور دعا میں یہ بتلا دیا کہ دعا میں اخفاء اور اسرار افضل ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔

اب نماز اور دعا کے بعد اللہ کی تحمید اور تمجید اور اس کی تنزیہ و تقدیس کو ذکر کر کے سورت کو ختم فرماتے ہیں تاکہ اللہ کی کمال قدرت و عظمت ظاہر ہو اور اہل شرک کی جہالت کا رد ہو اور کہہ دیجئے کہ کمال تعریف ہے اللہ کو جو اولاد نہیں رکھتا کیونکہ صاحب اولاد کسی نہ کسی درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج کمال حمد کا مستحق نہیں اس لفظ میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کا رد ہو گیا یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے۔

و اور نہ کوئی سلطنت میں شریک ہے کیونکہ شرکت نقص اور عیب ہے اور جس میں نقص اور عیب ہو وہ مستحق حمد نہیں۔

و اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اگر وہ کمزور ہوتا تو کمال حمد کا مستحق نہ ہوتا کیونکہ جو دوسرے کی امداد کا محتاج ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں نیز جو کمزور ہوگا وہ کمال انعام پر قادر نہ ہوگا اور جو کمال انعام پر قادر نہ ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں۔

و اور اس کی کبریائی اور عظمت اور بڑائی کو بیان کر خوب بیان کرنا دل و جان سے یہ عقیدہ رکھو کہ اس سے بڑا کوئی نہیں اور وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ وہم و قیاس سے بڑھ کر موصوف ہے لہذا وہی تمام محامد کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اپنی تحمید و تمجید پر ختم فرمایا اور تنزیہ کے لیے مدد کی تمام صورتوں کی نفی فرما دی اس لیے کہ کسی سے مدد لینے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے چھوٹے سے مدد لے

ربط اور مناسبت

گزشتہ سورت (سورۃ الاسراء) کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تحمید پر ہوا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا الخ۔ اور قرآن اور حدیث میں تسبیح اور تحمید ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہیں۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اسی لیے اس سورت کا آغاز تحمید سے ہوا جو گزشتہ سورت کی ابتداء اور آغاز کے ساتھ تو مناسب ہے اور گزشتہ سورت کے خاتمہ کا عین ہے۔

نیز وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ کفار نے آپ کے آزمانے کے لیے تین سوال کیے تھے ایک روح کے متعلق دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق پہلے سوال کا جواب گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یعنی اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ اس سورت میں ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اس سوال سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں قدح کرنا تھا اس لیے سورت کے شروع میں نزول قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ قرآن عظیم آپ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں اول آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان کو ذکر کیا اور اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ منکرین نبوت کے شبہ کے جواب میں ذکر فرمایا۔

اور علاوہ جواب کفار کے اصحاب کہف کے قصہ سے اثبات بعث و حشر و نشر بھی مقصود تھا اسلیے اصحاب کہف کے قصہ کے بعد دنیا کا فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا حال بیان فرمایا جو دور تک چلا گیا اور اس کی مناسبت سے اور بھی مضامین کا بیان ہوا اور جس طرح پہلے سوال یعنی روح کے متعلق سوال کے جواب کے بعد یہ فرمایا وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کہ تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے اسی طرح یہاں دوسرے سوال کے جواب کے بعد یعنی اصحاب کہف کے قصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا پیغمبر خواہ کتنا ہی اولو العزم کیوں نہ ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کی ایک دلیل ہے پھر آخر سورت میں تیسرے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرمایا اور جس طرح اصحاب کہف کے قصہ کے بعد دنیا کے فنا و زوال اور قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا تھا اسی طرح ذوالقرنین کے واقعہ کے بعد قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا اور مضمون توحید و رسالت پر سورت کو ختم فرمایا۔

(یا یوں کہو) کہ پہلی سورت میں مقام نبوت کے علو اور عروج کا اور اس کی عزت و رفعت کا اور

فائدہ جب نبوت اور بادشاہت ایک کمبل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت الٰہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفۂ الٰہی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام یہ دونوں خلیفۂ الٰہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری کسی ایک کمبل اور گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے بادشاہت اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء کے جانشین تھے امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ

سراہیے اللہ کو، جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب، اور نہ رکھی اس میں

لَّهٗ عِوَجًا ۜ ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ

کچھ کجی ، ٹھیک اتاری تا ڈر سنا دے ایک سخت آفت کا اس کی طرف سے

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور خوشخبری دے یقین لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کو اچھا

اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

نیگ ہے جس میں رہا کریں ہمیشہ اور ڈر سنا دے ان کو

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا

جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی نہ ان کے

لِاٰبَاۗىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ

باپ دادوں کو کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب

يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ

جھوٹ ہے جو کہتے ہیں سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان ان کے پیچھے

إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ إِنَّا جَعَلْنَا مَا

اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر ہم نے بنایا ہے جو

عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر

آغاز سورت بتحمید بر انزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید و رسالت

و ذکر فنا و زوال دنیا برائے تذکیر آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ... الٰی ... صَعِيْدًا جُرُزًا

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور دنیا کے فنا و زوال اور اس کی حقارت اور آخرت کی جزاء و سزا کو بیان فرمایا اور تین قصے بیان فرمائے جن سے بھی مقصود اثبات توحید و رسالت اور اثبات قیامت ہے اور گزشتہ سورت کو حمد پر ختم فرمایا اور اس سورت کو تحمید و ثناء سے شروع فرمایا اور سلسلۂ نبوت سے اسکی ابتداء فرمائی اور اپنی سب سے بڑی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ کتاب ہدایت نازل فرمائی جو تمہارے لیے سامان ہدایت ہے اور نبی کے لیے دلیل نبوت اور برہان رسالت پھر اس قرآن کو نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت مجسم تھے اس لیے آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج ہوتا تھا اس لیے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ سے آپ کی تسلی فرمائی اور اہل دنیا اور اہل غفلت کو تنبیہ فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی نعمتیں چند روزہ ہیں ان میں پڑ کر خدا سے غفلت نہ برتو إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ سے یہی بتلایا کہ دنیا اور اس کو

عیش و آرام چند روزہ ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں سب حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب قرآن کریم اتاری اور ذرہ برابر اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں رکھی نہ لفظوں کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل ہے اور نہ معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی ہے یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی کجی دور کرنے کے لیے نازل کی اس کتاب میں کوئی بھی عیب اور کجی نہیں اور جو لوگ اس میں عیب نکالتے ہیں وہ اپنی عقل کا قصور اور فتور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک اور راستی اور استقامت کے ساتھ موصوف ہے خود درست اور درست ہے اور دوسروں کو راہ راست پر چلانے والی ہے ایسی کتاب میں کجی کا امکان کہاں چنانچہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے نازل کرنے پر اپنی حمد فرمائی کیونکہ نزول قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور اسکی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور نیز عظیم دو سعادت دارین کا ذریعہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اور اس کتاب کو اس لیے نازل کیا تاکہ وہ کتاب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرائے جو من جانب اللہ کی عقوبت دلوں پر نازل ہوگا اور تاکہ خوشخبری دے اہل ایمان کو جو اعمال صالحہ کرتے ہیں جن لوگوں نے اعمال صالحہ سے اپنی باطنی کجی کو دور کر لیا اور صراط مستقیم اور راہ راست پر چل پڑے ایسے لوگوں کو یہ کتاب بشارت دیتی ہے کہ ان کے لیے آخرت میں نیک بدلہ ہے یعنی جنت ہے جو دارِ کرامت اور دارِ نعمت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے منتقل نہ ہوں گے اور تاکہ کافروں میں سے بالخصوص ان لوگوں کو ڈرائے کہ جنہوں نے قصور عقل اور کج راہی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ کجی اور قصور عقل کی دلیل ہے اس بات کا ان کو کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ ان کی تقریر اس قسم کی نامعقول باتیں انکی کج طبعی کی دلیل ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت اور سبوحیت سے بالکل بے خبر ہیں بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یعنی نہایت نامعقول اور نازیبا بات ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ نرا جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا کے لیے اولاد و بیٹا ایسا جھوٹ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ جائیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔ اولاد تو اس کی ہو سکتی ہے کہ جو جسم ہو اور اجزاء لا یتجزیٰ سے مرکب ہو اور اپنے ترکیب اور ترتیب دینے والے کا محتاج ہو اور خدا تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور منزہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کج فہموں اور کج راہوں کی اس قسم کی باتیں سن کر رنج ہوتا تھا تو آپ کی تسلی کے لیے فرماتے

ایسا نہیں شاید آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک کر دیں اگر وہ اس بات پر یعنی قرآن پر ایمان نہ لائیں تو اندیشہ ہے کہ آپ غم یا حسرت کی وجہ سے اپنی جان نہ دیدیں۔

مطلب یہ ہے کہ اتنا غم نہ کیجئے کیونکہ یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے ایک عجائب گھر ہے طرح طرح کی زینتوں سے مزین ہے کوئی کدھر جا رہا ہے اور کوئی کدھر اس لئے کہ تحقیق جو چیز بھی اس زمین پر ہے خواہ وہ نباتات ہوں یا جمادات یا انسان اور حیوانات ہوں، ان کو ہم نے اہل زمین کے لئے آرائش اور زینت بنایا ہے تاکہ اہل زمین کو آزمائیں کہ ان میں سے از راہ عمل کون شخص بہتر ہے یعنی اس عالم آرائش و زیبائش کے پیدا کرنے سے ہمارا مقصود آزمائش ہے اور ظاہر ہے کہ امتحان میں سب کامیاب نہ ہوں گے لہذا آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ سب ہی کامیاب ہو جائیں عاقل وہ ہے کہ جو خدا سے غافل نہ ہو اور اس کی اطاعت میں کاہل نہ ہو اور بے شک یہ دنیا زینت کا گھر ہے لیکن اس زینت اور جمال آرائش کے بعد تحقیق ہم ان تمام چیزوں کو جو اس زمین پر ہیں ایک روز چٹیل میدان بنانے والے ہیں کہ اس روز زمین کی تمام ہی زینت جاتی رہے گی تو اس ناپائیدار زینت پر فریفتہ ہونا کج طبعی اور فتور عقل کی دلیل ہے ۔

جہاں از رنگ و بو ماند بصورت ⁂ ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ و کشش را اعتبار است ⁂ نہ بوئے دلکشش را مدار است

اللّٰهم اجعلنا من الزاهدين في الدنيا والراغبين في الآخرة المتوجهين اليك
آمين يا رب العالمين

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ
کیا تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں

آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا
عجیبا تھے ۔ جب جا بیٹھے وہ جوان اس کھوہ میں پھر بولے

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا
اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کی

رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ
بناوٹ ۔ پھر تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں کئی برس

عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی

گنتی کے پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے

لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾

جتنی مدت وہ رہے

ذکر اجمالی قصۂ اصحاب کہف

قال اللہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ... الیٰ ... لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا

ربط: اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا اب اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتے ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کی بھی دلیل ہے اور قیامت کی بھی دلیل ہے چونکہ قریش نے یہود کے سکھلانے سے آپ کی آزمائش کے لیے آپ سے تین سوال کیے تھے ایک روح کے متعلق جس کا جواب پہلی صورت میں گزر چکا ہے اب دوسرے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ صدہا سال کے واقعات کی صحیح صحیح خبر بدون اللہ کے وحی کے ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ آپ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ نہ کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ پڑھا یہ آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اور اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کی دلیل اس اعتبار سے ہے کہ جو خدا صدہا سال سلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ صدہا اور ہزارہا سال کی موت کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ النوم اخو الموت نیند اور خواب موت کا بھائی ہے دونوں بھائیوں کا حکم یکساں ہے حق جل شانہ نے اصحاب کہف کے قصہ کو اولاً اجمالاً اور پھر تفصیلاً ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے گمان کرنے والے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے کیونکہ یہود نے جب قریش مکہ کو اصحاب کہف کا قصہ پوچھنے کی تلقین کی تو ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا فانہ کان لھم امر عجیب یعنی ان کا قصہ عجیب ہے قرآن کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ اس قصہ کو بہت ہی عجیب خیال کرتے تھے اور اسی خیال سے اس کو سوال کے لیے منتخب کیا اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کسی کا گمان ہے کہ یہ قصہ عجیب ہے بے شک عجیب ہے مگر ہماری آیات قدرت کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج کی پیدائش کیا یہ اصحاب کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں اور غار ثور میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور آپ کے یار غار ابوبکرؓ کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ غار ثور کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکیں یہ اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب نہیں اور اگر نزول سکینت و معیت خداوندی کی نعمت اور ملائکہ کی حراست اور حفاظت پر نظر کیجئے تو غار ثور کا واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بہت زیادہ عجیب ہے۔

اصحاب کہف و رقیم کہف اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو اور رقیم کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ لوگوں نے اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ ایک پتھر یا رانگ کی تختی پر کندہ کر کے اس غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا اس وجہ سے انکو اصحاب کہف و رقیم کہتے ہیں۔

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں غار میں ہونے کی وجہ سے اصحاب کہف کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام اور قصہ کی تختی لکھ کر وہاں لگا دی تھی اس لیے اصحاب رقیم کہلائے بہر صورت اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں اور فی الحقیقت دونوں ایک ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اصحاب رقیم اور اصحاب کہف دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہیں اور رقیم کے معنی پہاڑ کی کھوہ کے ہیں اور قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ تو ذکر کیا گیا مگر اصحاب رقیم کا قصہ قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں ان کا بھی ذکر کر دیا گیا اور فی الحقیقت اصحاب رقیم انکو کہتے ہیں کہ وہ تین اشخاص مراد ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور اوپر سے ایک پتھر آپڑا تھا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اس وقت ہر شخص نے اپنی عمر کے نیک اور مقبول ترین عمل کا واسطہ دیکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جس سے چٹان کھسک گئی اور غار کا منہ کھل گیا امام بخاریؒ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کے عنوان سے ایک مستقل باب منعقد فرمایا اور اس کے ذیل میں بنی اسرائیل کے ان تین شخصوں کا قصہ ذکر فرمایا جو غار میں بند ہو گئے تھے اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اصحاب رقیم دوسری جماعت ہے اور راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ رقیم کے معنی کھوہ کے نہیں بلکہ رقیم کے معنی کتاب مرقوم کے ہیں جیسا کہ قتادہؒ سے منقول ہے کہ رقیم سے وہ لوح مراد ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے نسب اور ان کا دین اور مذہب مرقوم تھا اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دونوں ایک ہی ہیں اور دوسرے قول کی بناء پر دو علیحدہ علیحدہ قصے ہیں۔

(دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص جلد ۵)

عہ دیکھو زاد المسیر ص ۱۰۰ جلد ۵۔

اب ان آیات میں حق جل شانہ اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے مجمل اور مختصر ذکر فرمایا پھر ضروری تفصیل فرمائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو جب ان نوجوانوں نے دنیا کی زینت اور آرائش سے منہ موڑ لیا اور کفر اور شرک کے فتنہ سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور اپنے عالی شان مکانوں کو چھوڑ کر غار کو اپنا ماویٰ اور ملجا بنایا کیونکہ یہ جوان سب شاہی خاندان کے تھے بڑے دولت مند تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے چونکہ عزیز و اقارب کافر تھے اور بادشاہ وقت بت پرست ظالم تھا لوگوں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اس لیے یہ چند جوانان ہمت اور مردان آخرت اپنے دین اور ایمان کو لے کر شہر سے بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کا نام بنجلوس تھا اور اس غار کا نام حیزم تھا واللہ اعلم۔

پس جب غار میں پہنچے تو دعا کی اور یہ کہا اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے کامیابی اور راہ یابی مہیا فرما یا کہ ہمارا انجام نیک ہو رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن اور حفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کا سامان یہ کیا کہ اس غار میں گنتی کے چند سالوں تک ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا یعنی غار میں ان کو ایسی گہری نیند سلا دیا کہ گویا کہ ان کے کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو تمام زحمتوں اور پریشانیوں سے بے خوف و خطر آرام سے سلا دیا اور ہم نے ان پر ایسی نیند غالب کر دی کہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے گنتی کے سال ان تین سو برسوں کو اس لیے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے یہاں تو ایک دن ہزار سال کا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ۔ اس اعتبار سے تو وہ گویا چند گھنٹے سوئے اور چند گھنٹے سونا کوئی عجیب بات نہیں نادان کیوں تعجب کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ظاہر کرنے کے لیے بعثناهم کا لفظ استعمال فرمایا پھر ان گنتی کے سالوں کے بعد ہم نے ان کو نیند سے اٹھایا جیسے موت کے سالہا سال بعد لوگوں کو قیامت میں اٹھا دیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں اور دکھلا دیں کہ اس نوبت میں دو فریقوں میں سے کون سے فریق نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو ٹھیک یاد رکھا ہے اور کس کا شمار بہت صحیح ہے جب وہ جاگے تو آپس میں گفتگو ہوئی کہ کس قدر سوئے کسی نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اور کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار

ف۱؎ اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ احصیٰ فعل ماضی کا صیغہ ہے اور بعض نے احصیٰ کو افعل التفضیل قرار دیا ہے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کون سا فریق اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

جس کو خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے تھے لَبِثْنَا قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ انہیں کا قول ٹھیک تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم طویل مدت سوتے رہے کلام اجمالی طور پر صحیح ہے اگرچہ اس میں مدت کا تعین نہیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو اجمالی طور پر بیان فرمایا اور آئندہ آیات میں اس کی ضروری تفصیل فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آیات کی تفسیر سے پہلے اصحاب کہف کے قصہ کی کچھ تفصیل کر دی جائے تاکہ ناظرین کو آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

اصحاب کہف کا قصہ

محمد بن اسحاقؒ اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور بت پرستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا جس شخص کی نسبت سنتا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اسکو پکڑوا منگاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہو جانے کے درمیان اسکو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اسکو سنگسار کرتا اور عبرت ناک سزا دیتا جہاں جہاں اسکی حکومت تھی سب جگہ یہی آفت برپا تھی روم کے شہروں میں ایک شہر افسوس تھا جس کو عرب طرسوس کہتے ہیں وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گذرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوئے ہیں۔

(دیکھو روح البیان ص ۲۱۰ جلد ۵)

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گذرے ہیں اور انکا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ابن کثیرؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

اس ظالم بادشاہ کو جب ان نوجوانوں کا حال معلوم ہوا تو اپنے پیادے بھیج کر انکو پکڑوا بلوا لیا اور کہا کہ تم میرے معبودوں کو کیوں نہیں پوجتے اور انکے لیے قربانی کیوں نہیں کرتے ـــــ تم کو چاہیے کہ عقیدۂ توحید سے باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا اس کے جواب میں مکسلمینا نے جو ان میں سب سے بڑا تھا کہا کہ ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت اور جلال سے آسمان و زمین پُر ہیں ہم انکے سوا کسی کو نہیں پوجیں گے تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر گذر اس کے بعد دوسرے ساتھیوں نے بھی یہی کہا اس ظالم نے جب انکا یہ قول سنا تو انکے کپڑے اور سونے چاندی کا جو زیور وہ پہنے ہوئے تھے سب اتروا لیے اور کہا کہ جس سزا کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ

میں تم کو ضرور دوں گا مگر میں تمہاری نو عمری کا خیال کر کے تم کو مہلت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملے
میں غور و فکر کر لو اچھا اب تم جاؤ اگر تم نے عقل سے کام لیا تو بہتر ورنہ تمہاری سزا قتل ہے یہ کہہ
کر وہ ظالم کام سے دوسرے شہر میں چلا گیا جب یہ نوجوان اس سے جدا ہوئے تو آپس میں مشورہ
کر کے یہ طے کیا کہ سب اپنے اپنے باپ کے گھر سے کافی مقدار میں خرچ لے لیں پھر اس میں
سے کچھ خیرات کریں اور باقی کو بطور توشہ اپنے ساتھ رکھیں اور شہر کے قریب جو پہاڑ ہے اس کے
غار میں جا کر چھپ جائیں اور وہیں رہ کر اپنے خدا وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرتے رہیں چنانچہ وہ
سب اس رائے پر متفق ہو گئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے باپ کے گھر سے خرچ لیا کچھ
اس میں سے خیرات کیا اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر غار کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک
چرواہا اور چرواہے کا کتا بھی ان کے پیچھے چل پڑا ہر چند اسکو دفع کیا لیکن وہ دفع نہ ہوا اور اس
نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا خدا تعالیٰ نے اس کتے کو بولنے کی قوت دی تو بولا کہ تم مجھ سے نہ
ڈرو میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں میں تمہاری حفاظت اور پاسبانی کروں گا جب پہاڑ
کے پاس پہنچے تو وہ چرواہا بولا کہ میں اس پہاڑ کے ایک غار کو جانتا ہوں کہ ہم اس میں پناہ لے
سکتے ہیں متفق ہو کر سب اس غار کی طرف روانہ ہوئے اور غار میں پہنچ کر نماز اور تسبیح اور تحمید
میں مشغول ہو گئے ان میں سے ایک کا نام تملیخا تھا اس کے پاس سب نے اپنا خرچ جمع کر دیا
وہ رات کو چھپ کر اور بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور ان کے لئے کھانا لاتا اور شہر کی خبریں ان تک
پہنچاتا جب دقیانوس اپنے کام سے فارغ ہو کر پھر شہر افسوس (طرطوس) واپس آیا تو اس نے
ان سات جوانوں کی تفتیش کا حکم دیا تملیخا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر ہماری تلاش
ہو رہی ہے اور ہمارے اعزہ و اقارب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں تو تملیخا یہ معلوم
کر کے تھوڑا کھانا اپنے ساتھ لے کر روتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا
اور بتلایا کہ وہ ظالم پھر شہر میں آ گیا ہے اور اس نے ہماری تلاش کا حکم دیا ہے یہ سنتے ہی
سب گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ اس ظالم کے فتنے سے
ہم کو پناہ دے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے دعا سے فارغ ہو کر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے
اور ایک دوسرے کو تسلی دینے لگے اللہ تعالیٰ نے دفعۃً ان سب پر نیند طاری کر دی اور سب
پڑ کر سو گئے اور کتا غار کے منہ پر اپنی باہیں پھیلا کر پڑ گیا۔

اگلے روز دقیانوس نے انکو تلاش کیا مگر کہیں ان کا پتہ نہ چلا شہر کے سرداروں سے
پوچھا اور کہا کہ مجھ کو ان نوجوانوں کے لاپتہ ہونے کا بڑا رنج ہے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے
معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں انکو معاف کر دیتا سرداروں نے کہا کہ حضور نے حد درجہ مہربانی کی
کہ ان سرکشوں پر رحم فرمایا اور ان کو مہلت دی وہ چاہتے تو اس مدت میں توبہ کر لیتے مگر انہوں نے توبہ

د کی جڑ سے تھا سرکش اور نافرمان ہیں بادشاہ یہ سن کر اور غضب ناک ہوا اور ان کے باپوں کو پکڑوا بلایا اور پوچھا کو بتلاؤ کہ تمہارے وہ سرکش بیٹے جنہوں نے میرے حکم کو نہیں مانا کہاں گئے انھوں نے کہا حضور واقعی سرکش ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں روپوش ہو گئے ہیں باقی ہم نے حضور کی کوئی نافرمانی نہیں کی انکے جرم میں ہم کو قتل نہ کیجئے بادشاہ نے یہ سن کر انکو تو چھوڑ دیا اور جوانوں کی تلاش میں پڑ گیا۔ بادشاہ کو بڑی تحقیق وتفتیش کے بعد کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ نوجوان شہر کے قریب پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے ہیں بادشاہ کو یہ علم ان جوانوں کے باپوں کے ذریعہ سے ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کے ڈر سے بتلا دیا کہ وہ غار میں جا چھپے ہیں یا کسی اور ذریعہ سے علم ہوا واللہ اعلم۔

غرض یہ کہ بادشاہ نے ان کے باپوں کو تو چھوڑ دیا اور اگلے روز خود دقیانوس ارکان دولت کو ساتھ لے کر انکی تلاش میں نکلا اور اس غار کے منہ تک پہنچ گیا مگر اس پر کچھ ایسا رعب اور دہشت طاری ہوئی کہ بادشاہ اور اسکے ہمراہیوں میں سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو ان ظالموں سے محفوظ رکھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے یار غار کو جب وہ غار میں چھپے تھے کافروں سے پوشیدہ رکھا اور محفوظ رکھا اور انکی نظروں کو ایسا خیرہ کر دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کو نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ غار ثور کے کنارے پر تھے ذرا بھی اگر اپنے قدموں پر نظر کرتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کو دیکھ لیتے۔

دقیانوس کو جب ان کا کچھ پتہ نہ چلا تو خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس غار کے منہ کو بند کرا دیا جائے تاکہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر اسی کے اندر مر جائیں اور یہی غار جس میں انہوں نے پناہ لی ہے وہی انکی قبر بن جائے۔

(تفسیر ملہ درمنثور ص ۲۱۵ جلد ۴)

دقیانوس کا یہ خیال تھا کہ وہ اندر جاگ رہے ہیں اور جو کچھ انکے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کا انکو علم ہے مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اندر میٹھی نیند سو رہے ہیں اور وہ کروٹیں بدل رہے ہیں اور ان کا کتا غار کے دروازے پر بانہیں پسارے پڑا ہے دقیانوس کے حاشیہ نشینوں میں دو شخص تھے جو در پردہ مسلمان تھے اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام بیدروس اور دوسرے کا نام روناس تھا انہوں نے رانگ کی دو تختیوں پر ان نوجوانوں کے نام اور نسب اور مفصل واقعہ لکھ کر ایک تانبے کے تابوت میں رکھا

ملہ فخرج الملك باصحابه يتبعونهم حتى وجدوهم قد دخلوا الكهف فلما اراد الرجل منهم ان يدخل ارعب فلم يطق احد منهم ان يدخله فقال له قائل اليست قلت لو قدرت عليهم قتلتهم قال بلى قال فابن عليهم باب الكهف ودعهم يموتوا جوعا وعطشا ففعل الخ تفسير درمنثور ص ۲۱۵ ج ۴

اور پھر اس تابوت کو خزانہ میں رکھ دیا شاید اللہ تعالیٰ بعد میں پہلے کسی مومن قوم کو ان جوانوں کے حال پر مطلع کرے ۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔

(دیکھو فتح الباری ص ۳۶۲ جلد ۶ باب قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ)

مؤرخین یہ کہ وہ ساتوں جوان غار میں جا کر چھپ گئے اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کو ایسا سلایا کہ مسلسل تین سو سال تک سوتے رہے اسی زمانہ میں دقیانوس بھی مر گیا اور اس کا قرن بھی گزر گیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے بادشاہ ہوئے اور دنیا سے رخصت ہوئے مگر اصحاب کہف تین سو نو برس تک بلا حرکت و آلام کے اسی غار میں پڑے سوتے رہے جب ان کی بیداری کا وقت قریب آیا تو من جانب اللہ ایک ایسا بادشاہ آیا کہ جو عابد و موحد بھی تھا اور عادل بھی تھا اور بتوں کو توڑتا تھا اس کے دور حکومت میں اصحاب کہف تین سو سال کی طویل نیند سے بیدار ہوئے یہ فرماں روا نہایت نیک بخت اور خدا پرست تھا اور اس کا نام بیدروس تھا اڑسٹھ سال اس نے سلطنت کی اس کے زمانہ میں قیامت کے بارے میں بڑا اختلاف ہو رہا تھا بعض تو بالکل ہی قیامت اور حشر و نشر کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا نہیں اور بعض کہتے تھے کہ قیامت حق ہے مگر روحانی ہے جسمانی نہیں یعنی حشر صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا مرنے کے بعد چونکہ جسم کو کھا جاتا ہے فقط روح باقی رہ جاتی ہے اس لیے فقط روح کا بعث ہوگا اور بعض کہتے تھے کہ روحانی اور جسمانی دونوں ہوگا کہ سب سابق روحوں اور جسموں دونوں ہی کا حشر ہوگا۔

بادشاہ حق پرست اور نیک دل تھا لوگوں کا یہ اختلاف اس پر بڑا گراں تھا جب اس نے اہل باطل کو یہ کہتے سنا کہ زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں اور اگر حشر ہوگا تو صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا تو اس کو رنج ہوا کہ اہل باطل اہل حق پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں بادشاہ نے لوگوں کو نصیحت بھی کی مگر لوگوں نے اس کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔

جب بیدروس نے یہ دیکھا تو اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا اور دن رات اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے لگا اور یہ دعا کرنے لگا کہ اے پروردگار تو ان لوگوں کے اختلاف کو دیکھ رہا ہے تو غیب سے ایسی نشانی بھیج کہ جس سے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس شہر کے ایک شخص اولیاس نامی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کوہ بنجلوس کے غار پر جو عمارت ہے اس کو گرا کر اپنی بکریوں کے لیے ایک باڑہ بنائے آخر مزدوروں کو لے کر اس عمارت کے پتھر اکھاڑنے شروع کیے جب غار کے منہ پر کے تمام پتھر اکھڑ چکے اور اس کا منہ کھل گیا تو حق تعالیٰ نے ان جوانوں کو بیدار کر کے اس میں بٹھا دیا غار والے جب بیدار ہو گئے تو انکو یہ معلوم ہوا کہ ہم معمول نیند سے بیدار ہو گئے ہیں اور سمجھے کہ شاید ایک دن یا آدھے دن معروف جواب

رہے حالانکہ اس عرصہ دراز میں ملک کی کایا پلٹ چکی تھی نہ وہ حکومت رہی تھی نہ وہ بادشاہ رہا تو اب سے
بیدار ہوتے ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو بھوک محسوس ہوئی تملیخا سے
کہا کہ شہر میں جاؤ وہاں سے کھانا مول لے کر آؤ اور دقیانوس اور اہل شہر کا حال معلوم کر کے آؤ تملیخا
نے کہا کہ کل شہر میں تمہاری تلاش ہوئی ہے اور بادشاہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم کو پکڑوا کر تم سے بتوں
کو سجدہ کرائے یا تم کو قتل کر دے مکسلمینا نے ان سے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ ایک روز تم ضرور
اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو دشمن خدا جب تم کو بلائے تو ہرگز ہرگز کفر نہ کرنا پھر تملیخا سے کہا
کہ تو شہر جا اور معلوم کر کہ ہمارے بارے میں دقیانوس کیا ارادہ رکھتا ہے اور چپکے چپکے جا کر کسی کو خبر
نہ ہو اور کھانا لے کر جلد ہمارے پاس واپس آجا ہم بھوکے ہیں تملیخا نے اپنے کپڑے اتارے اور مزدوروں
جیسے میلے کچیلے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر دقیانوس کے سکہ کے روپے اپنے ساتھ لے کر شہر کو
چلا جب غار کے منہ پر پہنچا تو وہاں اکھڑے ہوئے پتھر دیکھے انکو دیکھ کر سخت متعجب ہوا مگر اس کی پرواہ
نہ کی اور سیدھا شہر کو چلا گیا چونکہ دل پر دقیانوس کا خوف سوار تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے
ہوئے تین سو برس گذر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کتنی سلطنتیں بدل چکی ہیں چھپتا چھپاتا اور ڈرتا ڈرتا شہر
میں داخل ہوا دیکھا کہ شہر کا رنگ بدلا ہوا ہے جا بجا اہل ایمان نظر پڑتے یہ منظر دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید
یہ وہ شہر نہیں ہے اسی طرح حیران و ششدر گھومتا رہا بالآخر ایک جوان سے پوچھا کہ اے جوان اس
شہر کا کیا نام ہے اس نے کہا افسوس (طرطوس) یہ سن کر تملیخا کو اور بھی حیرانی ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے
بالآخر پھرتا پھراتا نانبائیوں کی دکان کی طرف گیا اور کھانا خریدنے کے لئے روپیہ نکالا اور دکاندار سے
کہا کہ مجھ کو اس روپیہ کا کھانا دیدو دکاندار نے جب اس روپیہ کو اور اس کی ضرب کو دیکھا تو سخت متعجب
ہوا اور کہنے لگا کہ یہ سکہ تو اس وقت کا نہیں اور اپنے پاس والوں کو دکھایا اور بولا کہ یہ سکہ تو دقیانوسی
سکہ ہے (جیسے آج کل کا محاورہ ہے کہ جو چیز پرانی ہوتی ہے اس کو دقیانوسی کہتے ہیں وہ غالباً اسی واقعہ
سے ماخوذ ہے) اس دقیانوسی سکہ کو دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ شاید اس
شخص کو پرانے وقتوں کا زمین میں گڑا ہوا خزانہ مل گیا ہے اور یہ شخص اپنا راز کسی پر ظاہر کرنا نہیں
چاہتا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا ہے شاید تم کو اگلے زمانہ کا
کوئی خزینہ یا دفینہ مل گیا ہے تملیخا نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو خوف کے مارے کانپنے لگا
اور خیال کیا کہ شاید ان لوگوں نے پہچان لیا ہے اور اب یہ لوگ مجھ کو اپنے بادشاہ دقیانوس کے پاس
لیجائیں گے تمام شہر میں اس کا چرچا ہو گیا ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اس شخص کو پرانے زمانے کا خزانہ
مل گیا ہے اہل شہر اسکے ارد گرد جمع ہو گئے اسکو دیکھتے اور یہ کہتے کہ بخدا یہ جوان اس شہر کا باشندہ نہیں
مگر اس کو دل میں یقین تھا کہ اس کا باپ اور اسکے بھائی اسی شہر کے ہیں وہ خبر سن کر ضرور چھڑانے آئیں
گے لیکن کوئی نہ آیا اہل شہر تملیخا کو شہر کے دو بڑے افسروں کے پاس لے گئے جو بڑے نیک بخت تھے

ایک کا نام آریوس اور دوسرے کا نام طنطیوس تھا بڑے سوال وجواب کے بعد وہ دونوں افسر لوگ اس شخص کو بادشاہ کے پاس لے چلے تملیخا کو یہ گمان ہوا کہ اب مجھ کو اس ظالم دقیانوس کے پاس لے جائیں گے دائیں بائیں دیکھتا تھا اور روتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ظالم بادشاہ مر چکا ہے جسے مرے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں تب تملیخا کو ہوش آیا اور اس کا رونا موقوف ہوا اس وقت اس نے بتایا کہ ہم چند جوان دقیانوس کے ڈر سے غار میں جا چھپے تھے وہاں جاکر ہم سوگئے آج ہم کھانا لینے آئے ہیں اور میں نے کوئی خزانہ نہیں پایا یہ روپیہ میرے باپ کا دیا ہوا ہے اس پر اسی شہر کا نقش ہے اور یہ سکہ اسی شہر میں ڈھلا ہے اور اپنے ساتھیوں کے نام بتلائے اور کہا کہ اگر آپ کو میری بات میں شک ہے تو وہ غار قریب ہے آپ دونوں حاکم میرے ساتھ چلیں اور جاکر خود تصدیق کر لیں اس گفتگو کے بعد آریوس اور طنطیوس اور اہل شہر غار کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اصحاب کہف کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

ادھر تو یہ معاملہ گذرا اور ادھر اصحاب کہف پریشان تھے کہ تملیخا کو کھانا لانے میں دیر ہوگئی ہے خدا نخواستہ کہیں پکڑا تو نہیں گیا یہ خیال کرکے نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے اور نماز سے فارغ ہوکر ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آریوس اور اس کے ساتھی غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے تملیخا ان سے آگے غار میں داخل ہوا اور سارا حال ان سے بیان کیا اس وقت انکو یہ معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین سو نو برس سوتے رہے اور صرف اس لئے جگائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لیے قیامت کی نشانی اور حشر جسمانی کا نمونہ بنیں اور انکے اس قدر طویل مدت تک پڑے سوتے رہنے اور پھر جاگ اٹھنے سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت اور حشر جسمانی بلاشبہ حق ہے غرض یہ کہ غار میں اول تملیخا داخل ہوا اس کے پیچھے آریوس داخل ہوا جب وہ پہنچا تو اس نے وہاں تانبے کا ایک تابوت دیکھا جس پر چاندی کی مہر لگی ہوئی تھی دروازے پر کھڑے ہوکر رؤساء شہر کی ایک جماعت کو بلایا اور سب کے سامنے اس تابوت کو کھولنے کا حکم دیا اس میں رانگ کی دو تختیاں نکلیں جن پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، کشفوطس، بیرونس، دنیموس، یطبیونس، قالوس، والکلب قطمیر۔ یہ چند نوجوان تھے جو اپنے بادشاہ دقیانوس سے اس خوف کی بناء پر کہ کہیں وہ انکو دین سے نہ پھیرا دے بھاگ کر اس غار میں جا چھپے جب بادشاہ کو ان کے غار میں چھپنے کی خبر ملی تو اس نے پتھروں سے اس غار کا منہ بند کرا دیا ہم نے ان کا کل حال اور قصہ لکھ دیا ہے تاکہ بعد کے لوگوں میں جو کوئی اس غار پر اطلاع پائے انکا حال معلوم کرے"۔

جب یہ لوح پڑھی گئی تو اس میں تملیخا کا نام نکلا اس وقت تملیخا نے کہا کہ میں تملیخا ہوں اور باقی میرے ساتھی ہیں جب آریوس اور انکے ساتھیوں نے اس تحریر کو پڑھا تو حقیقت حال ان پر منکشف ہوئی اور بڑا تعجب ہوا کہ عجیب ماجرا ہے تین سو سال کے بعد بیدار ہوئے اللہ کا شکر کیا اور اسکی حمد وثناء کی

کہ اس نے قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلایا پھر آریوس نے اپنے نیک بخت، نیک سیرت اور خوش بخت بادشاہ کے پاس قاصد بھیجا جس کا نام بیدروسس تھا کہ جلد آئیے تاکہ آپ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دیکھ لیں آپ کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حشر کا ایک نمونہ ظاہر کیا تاکہ لوگوں کو نور اور ضیاء حاصل ہو اور وہ حشر جسمانی کی تصدیق کریں وہ نشانی یہ ہے کہ اللہ نے چند جوانوں کو تین سو برس تک سلایا اور پھر انکو صحیح سالم جگایا اور اٹھایا اسی طرح قیامت کے دن روح اور بدن اٹھائے جائیں گے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک نشانی دکھلا دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاد جسمانی حق ہے۔

شاہ بیدروسس یہ خبر سنتے ہی شاداں و فرحاں وہاں پہنچا اور غار میں داخل ہو کر جوانوں کو دیکھا تو کمال مسرت سجدہ میں گر پڑا پھر اس نے معانقہ کیا اصحاب کہف زمین پر بیٹھے اللہ کی تسبیح و تحمید کر رہے تھے ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے شاہ بیدروس سے کہا کہ ہم تم کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت کرے اور جن و انس کے شر سے تجھ کو پناہ میں رکھے تم پر اللہ کا سلام ہو یہ کہکر بادشاہ کو رخصت کیا اور جا کر اپنی خوابگاہوں پر لیٹ گئے اور وہیں اللہ نے انکو وفات دی بادشاہ نے انکو کپڑے اڑھائے اور حکم دیا کہ ان سے ہر ایک کو سونے کے تابوت میں رکھ دیا جائے رات کو جب سویا تو خواب میں آئے اور کہا ہم سونے کے نہیں ہم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور مٹی ہی میں مل جائیں گے جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہم کو غار کے اندر مٹی پر رہنے دیا جائے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اٹھائے تب بادشاہ نے انکو ساج رسال کے تابوت میں رکھوا دیا اور جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو دہشت کے مارے دوبارہ پھر اس مقام میں داخل نہ ہو سکے اور غار کے منہ پر بادشاہ نے ایک مسجد بنوا دی یہ اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کا نمونہ ہے اور اس سے یقین ہوتا ہے کہ بے شک قیامت حق ہے جس خدا نے اصحاب کہف کو تین سو سال تک خواب کی حالت میں صحیح سالم پڑے رہنے کے بعد جگایا اسے مردوں کا زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟۔

اصحاب کہف کے قصہ کی یہ تفصیل جو ہم نے ہدیۃ ناظرین کی ہے تفسیر سراج منیر ص ۳۶۲ جلد ۲ میں مذکور ہے اور ابتدائی قصہ کے اجزاء تفسیر قرطبی ص ۳۵۵ جلد ۱۰ سے لیے گئے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کتب سیرت سے بھی کچھ اجزاء اس میں شامل کر دیئے ہیں تاکہ پورا قصہ بیک نظر ناظرین کے سامنے آجائے۔

آخر میں شاہ بیدروسس کا واقعہ نقل کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نیک بخت بادشاہ غار میں داخل ہوا اور اصحاب کہف سے ملا اور وہ زندہ تھے اور اصحاب کہف نے اس کے لیے دعا کی لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف بادشاہ کے غار میں داخل ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اور بادشاہ نے انکو غار میں مردہ پایا زندگی کی حالت میں انکو نہیں دیکھ سکا اور نہ ان سے مل سکا۔

(دیکھو تفسیر در منثور ص ۲۱۵ جلد ۴)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور ارکانِ دولت جب غار کے دروازے پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ آپ حضرات ذرا یہیں ٹھہریں پہلے میں اندر جاتا ہوں کہ اندر جاکر اپنے اصحاب کو خبر دوں تاکہ وہ اس ناگہانی آمد کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں چنانچہ اول تملیخا غار میں داخل ہوا اس کے بعد علماء کے دو قول ہیں ایک قول[1] یہ ہے کہ تملیخا کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بادشاہ و ارکانِ دولت سب ششدر اور حیران رہ گئے اور ان کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا کیونکہ وہ غار بہت وسیع تھا، اور سب پر ایسا رعب اور ہیبت طاری ہوئی کہ کوئی بھی اندر داخل نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ اور ارکانِ دولت غار میں داخل ہوئے اصحاب کہف سے ملے ان کو سلام کیا اور ان سے معانقہ کیا پھر اصحاب کہف نے اس مسلمان بادشاہ کو دعا دیکر رخصت کیا اور اپنی خوابگاہوں کی طرف لوٹ گئے اور اللہ نے انکو وفات دی۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۷۷ جلد ۳)

بادشاہ مع ارکانِ دولت ان سے مل کر غار سے باہر آیا اور غار کا منہ بند کرادیا حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری ص ۳۸۲ جلد ۶ میں جو روایت نقل کی ہے وہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے وہ روایت یہ ہے

فاجتمع الناس فرفعوه الى الملك فسأله فقال على باللوح وكان قد سمع به فسمى اصحابه فعرفهم من اللوح فكبر الناس وانطلقوا الى الكهف وسبق الفتى لئلا يخافوا من الجيش فلما دخل عليهم عمى الله على الملك ومن معه المكان فلم يدر اين ذهب الفتى فاتفق رأيهم على ان يبنوا عليهم مسجدا فجعلوا يستغفرون لهم منهم (كذا فى فتح البارى ص ۳۸۲ باب قوله تعالى أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ من كتاب الانبياء)

(ترجمہ) جب تملیخا بازار میں کھانا لینے گیا تو اس کے پاس سے سکہ کو دیکھ کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پکڑ کر انکو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے حقیقت حال دریافت کی اس نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام بتایا بادشاہ نے یہ خبر پہلے بھی سن تھی بادشاہ نے خزانہ سے وہ لوح منگائی جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ تھے وہ تختی خزانہ شاہی میں محفوظ تھی تملیخا نے جو نام

---

[1] تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے بھی اس قول کی تائید ہوتی اس روایت میں یہ ہے کہ جب بادشاہ اور ارکانِ دولت غار پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ اول میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تملیخا اول غار کے اندر چلا گیا اس کے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ کی اور پھر سب کا اتفاق یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرادی جائے (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۴ جلد ۴)

جاتے وہ اس شخص کے ساتھ تھے یہ سن کر اور یہ دیکھ کر بادشاہ نے پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ جوان جو کہہ رہا ہے وہ سب حق اور صدق ہے سب نے اللہ اکبر کہا بعد ازاں بادشاہ اور لوگ غار کی طرف چلے جب غار پر پہنچے تو اس جوان نے کہا کہ ذرا ٹھہرو! میں پہلے اندر جا کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دوں کہ وہ یکبارگی اس لشکر کو دیکھ کر ڈر نہ جائیں چنانچہ تملیخا اول غار میں داخل ہوا اور اندر چلا گیا بعد میں بادشاہ کو اور اسکے رفقاء کو پتا نہ چلا کہ وہ جوان کہاں چلا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مکان کو ان پر مخفی اور پوشیدہ کر دیا مجبور ہو کر واپس آ گئے اس کے بعد سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار ایک مسجد بنوا دی جائے اور پھر سب اصحاب کہف کے لیے دعا اور استغفار کر کے واپس ہو گئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اصحاب کہف سے مل کر واپس ہوا اور اصحاب کہف اسی غار میں اپنی جگہوں پر لیٹ گئے اور حسب دستور ان پر نیند طاری ہو گئی اب وہ قیامت کے دن جاگیں گے جیسا کہ عنقریب امام قرطبیؒ کے کلام سے اس کی تفصیل معلوم ہو گی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

ہم سنا دیں تجھ کو ان کا احوال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے

وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ۖ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا

اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے انکو سوجھ اور گرہ دی ان کے دل پر جب کھڑے ہوئے

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ

پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان و زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے

دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا

سوا کسی کو ٹھاکر تو کہی ہم نے بات عقل سے دور یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ

پکڑے ہیں انہوں نے اس کے سوا اور ٹھاکر کیوں نہیں لاتے ان کے واسطے کوئی سند

بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ۭ وَاِذِ

کھلی پھر اس سے گنہگار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ اور جب

اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ

تم نے کنارہ پکڑا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا، اب جا بیٹھو اس کھوہ میں

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ

پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی مہر اور بنا دے تم کو تمہارے کام کا

مِرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ

آرام اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ جاتی ان کی کھوہ سے

ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ

داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور

هُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَنْ يَهْدِ

وہ میدان میں ہیں اسکے، یہ ہے قدرتوں سے اللہ کی جسکو راہ دے

اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا

اللہ وہی آوے راہ پر اور جس کو بچلا دے (بھٹکا دے) پھر تو نہ پاوے اسکا کوئی رفیق

مُرْشِدًا ﴿١٧﴾

راہ پر لانے والا

تفصیل قصۂ اصحاب کہف

قال اللہ تعالیٰ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ ..... الیٰ ..... فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا

(ربط) گزشتہ آیات میں اصحاب کہف کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا اب اس قصہ کی کچھ تفصیل فرماتے ہیں تاکہ اہل صبر و استقامت اور رہبروان منزل آخرت کیلئے مشعل ہدایت بنے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی ہم آپ کے سامنے انکی صحیح صحیح خبر بیان کرتے ہیں جو عین واقعہ کے مطابق ہے یہ اس لئے فرمایا کہ یہ قصہ لوگوں میں مختلف طور پر مشہور تھا جن میں بعض جھوٹی اور غلط روایتیں بھی شامل

تحقیق اس کے بعد فرمایا کہ جتنا قصہ ہم نے قرآن میں بیان کر دیا وہ بالکل حق اور صدق ہے تحقیق وہ اصحاب چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی سب بزدل تھے اور یہ جوان مرد اور جوان ہمت تھے کہ اپنے محلوں کو چھوڑ کر کنج عزلت اور گوشۂ خلوت میں اعتکاف کرنے کو نکل جانے پر تیار ہو گئے تھے اور ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کو ہدایت میں اور زیادتی کر دی کہ ان کو صبر اور استقامت کی صفت عنایت کی ——— کہ دین اور ایمان کے مقابلہ میں جان کی پرواہ نہ کی اور ہم نے ان کے دلوں پر صبر اور استقلال کی گرہ لگا دی یعنی ہم نے ان کے دلوں کو صبر اور استقامت کی رسی کے ساتھ ایسا باندھ دیا کہ ثابت قدم ہو گئے اور ان کو کوئی تزلزل پیش نہیں آیا اور خدا کی راہ میں انہوں نے کسی مصیبت کی پرواہ نہ کی جب وہ دقیانوس ظالم و جابر کے سامنے کھڑے ہوئے جو ان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ پس اس ظالم و جابر بادشاہ کے روبرو یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی معبود کو نہیں پکاریں گے کیونکہ اگر خدا نخواستہ ہم ایسی بات کہیں تو وہ بلاشبہ بے جا اور خلاف عقل ہوگی یہ بے عقل لوگ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے خدائے برحق کے سوا چند معبود بنا لئے ہیں جو سراسر باطل ہیں ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے جیسے ہم دین توحید پر روشن دلائل پیش کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ذرا دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کر رہے ہیں بت پرستی کی طرف بلا رہے ہیں دلیل کوئی نہیں پس جب ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یعنی بغیر دلیل اللہ کا شریک ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اس حالت کو دیکھ کر باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ یہ ظالم لوگ ہیں اللہ پر بہتان باندھنے والے ہیں ایسے ظالموں سے تعلق توڑنا اور کنارہ کشی چاہئے کیونکہ کافروں سے اپنے دین کو صحیح سالم لے کر بھاگ جانے ہی میں سلامتی ہے لہٰذا کسی غار میں جا کر چھپ جانا چاہئے تاکہ کافر کی صورت بھی نظر نہ پڑے اور ہم تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور پھر بعض نے بعض کو مخاطب کر کے کہا جب تم بجز خدا ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جاؤ تو غار کی طرف اپنا ٹھکانا ڈھونڈو اور دشمنان خدا سے بھاگ کر ایک غار میں جا بیٹھو جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے اور غار کی خلوت و عزلت کی مشقت اور زحمت سے نہ ڈرو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے گا جو تمہیں اپنے اندر چھپا لے گی اور تمہارے کام میں آسانی بہم کر دے گا اور تمہارے فائدہ کی صورت نکال دے گا اور غار کے بیچ غربت و وحشت کی راحت اور لذت ساری مشقتوں پر پانی پھیر دے گی چنانچہ یہ نوجوان اسی عزم اور ہمت کے ساتھ غار میں داخل ہوئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے وہاں جا کر بیٹھ گئے جہاں جا کر ان کو ایسی نیند آئی کہ تین سو نو سال تک آنکھ نہ کھلی بادشاہ اور ارکان دولت ان کی تلاش میں آئے جب تلاش

میں ناکام ہوئے تو ان کے غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی جس سے اس غار کا منہ بند ہوگیا تاکہ یہ لوگ باہر نہ نکل سکیں۔ اور اندر ہی اندر مر جائیں اور جس امید پر وہ غار میں داخل ہوئے اللہ نے ان کے ساتھ ان کی امید اور گمان کے موافق معاملہ فرمایا اور خدا کی رحمتیں اور کرامتیں ان پر مبذول ہونے لگیں اور من جملہ ان عجائبات اور کرامتوں کے جو ان پر مبذول ہوئیں ایک رحمت ان پر یہ مبذول ہوئی کہ اے دیکھنے والے جب تو اس غار کو دیکھے تو اس حال میں دیکھے گا کہ سورج جس وقت طلوع کرتا ہے تو اس کے غار کے داہنی جانب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کو کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی ایک وسیع جگہ میں ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں انکو خوشگوار ہوا تو پہنچتی تھی مگر دھوپ انکو کسی وقت نہیں پہنچتی تھی خدا کی رحمت سے تمام دن ان پر سایہ رہتا حالانکہ وہ وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں تمام دن دھوپ رہ سکتی ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت اور عنایت سے انکو دھوپ سے محفوظ رکھا بقدر ضرورت ہوا اور روشنی تو پہنچتی رہی مگر دھوپ نہیں پہنچی یہ ان پر اللہ کی رحمت اور عنایت اور کرامت تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

یہ بات اللہ کی قدرت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی خلاف اسباب ظاہری اس طرح حفاظت فرماتا ہے اس لیے کہ وسیع اور کشادہ مکان میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور استواء کے وقت دھوپ کا نہ آنا ایک عجیب بات ہے کیونکہ مکان جب وسیع اور کشادہ ہے تو از روئے عادت وہاں ضرور آفتاب پہنچنا چاہیے مگر باوجود اسکے نہیں پہنچتا تو یہ آیات الٰہیہ میں سے ہے اور اسکی قدرت اور اختیار کے دلائل میں سے ہے معجزات اور کرامات کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صاحب معجزہ و کرامت کا اعزاز و اکرام اور بندوں کی سعادت و شقاوت کا اظہار ہے جو سعید ہیں وہ ان واقعات کی تصدیق کر کے ہدایت پاتے ہیں اور جو شقی ہیں وہ اس قسم کے خوارق عادات کو خارج از عقل اور بعید از قیاس سمجھ کر انکار کر کے گمراہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی رفیق راہ دکھلانے والا نہ پائیں گے وہ ہمیشہ اپنی ضد پر قائم رہے گا کہ خرق عادت کوئی چیز نہیں۔

علماء اہل سنت والجماعت نے قصۂ اصحاب کہف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیونکہ اس قصہ کے مختلف ٹکڑوں میں اصحاب کہف کی کئی کرامتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پیئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کترا جانا اور بھوک اور پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پیئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیدار رہے انکا بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب

اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور فضل و کرم انہیں اور کرامات اولیاء کے بھی اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں ازاں جملہ قصہ مریم علیہا السلام ہے جو بغیر خدا کی عنایت سے بے موسم میوہ پاتی تھیں جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزرا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اور سورۂ مریم میں ہے قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے قدموں کے نیچے ایک نہر جاری کر دی اور کھجور کا خشک درخت تروتازہ کر دیا جس سے تازہ کھجوریں گرنے لگیں حالانکہ حضرت مریمؑ نبی نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

اور ازاں جملہ قصۂ آصف بن برخیا ہے جس نے پلک جھپکنے میں ایک دور دراز مسافت سے بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

ازاں جملہ حدیث ابی ہریرہؓ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بچوں نے بحالت شیر خوارگی اپنے گہوارہ میں کلام کیا عیسیٰ علیہ السلام اور ایک وہ طفل جو زمانہ جریج میں تھا — جریج بنی اسرائیل میں ایک عابد و زاہد تھا ایک بدکار عورت کا جب بچہ پیدا ہوا تو اس نے جریج پر تہمت لگائی کہ یہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جریج نے نماز پڑھی اور دعا کی اور لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے لڑکے بتا تیرا باپ کون ہے لڑکے نے کہا فلاں چرواہا بنی اسرائیل نے جب لڑکے سے یہ کلام سنا تو معتقد ہو گئے اور تہمت سے تائب ہوئے۔

اور ایک وہ بچہ جس کو اس کی ماں گود میں لئے ہوئے دودھ پلا رہی تھی اتفاق سے ایک خوبصورت جوان سوار ادھر سے گزرا عورت نے اس کو دیکھ کر دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو اس جیسا کر بچہ بولا اے اللہ اس جیسا نہ کر پھر اس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کی نسبت لوگ کہتے تھے کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی اس کو دیکھ کر بچے کی ماں نے کہا خدایا میرے بچے کو ایسا نہ کر بچے نے کہا کہ خدایا مجھے ایسا ہی کرنا یہ سن کر ماں کو تعجب آیا اور بچے کو یہ سخت الفاظ کہے بچہ بولا وہ خوبصورت مرد بڑا ظالم تھا میں نے نہیں چاہا کہ میں اس کے مثل ہوں اور عورت جس کو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا وہ سب غلط ہے اس عورت نے نہ زنا کیا اور نہ چوری کی یہ لوگوں کا اس پر اتہام ہے وہ تو یہ کہتی رہتی ہے "حَسْبِیَ اللہ" مجھے [illegible] ہے پس میں نے چاہا کہ اس کے مثل ہوں یعنی اس کی طرح صابر و شاکر رہوں کہ مصیبت اور بلا پر صبر کروں اور خدا تعالیٰ کی کفایت اور حمایت پر نظر رکھوں معاذ اللہ اس بچے کا یہ مقصود نہ تھا کہ میں اس عورت کی طرح تہمت اور مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوں بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ من جانب اللہ کوئی ابتلاء پیش آئے تو صابر و شاکر رہوں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے کرامات اولیاء کا حق ہونا ثابت ہے اس لئے تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کرامات الاولیاء حق یعنی اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں ۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ

اور تو جانے وہ جاگتے ہیں اور وہ سوتے ہیں اور کروٹیں دلاتے

ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے

بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ

اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور

لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا

بھر جاوے تجھ میں ان کی دہشت اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں لگے

بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا

پوچھنے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے ایک دن

أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا

یا دن سے کم بولے تمہارا رب بہتر جانے جتنی دیر رہے ہو اب بھیجو

أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ

اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر کو پھر دیکھے کون سا ستھرا

طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

کھانا ، سو لا دے تم کو اس میں سے کھانا اور نرمی سے جاوے اور جتا نہ دے

بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ

تمہاری خبر کسی کو وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری، پتھراؤ سے ماریں تم کو یا

دیکھنے والے اگر تو انکو جھانک کر دیکھے تو تو الٹے پاؤں ان سے پشت پھیر کر بھاگے اور ان کے رعب
اور ہیبت سے تو بھر دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ہیبت اور وحشت ڈال دی کہ کوئی ان کے
قریب نہیں جا سکتا اور نہ کوئی انکو چھیڑ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر یہ دہشت اور ہیبت اس لیے
رکھ دی کہ لوگ اس جگہ کو تماشا گاہ نہ بنا لیں اور انکے آرام میں خلل نہ ہو اور اپنی قدرت سے انکی دربانی کیلئے
دروازہ پر ایک کتا بٹھلا دیا جو ان کی طرح وہ بھی صدیوں تک سوتا رہا اور کروٹوں کا بدلنا زمین سے حفاظت
کے لیے تھا اور یہ خداداد رعب و جلال دشمنوں سے حفاظت کے لیے تھا کہ کوئی دشمن اندر نہ جا سکے اور شاید
کوئی ڈیوڑھی پر پہرہ اور پہرہ دار ہوتا ہے جو اجنبی آدمی کو اندر جانے سے روکتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے غیبی
طور پر ہیبت اور جلال کا پہرہ قائم کر دیا کہ کسی شخص کو اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہو اور ظاہری طور پر
غار کے منہ پر ایک کتا بھی بٹھلا دیا تاکہ اجنبی آدمی کو آنے سے روک دے اور جس طرح ہم نے
اپنی قدرت سے انکو طویل مدت تک صحیح سالم سلایا اور بے خوری سے انکی حفاظت کی اسی طرح ہم نے
سینکڑوں برس کے بعد انکو صحیح سالم نیند سے اٹھایا اور خواب سے انکو جگایا کہ باوجود اتنا طویل عرصہ
گزرنے کے ان کے جسم میں کوئی تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوئے جس طرح کمال قدرت کے
ساتھ انکو سلایا تھا اسی طرح کمال قدرت سے انکو جگایا تاکہ اس طویل خواب سے بیدار ہو کر آپس
میں ایک دوسرے سے پوچھیں جس سے انکو یقین ہو کہ ان پر خدائی قدرت اور اسکی رحمت و عنایت
اور اسکی عطا کردہ کرامت منکشف ہو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور عنایت ایسی ہوتی ہے کہ مشاہدہ سے
انکے ایمان اور عرفان میں زیادتی ہو اور خدا کی اس نعمت کا شکر کریں۔

چنانچہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت سوتے رہے ہو قرائن سے ان کو یہ
معلوم ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ ہم عادت سے زیادہ سوتے ہیں اس نے یہ سوال کیا انہوں نے
کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سوتے رہے پھر کچھ قرائن اور آثار سے ظاہر ہوا کہ ہم
طویل مدت تک سوتے رہے تو بولے کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت تم سوتے
رہے خیر اب اس بات کو چھوڑو اس بیکار گفتگو سے کیا فائدہ اپنے کام کی بات کرو پس تم اپنے
میں سے ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پس وہ شخص وہاں جا کر دیکھے کہ کس دکاندار
کے پاس پاکیزہ اور حلال کھانا ہے پھر اس سے وہ پاکیزہ اور حلال کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے۔
پاکیزہ اور ستھرے کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانا حلال اور طیب ہو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا
نہ ہو کیونکہ بازار میں اکثر بتوں کے نام کا ذبیحہ بکتا تھا اس لیے خریدنے سے پہلے تحقیق کر لینا کہ یہ
کھانا بتوں کے نام پر تو ذبح کیا ہوا نہیں یا یہ مطلب ہے کہ کسی مسلمان سے غصب کیا ہوا نہ ہو
اور آنے اور جانے اور کام کرنے میں لطافت اور ہوشیاری اور نرمی اور آہستگی کو ملحوظ رکھے
اور شہر والوں میں سے کسی کو اپنی بابت شعور اور احساس بھی نہ ہونے دے کہ یہ کون شخص ہے

یعنی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اہل شہر ہمارے حال سے آگاہ ہو جائیں کیونکہ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر وہ تم پر مطلع ہو جائیں تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کرلیں گے اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور کفر کی وجہ سے دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جبر اور اکراہ کی حالت میں اگرچہ زبان سے کلمہ کفر کہہ لینا جائز ہے لیکن بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابتداء میں جان بچانے کے لیے بادل نخواستہ زبان سے کفر کا کلمہ کہہ لیتا ہے مگر جب دن رات کافروں کے ڈر سے کفر کے اقوال و اعمال کرنے پڑتے ہیں تو رفتہ رفتہ دل سے کفر کی کراہت اور نفرت کم ہوتی جاتی ہے بالآخر دل کفر پر جم جاتا ہے۔

چنانچہ واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ابتداء میں کوئی مسلمان کافروں کے دباؤ سے ان میں شامل ہو گیا اور دنیاوی مصالح اور منافع کے پیش نظر انکے ساتھ ہو گیا بالآخر تجربہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ دشمن جیسا ہو گیا أُولَٰئِكَ [illegible] اور اگر بالفرض یہ شخص لفظ تقیہ کے ساتھ رہا اور دل سے ان سے متنفر رہا اور بیزار رہا تو اس طرح سے یہ شخص تو دنیا سے ایمان سلامت لے گیا لیکن اس نے اپنی نسل تو انکے ظاہر کا اتباع کرے گی اور ظاہراً و باطناً ملت کفر میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ آج کل ہندوستان میں فتنہ برپا ہے اللہ پناہ میں رکھے اور جس طرح ہم نے اپنی کمال قدرت سے انکو سلایا اور پھر انکو جگایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو انکے حال پر مطلع کر دیا تاکہ لوگ اس واقعہ سے جان لیں اور یقین کر لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ بعث اور حشر و نشر کے بارہ میں بالکل صحیح اور درست ہے اس لیے کہ اتنے عرصہ دراز تک ان کا سونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے اور یقین کے ساتھ جان لیں کہ قیامت کے قائم ہونے میں ذرا شک نہیں وہ ضرور ہونے والی ہے اور ہر شخص اپنے اسی جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا اس زمانہ کے لوگوں کو قیامت کے بارہ میں شک پیدا ہو گیا تھا کوئی اس کا انکار کرتا اور کوئی اس کا اقرار کرتا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف کی توفی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں تین سو نو برس تک انکے بدن کو زندہ بلا تغیر کے قائم اور محفوظ رکھنے اور دوبارہ انکے نفوس اور ارواح کو ان کے ابدان میں واپس کرنے پر قادر ہے وہی خدا ہزاروں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پیش قدرت کار دشوار نیست — عجز را با قدرت حق کار نیست

علاوہ کلام یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اصحاب کہف کے اس حال سے اطلاع دی جب وہ آپس میں اپنے دین کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ قیامت ہوگی یا نہیں بعض اس کو

ثابت کرتے تھے اور بعض اس کے منکر تھے کہ اعادہ معدوم کا کیونکر ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ظاہر کرکے منکرین قیامت پر حجت قائم کر دی اور یہ ظاہر کر دیا کہ قیامت قائم ہوگی اور حشر روح اور جسم دونوں ہی کا ہوگا خلاصہ کلام یہ کہ تنازع سے حشر ونشر اور قیامت کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ میں تنازع سے غار کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا حال ظاہر ہوگیا تو لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار کوئی عمارت بنا دینی چاہئے اور جو اہل ایمان تھے اور غالب تھے وہ یہ کہتے تھے اس جگہ کوئی عبادت خانہ بنا دینا چاہئے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس جب اہل کہف کا حال ظاہر ہوگیا تو لوگ کہنے لگے کہ ان کے غار پر کوئی عمارت بنوا دو اس عمارت سے مقصود یہ تھا کہ غار کا منہ بند ہو جائے اور انکی لاشیں محفوظ ہو جائیں یا بطور نشانی انکی یادگار قائم کرنا تھا اس کے علاوہ وہ لوگ اصحاب کہف کے احوال کے بارہ میں گفتگو کرتے رہتے پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو تنگ کر یہ کہا کہ ان کا پروردگار ہی ان کے صحیح حال کو خوب جاننے والا ہے غرض کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لا شریک لہ کے عبادت گذار بندے تھے معبود نہ تھے موحد تھے مشرک نہ تھے لہذا انکی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ انکی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ انکی قبروں کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب وجوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہئے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مؤمنین غالب ہوگئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لئے انکی رائے یہ ہوئی کہ انکی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گذار بندوں کی یادگار میں انکے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ میں تنازع در بارۂ حشر ونشر

مراد نہیں بلکہ اصحاب کہف کی موت اور حیات کے بارہ میں نزاع مراد ہے اور ھم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب لوگ اصحاب کہف کے حال پر مطلع ہوگئے اور اصحاب کہف اپنے غار میں اپنی جگہ پر چلے گئے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ اصحاب کہف وفات پاگئے یا حسب سابق دوبارہ سوگئے کسی نے کہا سوگئے اور کسی نے کہا وفات پاگئے اور اس بارہ میں گفتگو کرتے رہے جب حقیقت حال منکشف نہ ہوئی تو تنگ کر کہہ دیا کہ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ کہ خدا ہی کو ان کا صحیح حال معلوم ہے لہٰذا آیت میں تنازعہ سے یہ اختلاف مراد ہے کہ وہ غار میں جاکر دوبارہ سو گئے یا وفات پاگئے پھر اس نزاع سے فارغ ہوئے تو اس فکر میں پڑے کہ انکی کوئی یادگار قائم کی جائے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس بیداری کے بعد اصحاب کہف کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ وفات پاگئے اور مر کر فنا ہوگئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ سوگئے اور ہنوز خواب استراحت میں ہیں اور انکے اجسام محفوظ ہیں قیامت کے نزدیک جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت وہ بیدار ہوں گے اور غار سے نکلیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کریں گے اور امام مہدیؑ کے مددگار بنیں گے جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے اور پھر قیامت سے پہلے انکی موت آئے گی۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۸۸ جلد ۱۰)

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے واللہ اعلم۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۷۵ جلد ۶)

بہرحال کسی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اصحاب کہف اس واقعہ کے بعد زندہ ہیں یا انتقال کرگئے انتقال کب ہوا اور اگر زندہ رہے تو کب تک رہے اور کب تک رہیں گے واللہ اعلم نیز یہ امر بھی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اصحاب کہف کس نبی کی شریعت کے متبع تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب بادشاہ کو اصحاب کہف کا حال معلوم ہوا تو ارکان دولت کو ساتھ لے کر غار پر پہنچا پہلے وہ شخص غار کے اندر گھسا جو کھانا لے کر آیا تھا مگر پھر اندر سے باہر واپس نہ آیا بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جاکر تلاش کرے مگر قضاء و قدر نے راستہ بھلا دیا اور کوئی اندر نہ جا سکا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع ساتھیوں کے اندر داخل ہوا اور غار والوں سے جاکر ملا اور انکو گلے لگایا اور باہر آنے کے بعد اس غار کا منہ بند کرا دیا اور بعد ازاں وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دیا۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ

اب یہ بھی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے

خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ

وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا بن دیکھے نشانہ پتھر چلانا

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط قُلْ

اور یہ بھی کہیں گے، وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ

رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ

میرا رب بہتر جانے ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے سے لوگ

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ

سو تو مت جھگڑ ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا احوال

مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ

ان میں کسی سے اور نہ کہیو کسی کام کو کہ میں کروں گا

غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ

کل مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو جب بھول جائے

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا

اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سجھا دے اس سے نزدیک راہ

رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَ

نیکی کا اور مدت گذری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور

ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ

اوپر سے نو تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ

اسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے عجب دیکھتا سنتا ہے کوئی نہیں بندوں پر

دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

اس کے سوا مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو

ذکر اختلاف اہل کتاب دربارۂ شمار اصحاب کہف

قال اللہ تعالیٰ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ ..... الیٰ ..... وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا

گزشتہ آیات میں لوگوں کے نزاع اور اختلاف کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں لوگوں کے دوسرے نزاع کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب جو علم کے مدعی ہیں اور بطور امتحان آپ سے سوال کرتے ہیں وہ خود اصحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں مختلف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

عنقریب اہل کتاب یہ قصہ سن کر انکی تعداد کے بیان کرنے میں، اختلاف کریں گے بعض تو یہ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض یہ کہیں گے کہ وہ پانچ آدمی تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں گروہ بے تحقیق باتیں کر رہے ہیں جیسے نا دیکھی چیز پر بے دیکھے پتھر پھینکتا ہے کا رہے اسی طرح یہ دونوں قول اٹکل پچو اور نا قابل اعتبار ہیں، اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ سات آدمی تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اے نبی آپ ان اختلاف کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی شمار کو خوب جانتا ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول صحیح ہے یا سب غلط ہیں۔ ان کی شمار کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں کیونکہ ان کی تعیین سے کوئی امر شرعی متعلق نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس اختلاف کے متعلق کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا مگر آیت سے بطور اشارہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ من وجہ تیسرا قول قدرے صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیسرے قول کو نقل کرکے اس کا رد نہیں فرمایا بلکہ اس پر سکوت فرمایا عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی ان بعض میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا۔

پس اگر یہ لوگ اپنے اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ بھی ان کے بارہ میں اہل کتاب سے بحث نہ کیجئے مگر سرسری طور پر اس لیے کہ اول تو تعیین عدد پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض معلوم بھی ہو جائے تو کوئی معتد بہ فائدہ بھی نہیں اور ان کے متعلق اہل کتاب میں سے کسی سے پوچھئے بھی نہیں جس قدر

ضروری تھا وہ آپ کو ہم نے بتلا دیا اور غیر ضروری امر کی تحقیق میں پڑنا بے کار ہے بے کار چیزوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

شان نزول مشرکین مکہ نے یہود کے سکھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے آپ کا خیال تھا کہ جبرئیل وحی لے کر آئیں گے نزول وحی کے بعد میں ان کو بتلا دوں گا، جبرئیل ایسی پندرہ دن تک نہ آئے آپ بہت غمگین ہوئے تب یہ مفصل قصہ نازل ہوا اور اخیر میں یہ آیت اتری کہ آپ جب کبھی کسی سے کوئی وعدہ کیا کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔ ف

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ذرا سی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آئی چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ کسی کام کے متعلق ہرگز نہ کہا کیجئے کہ میں اس کام کو کل کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر خدا نے چاہا تو کروں گا بغیر اس کی مشیت کے کچھ نہیں کر سکتا اس لیے کہ بندہ اپنے ارادہ اور اختیار میں مستقل نہیں بندہ کا اختیار اور بندہ کی قدرت، اللہ کی قدرت اور مشیت اور اختیار کے تحت ہے نہ اس کے برابر ہے نہ اس کے اوپر ہے نیز بندہ کو خبر نہیں کہ کل آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں کہ کل تک زندہ بھی رہے گا اور اگر زندہ بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اس کام کو بھی کر سکے یا نہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان شاء اللہ کہے اور جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے خواہ ایک سال کے بعد تو ان شاء اللہ کہہ کر اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کرو تاکہ گزشتہ غفلت اور بھول چوک کی تلافی ہو جائے اور یہ مطلب نہیں کہ اگر طلاق دینے کے ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہہ دے تو طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ اس حکم سے عقود اور معاملات کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اللہ کے نام کی برکت اور اس کی مشیت پر نظر رکھنے کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

مقام اصحاب کہف

اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ غار بلاد روم کے کسی پہاڑ کے اندر واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ موصل میں نینویٰ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایلہ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقاء کے شہروں میں کسی جگہ ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس غار کا پتہ نہیں بتلایا کہ وہ کس ملک اور کس زمین اور کس شہر میں ہے کیونکہ اس سے ہمارا کوئی دینی اور دنیوی فائدہ متعلق نہیں شاید اس کے اخفاء میں اللہ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہو اگر اس کے بتلانے میں ہماری کوئی دینی یا دنیوی مصلحت اور منفعت ہوتی تو اللہ اور اس کا رسول ہم کو ضرور

خبر دیتے کہ وہ غار کہاں واقع ہے بس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس غار کی صفت اور حالت کی تو خبر دے دی مگر اس کے مقام اور مکان کی خبر نہیں دی لہذا ہمیں اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے اور بعض مفسرین نے تکلف کیا اور اس بارہ میں کچھ اقوال ذکر کیے جیسا کہ ابھی گزرے وہ سب تکلف ہیں واللہ اعلم۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۷۵ جلد ۳)

امام رازی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف کا مقام اور ان کی جگہ معلوم نہیں کہ کہاں واقع ہے اس لیے کہ یہ بات عقل سے تو معلوم نہیں ہو سکتی کہ فلاں شخص کا مقام فلاں جگہ ہے اور نہ کسی نقل صحیح سے ثابت ہے اور مشاہدہ بھی ممکن نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس غار پر ایسا رعب اور جلال چھایا ہوا ہے کہ ہیبت کے مارے کوئی اس غار کے اندر داخل نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو ہیبت کے مارے پشت پھیر کر بھاگیں اور ان کی طرف سے خوف اور دہشت سے بھر جائیں جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیبت اور جلال کی وجہ سے اس غار میں داخل نہیں ہو سکتے تو دوسروں کی کیا مجال ہے کہ وہ اس غار میں داخل ہو سکیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں یا فلاں شخص اصحاب کہف کو غار میں دیکھ کر آیا ہوں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غار وہ غار نہیں جس کی حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کیونکہ جب اس غار میں جھانکنا ممکن نہیں تو داخل ہونا کیسے ممکن ہوگا غرض یہ کہ عقل اور مشاہدہ سے اس غار کا معلوم کرنا ناممکن ہے اور حق تعالیٰ نے اس غار کے مقام اور مکان کی کوئی خبر نہیں دی لہذا ثابت ہو گیا کہ اصحاب کہف کے مقام اور مکان کے علم کی کوئی راہ نہیں نہ عقل سے نہ مشاہدہ سے اس بارہ میں کوئی نص قرآنی اور ارشاد نبوی موجود نہیں جس سے اس غار کا مقام معلوم ہو سکے تو اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہیئے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(دیکھو تفسیر کبیر[1] ص ۴۲۴ جلد ۵)

اور آپ یہ دیکھئے کہ اے قریش یا تم اصحاب کہف کے قصہ سے تعجب نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے امید رکھو کہ وہ تمہیں اس امر کی طرف رہنمائی کرے جو رشد اور صواب کے اعتبار سے اصحاب کہف

---

[1] امام رازی مقام غار کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ثم قال القفال فالذی عندنا لا یعرف ان ذلک موضع موضع اصحاب الکہف او موضع آخر ولکن خبرنا اللہ عنہ وجب القطع بہ ولا عبرة بقول اہل الروم ان ذلک الموضع ہو موضع اصحاب الکہف وقول العلم بذلک بالزمان وبذلک المکان لیس للعقل فیہ مجال وانما یستفاد ذلک من نص وذلک مفقود فثبت انہ لا سبیل الیہ اھ (تفسیر کبیر ص ۴۲۴ ج ۵)

کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہو اور میری نبوت کی قریب تر دلیل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ امید سے بڑھ کر اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ واضح دلائل نبوت اور براہین رسالت آپ کو عطا کئے کیونکہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ جس کا انہوں نے سوال کیا تھا وہ اس اعتبار سے آپ کی نبوت کی دلیل تھا کہ وہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر تھی، اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ سے بڑھ کر اور بہت سی غیبی خبریں جن کا زمانہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم ہے اور آئندہ ہونے والی باتیں آپ کو بذریعہ وحی بتلائیں اور آپ نے ان غیبی خبروں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جو اصحاب کہف کے قصہ سے کہیں بڑھ کر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اسی قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لئے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو اس قصہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شئے کا آپ سے سوال کریں گے جو آپ کو معلوم نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپ کو بتلا دے گا آیت کی یہ تفسیر زجاجؒ سے منقول ہے

یا یہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر انشاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا کریں اور اگر کسی وقت بھول جائیں تو جب یاد آ جائے انشاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا درجہ اس سے بھی زیادہ کرے یعنی آپ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے۔

(ماخوذ از موضح القرآن)

یا یہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو تو اللہ کو یاد کر لیا کرو اور یہ کہہ لیا کرو عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا، یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطا فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو کما قال تعالیٰ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

پھر اس تنبیہ کے بعد اصحاب کہف کے متعلق ایک بات بیان کر کے قصہ کو ختم فرماتے ہیں اور یہ کہ جو آپ سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس رہے اور ان تین سو برس کے علاوہ نو برس اور زیادہ ہیں اس کے بعد وہ خواب سے جگائے گئے اور اٹھائے گئے اور آپ کہہ دیجئے کہ

پوری طرح اللہ ہی کو خوب معلوم ہے جتنی مدت وہ غار میں ٹھہرے اسی کو تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے اس پر اصحاب کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے عجیب دیکھنے والا اور عجیب سننے والا ہے ظاہر باطن قریب اور بعید سب اس کے سامنے یکساں ہے آسمان اور زمین والوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا اس لئے لازم ہے کہ کوئی اس کے غیب میں دخل نہ دے اور جتنی بات اس نے بتلادی ہے اس پر اکتفا کرے اور اپنی طرف سے کوئی بات رجما بالغیب نہ کہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ

اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب سے اس کی کتاب کوئی بدلنے والا

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ

نہیں اس کی باتیں اور کہیں نہ پاوے گا تو اس کے سوا چھپنے کو جگہ اور تھام رکھ

نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ

طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ

رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی

ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ وَقُلِ الْحَقُّ

یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا اور کہہ سچی بات

مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ

ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن

ہم نے رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ، جو گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں اور اگر

يَسْتَغِيثُوا۟ يُغَاثُوا۟ بِمَآءٍ كَٱلْمُهْلِ يَشْوِى ٱلْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ

فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ، بھون ڈالے منہ کو، کیا برا

ٱلشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟

پینا ہے اور کیا برا آرام، جو لوگ یقین لائے اور کیں

ٱلصَّٰلِحَٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ

نیکیاں ہم نہیں کھوتے نیگ اس کا جس نے بھلا کیا کام، انہوں

لَهُمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهِمُ ٱلْأَنْهَٰرُ يُحَلَّوْنَ

کو باغ ہیں بسنے کے، بہتی ان کے نیچے نہریں، پہنائے جائیں

فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا

ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنیں گے کپڑے سبز

مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ ۚ

پتلے اور گاڑھے ریشم کے، لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر

نِعْمَ ٱلثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾

کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب ہے آرام

حکم تلاوت قرآن و مدارات درویشان و خرقہ پوشان

قال اللہ تعالیٰ وَاتْلُ مَآ أُوحِىَ إِلَيْكَ ... الیٰ ...... وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا

ربط، شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فنا و زوال کو

بھیجی گئی ہے اسکو پڑھتے رہیئے خود بھی پڑھیئے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور لوگوں تک اسکو پہنچاتے رہیے یہی آپ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے اسلام کو ترقی ہوگی ان پر دین کی ترقی کا دارومدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں جیسا ہم آپ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موافقت یا مخالفت وعدۂ الٰہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی ہیں کہ کافروں کے اس قول کی پرواہ نہ کیجئے جو یہ کہتے ہیں ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ: یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں اور بجز اطاعت خداوندی کے آپ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا تھا کہ زمین کی چیزیں اور تمام اسباب محض فقط دنیا کی زینت ہیں جو کہ آزمائش کی اور دنیا کی زینت فانی اور سریع الزوال ہے اس سے دل بستگی نہ چاہیے عاقل کا کام دار آخرت کی فکر ہے اسکے بعد اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ جو شاہی خاندان کے افراد تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے دنیا کی زینت کو چھوڑ کر اپنے دین کو لے کر بھاگ نکلے اور غار میں جا چھپے اب اس کے بعد اشرافِ مکہ کے متعلق ایک ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ سردار مکہ دنیا کی زینت پر فریفتہ تھے اور اسباب دنیا کے غرور میں ان کو فقراء مسلمین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے ان رؤساء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ جس وقت ہم آپ کے پاس آیا کریں اس وقت یہ لوگ آپ کے پاس نہ آیا کریں آپ ہمارے لئے علیحدہ مجلس رکھیے اور ان درویشوں کو اس مجلس میں ہمارے ساتھ شریک نہ کیجئے یہ لوگ صوف کے کمبل پہنے رہتے ہیں اور ان میں انکو پسینہ آتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے اور ہم شرفاء اور سادات عرب ہیں اگر ہم اسلام لے آئے تو ہمارے قبیلہ میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے غرض یہ کہ سرداران قریش نے ان بدبودار کملی والوں کے پاس اور ان کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کیا ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ خیال آیا ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غرباء کو علیحدہ کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ تو پکے اور سچے مسلمان ہیں ہی اگر سرداران قریش اس طرح اسلام میں داخل ہو جائیں تو یہ اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے نبی آپ ان اہل دنیا کی ذرا برابر پرواہ نہ کیجئے بلکہ اپنی نشست و برخاست میں برابر اپنے آپ کو ان لوگوں میں مقید اور پابند رکھیئے جو صبح و شام یعنی شروع دن سے لے کر اخیر دن تک اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر اور عبادت سے فقط رضائے خداوندی کے طالب ہیں اس سے ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں اور چاہیئے کہ آپ کی آنکھیں ان فقراء مسلمین سے نہ پھر جائیں یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی وقت آپ کی نظر التفات ان اہل دنیا کی طرف پھر جائے

گویا اگر آپ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی آرائش کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ امیروں کی دلجوئی کے لیے فقیروں کو پاس نہ آنے دینا بھی ایک قسم کی دنیا کی زینت کی رعایت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں اپنے نبی کو کافروں کی اس قسم کی دلجوئی سے منع فرمادیا کیونکہ مجلس اور مجالست میں امیروں اور فقیروں میں فرق اور امتیاز قائم کرنا بظاہر جاہ اور دنیا کی زینت کی رعایت ہے ورنہ حق اور آخرت کی راہ سے فقراء اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ شاہان دنیا کو بھی حاصل نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے بتادیا کہ یہ متکبرین ایمان لانے والے نہیں ان کا ایمان محض موہوم اور محتمل ہے اور محض موہوم اور محتمل فائدہ کی خاطر مخلصین کے احترام اور دلجوئی کو پس پشت نظر انداز کر دیا جائے نیز غریبوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اس طرز عمل کو دیکھ کر نبی سے بدگمان ہو جائیں اور اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرنے لگیں اور چند متکبرین کے اسلام لے آنے میں اسلام کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ اس بدگمانی سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فقراء اور درویشان اسلام کی پہلے سے زیادہ خاطرداری اور مدارات کرنے لگے اور خاص طور پر ان کے پاس آکر بیٹھتے اور یہ فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے درویش اور پاکیزہ لوگ بنائے کہ جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھ کو حکم دیا میری زندگانی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

مسئلہ عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو غنیمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی نفرت دلوں میں ظاہر ہوتی ہے یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو صوف کے جبے پہنے ہوئے حضور پرنور کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اطراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے اسی لیے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جو اندر سے تو شیخ وقت ہو درویشی صوف اور ان کا لباس پہنے۔

ورمت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیا نے دل کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہمہ تن اپنی نفسانی خواہش کا تابع اور پیرو ہو گیا ہے نفس کا بندہ اور غلام بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اس کو لے جاتا ہے ادھر دوڑا چلا جاتا حلت اور حرمت کے

۱؎ تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں قالوا یا رسول اللہ لو جلست فی صدر المجلس ونحیت عنا ہؤلاء وروائح جبابہم وکانت علیہم جباب صوف لم یکن علیہم غیرہا (تفسیر قرطبی ص ۳۹۰ جلد ۱۰)

سے پاک تخت خوب تکیہ لگے ہیں جن پر یہ بے سروسامان مسلمان شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے اب آگے دو آیات میں دنیا کے چاہنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا

اور بتا ان کو کہاوت دو مردوں کی بنا دیئے ہم نے

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

ایک کو دو باغ انگور کے اور گرد ان کے

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا

کھجور اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی دونوں

الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا

باغ لاتے اپنا میوہ اور نہ گھٹاتے اس میں سے کچھ اور بہادی ہم نے

خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ

ان دونوں کے بیچ نہر اور اس کو پھل ملا پھر بولا اپنے دوسرے سے جب

يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ

باتیں کرنے لگا اس سے مجھ پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ اور گیا اپنے

جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر بولا نہیں آتا خیال میں کہ خراب ہو

هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

یہ باغ کبھی اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت ہونے والی ہے اور اگر کبھی

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

پہنچایا گیا مجھ کو میرے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر۔ کہا اس کو دوسرے نے جب

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا اس شخص سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝٣٧ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ

پھر بوند سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے

رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝٣٨ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ

میرا رب اور نہیں مانتا ساجھی اپنے رب کا کسی کو اور کیوں نہ جب تو آیا تھا

جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ

اپنے باغ میں کہا ہوتا جو چاہا اللہ کا، کچھ زور نہیں مگر دیا اللہ کا اگر تو

تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝٣٩ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ

دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید ہے کہ میرا رب دیوے

يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا

مجھ کو تیرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک جھوکا آسمان

مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝٤٠ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا

سے پھر صبح کو رہ جاوے میدان چٹیل ۔ یا صبح کو رہ جاوے اسکا پانی

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝٤١ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ

خشک پھر تو نہ سکے اس کو ڈھونڈ لاوے اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰي مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ

پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ

خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

ڈھا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر اور کہنے لگا کیا خوب تھا اگر میں ساجھی نہ بناتا اپنے

بِرَبِّيٓ أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُۥ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُۥ مِن

رب کا کسی کو — اور نہ ہوئی اسکی جماعت کہ مدد کریں اسکی — اللہ

دُونِ ٱللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ ٱلْوَلَٰيَةُ

کے سوا — اور نہ ہوا وہ کہ بدلہ لے سکے — وہاں سب اختیار ہے

لِلَّهِ ٱلْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾

اللہ سچے کا — اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلہ

بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال

قال اللہ تعالیٰ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ ... الیٰ ... هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان متکبرین کے سمجھانے کے لیے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لیے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مال و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مومن اور درویش تھا۔ مالدار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلۂ عالم کو قدیم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی اس کو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھاتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کارخانۂ عالم کی باگ اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری مت کر مبادا کوئی بلا نازل ہو جائے چنانچہ اس پر ایک بلائے آسمانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ جل گیا اور وہ مالک باغ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا تب اس کی سمجھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیات میں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرمایا ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مال کی کثرت اور اعوان و انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دم کے دم میں تونگر فقیر ہو جائے اور فقیر تونگر ہو جائے قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے چنانچہ فرماتے ہیں اسے نبیؐ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لئے دو شخصوں کا قصہ بیان کیجئے وہ دو شخص آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا یعنی ان کے ہر چہار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی یعنی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے طرح طرح کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر رکھی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور علاوہ ان دونوں باغوں کی بیشمار پیداوار کے اس شخص کے پاس اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور اس کا ایک بھائی تھا جو نادار اور کنگال تھا جو محض ایک غریب مفلس مسلمان تھا یعنی حق پرست تھا اور اس کافر کے پاس اور بھی قسم قسم کے مال تھے یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھا پس ایک روز اپنے ساتھی یعنی مومن بھائی سے جو غریب تھا ایک روز دوران گفتگو میں فخر کرنے لگا یعنی کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا یعنی میں باہم گفتگو ہو رہی تھی تو کافر بھائی نے فخر سے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مالدار کافر اپنے غریب مومن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور ان کی پیداوار اور رونق و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا اور اس حال میں کہ وہ اپنے کفر و غرور کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا غرور و خود بینی کی وجہ سے اور پھر دنیا کی محبت کے سبب سے مومن بھائی نے اس کو کفر اور کفرانِ نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑ سکے گا اور کہا میرا ہمیشہ یہی خیال رہتا ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں رہیں گے اور یہ کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بفرض محال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا اور اس سے بہتر دے گا اکثر کفار اور اغنیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیوی عزت و راحت کو اپنی مقبولیت خداوندی اور مکرم عند اللہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے زبان سے تو نہیں بزبان حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور علماء فقراء اور غرباء کی مجالست سے عار کرتے ہیں اس کی یہ بات سن کر اس سے اس کے دیندار ساتھی نے اثنائے گفتگو

میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے بنایا پھر
تو مردہ و بےحس تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا مال اور دولت کی گود میں پل کر سرکش ہو رہا تھا پھر خدا نے
تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھ کو اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مر جاؤں
گا اور مر کر مٹی ہو جاؤں گا تو وہ مجھ کو دوبارہ پیدا کر سکے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی
خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے
خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے جس کی محبت میرے دل میں ہے اور
جس کا ذکر میری زبان پر ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا نہ اعتقاد میں نہ
قول میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور ربوبیت کا بھی اثبات ہو گیا کیونکہ جو ذات پاک
عالم کی خالق اور مربی ہے وہ اس عالم کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کیوں نہ ہوا کہ جب
تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو یہ کہا ہوتا کہ جو خدا نے چاہا وہی قابل شدنی ہے بغیر اللہ کی مشیت کے
کسی میں قوت اور زور نہیں یعنی باغ کو دیکھ کر تجھے چاہئے تھا کہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتا اور دل و جان
سے یہ کہا ہوتا کہ یہ سب کچھ باغ و بہار اللہ کی مشیت اور اس کے فضل سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد
رکھے اور چاہے تو اس کو اجاڑ دے وہ ہر طرح سے قادر ہے بندہ میں قدرت نہیں کہ باغ کو اور اس کی
بہار کو قائم رکھ سکے اسی طرح زندگی کا باغ و بہار۔ امیری اور فقیری سب اس کی مشیت سے ہے دم
کے دم میں امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا سکتا ہے جانتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ جو نعمت اور
مال و دولت اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو تھام سکے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

فائدہ جو شخص اپنے باغ میں یا مکان میں داخل ہوتے وقت مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے تو وہ باغ اور مکان بلا اور آفت سے محفوظ رہے گا۔

حکایت امام دار الہجرت مالک بن انسؒ نے اپنے مکان کے دروازہ پر لکھ رکھا تھا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اس نصیحت کے بعد اس غریب مسلمان بھائی نے اس کے تکبر اور فخر کا جواب دیا اور کہا اگر تو مجھ کو
مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتا ہے تو تجھ کو زیبا نہ تھا کہ تو مجھ پر بڑائی اور تکبر ظاہر کرتے تھے پس
کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار دنیا یا آخرت میں مال اولاد کے بجائے مجھ کو تیرے سے بہتر باغ دے دے
اور اس تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا اور آفت بھیج دے جس کا تجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہو پھر وہ
تباہ ہو کر دفعۃً چٹیل میدان ہو جائے جس پر گھاس کا بھی نام و نشان نہ ہو یا اس کا پانی زمین کے
اندر اتر جائے کہ اس کو ڈھونڈ کر بھی واپس نہ لا سکے یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے جیسا کہ ایسا

دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے تاہم عادۃ اکثر یہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر توڑ دینے کے لیے کوئی بلاء آسمانی انکے مال و دولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہو جائے کہ یہ دنیا ہیچ ہے اور امیری اور فقیری سب انکے ہاتھ میں ہے دو دم کے دم میں بڑے سے بڑے متکبر اور سرکش کو محتاج اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور بتا ان کو کہاوت دنیا کی زندگی کی

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر جڑ کر نکلا اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ

زمین کا سبزہ ۔ پھر کل کو ہو رہا چورا باؤ میں

الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ

اڑتا اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت ۔ مال

وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ

اور بیٹے رونق ہیں دنیا کے جیتے اور رہنے والی نیکیوں

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ

بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر ہے توقع اور جس دن ہم چلاویں

الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ

پہاڑ اور تو دیکھے زمین کھلی گئی اور گھیر بلاویں انکو پھر نہ

نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ

چھوڑیں ان میں ایک کو اور سامنے لائے تیرے رب کے قطار کر کر

لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ

اور آ پہنچے تم ہمارے پاس، جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار، نہیں تم بتاتے تھے

أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى

کہ نہ ٹھہرائیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ، اور رکھا جاوے گا کاغذ، پھر تو دیکھے

الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا

گنہگار ڈرتے ہیں اس کے بیچ لکھے سے، اور کہتے ہیں ہائے خرابی!

مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا

کیسا ہے یہ کاغذ، نہ چھوڑے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو

أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ

اس میں نہیں آگئی، اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے، اور تیرا رب ظلم نہ

رَبُّكَ أَحَدًا ﴿٤٩﴾

کرے گا کسی پر

دنیا کے فنا و زوال کی ایک مثال

قال اللہ تعالیٰ: وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ ... إلى ... وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا

ربط، گزشتہ آیات میں دو شخصوں کی مثال بیان کی تھی جس سے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتانا مقصود تھا اب پھر دنیا کی بے ثباتی کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا کی اصلی حقیقت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس کی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی ظاہری آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا ہیچ ہے قابل فخر نہیں قابل فخر اور قابل شکر باقیات صالحات یعنی اعمال صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش ہیچ ہے دنیا تو فانی ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزینہ تیار کریں اور

وقول سوم یہ کہ باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جن کے ثمرات ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کنواں یا سرائے یا باغ بہ نیت خدا کے لیے وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح یا عالم با عمل چھوڑ جائے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی اسکو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں جامع اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ وغیرہ اور تمام نیک اقوال اور اعمال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبری اور حافظ ابن کثیر نے اختیار فرمایا ہے ۔

خلاصہ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تحقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اسکے لیے تیاری کریں

اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کیلئے چند احوال کا ذکر فرمایا۔

احوال اول ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾ اور اس دن کو یاد کرنا چاہیے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو انکی جگہوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقاء لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے انکو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

احوال دوم ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً﴾ اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چٹیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان بلکہ اس طرح زمین قاع صفصف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نیچائی کسی چیز کا اس پر نام و نشان نہ ہوگا زمین کے مُردے اور اس کے خزینے اندر سے نکل کر سب باہر آجائیں گے غرض یہ کہ اس دن زمین صاف ہموار میدان بن جائے گی اور کوئی چیز زمین کے جوف و پیٹ میں نہ رہے گی اس کا اندرونی جوف سب ظاہر ہو جائے گا۔

احوال سوم ﴿وَحَشَرْنَاهُمْ﴾ اور اس دن ہم سب لوگوں کو میدان حشر میں حساب و کتاب کے لیے جمع کریں گے جو ہم اولین و آخرین میں سے بغیر جمع کیے کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہاں نہ لایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ بھول چوک ممکن ہے نہ عجز ممکن ہے قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ

احوال چہارم ﴿وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا﴾ اور اس دن تمام اولین و آخرین حساب کے لیے تیرے پروردگار کے روبرو کھڑے کیے جائیں گے یعنی اس دن تمام لوگ حساب کے لیے احکم الحاکمین کے روبرو کھڑے کیے جائیں گے کما قال تعالیٰ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

احوال پنجم ﴿لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پھر پیش ہونے کے بعد منکرین قیامت کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا البتہ تحقیق تم آ گئے ہمارے حضور میں حاضر ہونے ہو بے حشمت و وقار اور بے خدمت گار اور بے مال و منال اور سب کے سب پا برہنہ ننگے بے پروبال جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب تو تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم کو یقین آگیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اموال و اولاد اور وہ باغات و مکانات جن پر تم فخر کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز اس وقت تمہارے پاس نہیں جس طرح پہلی مرتبہ تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے تھے اسی طرح پھر تم کو پیدا

کہا گیا جیسے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ کی پیدائش دیکھ کر تم دوسری مرتبہ کی پیدائش کے قائل ہو جاتے مگر تم قائل نہ ہوئے بلکہ تم نے دنیا میں یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے حساب کتاب کے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے یعنی تم قیامت کو ڈھکوسلا سمجھتے تھے اور دنیا کی محبت پر مغرور اور مفتون تھے اسی لئے تم نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور آخرت کے ماننے والوں پر طعن کیا اور انکو ذلیل و خوار جانا اور یہ بار بار تذکار یعنی پھر ان کو سنایا تمہارا انکار ختم ہوا اب بتاؤ کہ جس طرح آج اس وقت اللہ کے آگے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون ہوئے ہو یعنی ختنہ کے وقت تمہارے بدن کی جو ذرا کھال کٹ گئی تھی وہ بھی واپس کر دی گئی دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(ربع ششم) وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا اور اس دن ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا پس تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ خوف سے ڈرنے والے اور کانپنے والے ہوں گے ان جرائم کی سزا کے ڈر سے جو ان کے نامہ اعمال میں درج ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو مگر سب کو گھیرے ہی لئے ہوئے ہے کراماً کاتبین نے ایک ایک ذرہ لکھ دیا ہے کوئی چیز چھوڑی نہیں یہ بات وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھ کر کہیں گے۔

(ربع ہفتم) وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۔ اور جو انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب اس نامہ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائیں گے تا کہ ان پر حجت قائم ہو اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اس وقت جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ سب تمہارے عمل کا پھل ہے۔

گندم از گندم بروید جو ز جو ؎ از مکافات عمل غافل مشو

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کر

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ

پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا

أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي

اپنے رب کے حکم سے سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ

اور وہ تمہارے دشمن ہیں برا ہاتھ لگا بے انصافوں کو بدلہ دکھا نہیں

اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ

بلایا میں نے انکو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا

اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ

انکا کو اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو بازو اور جس دن

يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ

فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتاتے تھے پھر پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ

پھر وہ جواب نہ دیں گے اور کر دیں گے ہم انکے بیچ میں ہلاکت کا گڑھا اور دیکھیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا

گنہگار آگ کو پھر سمجھیں گے کہ انکو پڑنا ہے اس میں اور نہ پاویں گے

عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اس سے راہ بدلنی اور پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے اس قرآن میں

لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

لوگوں کو ہر ایک کہاوت اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ

جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ

جھگڑنے کو اور لوگوں کو جو روکا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی انکو

الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ

راہ کی سوجھ اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے روکا کہ پہنچے ان پر رسم

الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ

پہلوں کی، یا آکھڑا ہو ان پر عذاب سامنے ۔ اور ہم جو رسول

الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ

بھیجتے ہیں سو خوشی اور ڈر سنانے کو، اور جھگڑے لاتے ہیں

كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا

منکر جھوٹے جھگڑے، کہ ڈگا دیں اس سے سچی بات، اور ٹھہرایا ہے میرے

آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ

کلام کو، اور جو ڈر سنائے تھے ٹھٹھا ۔ اور کون ظالم اس سے جسکو سمجھایا اسکے

بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ

رب کے کلام سے، پھر منہ پھیرا اسکی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اسکے ہاتھ

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي

ہم نے رکھی ہے ان کے دلوں پر اوٹ کہ اسکو نہ سمجھیں، اور ان کے

آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن

کانوں میں بوجھ، اور جو تو ان کو بلاوے راہ پر، تو ہرگز

يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ

نہ آویں راہ پر اس وقت کبھی ۔ اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے مہر رکھتا

لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل

اگر ان کو پکڑے ان کے کئے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب، پر

لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَ

ان کا ایک وعدہ ہے کہیں نہ پاویں گے اس سے ورے سرک جانے کو جگہ ۔ اور

تِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

یہ سب بستیاں جن کو ہم نے کھپا دیا جب ظالم ہو گئے اور رکھا تھا

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

ان کے کھپنے کا ایک وعدہ

غرور اور تکبر کا حال اور مآل

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ... الٰی ... وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل دولت کے غرور اور تکبر کا حال بیان کیا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی تکبر ہے جس کا آغاز ابلیس لعین سے ہوا اور تواضع و نیازمندی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا یہی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا جو تمہارے باپ کا طریقہ ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اپنے باپ آدم کے طریقہ پر چلو اور خوب سمجھ لو کہ جو دولت مند فخر کرتے ہیں اور اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور فقراء صالحین اور درویشان اسلام کو حقیر سمجھتے ہیں وہ سب ابلیس لعین کے مقتدی اور متبع ہیں جس طرح شیطان نے غرور کیا اور آدم کو حقیر سمجھا اسی طرح یہ مالدار متکبر غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں ابلیس کے انجام کو دیکھ لیں اور اپنے انجام کو سوچ لیں۔

(ربط دیگر) کہ انسان کی غفلت اور سرکشی کے دو سبب ہیں ایک تو دنیا کی مال و دولت جس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے اور دوسرا سبب اغواء شیطانی ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بنی آدم کو ابلیس کی عداوت پر آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا قدیمی دشمن ہے اس سے ڈرتے رہنا اور بچتے رہنا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو بطور تحیت و تکریم سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا اس نے آدم کے شرف اور کرامت کو تسلیم نہ کیا اور اس نے اس سجدہ سے انکار کیا کہ وہ قوم جن سے تھا عنصر ناری کے غلبہ سے وہ غلو اور تکبر کی طرف مائل ہوا پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر نکل گیا اور آدم اور اسکی اولاد کا دشمن ہو گیا تو بنی آدم ابلیس کا یہ حال ہے کیا تم اسکو اور اسکی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے حال دشمن ہیں اور ہم نے تو اس لعین کو تمہارے باپ کی وجہ سے اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا پھر مجھے چھوڑ کر اپنے

دشمن کو اور اس کی ذریت کو کیوں اپنا دوست بناتے ہو ظالموں کے لیے یہ بہت ہی برا بدل ہے یعنی کیا یہ ظلم نہیں کہ جس ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین نے تم کو مکرم اور مشرف کیا اسے چھوڑ کر اس بدترین دشمن کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابلیس کے بھی بچے ہیں۔ کیونکہ ذریت بغیر اولاد کے نہیں ہوتی اس قسم کے اقوال زیادہ تر مجاہدؒ اور شعبیؒ اور قتادہؒ سے منقول ہیں اور بعض مرفوع حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کو چھوڑ کر اپنے آبائی دشمن کو دوست بنانا بہت ہی برا بدل ہے۔

عدو دشمن بیان دوست بنشستی ☆ ببین کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

اور ظاہر ہے کہ دوست کو چھوڑ کر آبائی دشمن کو اپنا دوست بنانا بڑا ہی ظلم ہے آگے آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم نے اپنا ولی اور متولی بنایا ہے وہ سب کے سب تمہاری طرح بیچارے بندے اور غلام ہیں کسی چیز کے مالک نہیں اس لیے کہ میں نے ان شیطانوں کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اپنی مدد اور مشورہ کے لیے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت ان کو بلایا تھا کہ بلا کر ان سے پوچھا ہو کہ تم کو کیسا بنایا جائے مطلب یہ ہے کہ میں نے آسمان اور زمین اور تمام مخلوقات کو خود اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے ان کی پیدائش میں میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور اگر بفرض محال مدد بھی لیتا تو میں ان بدبخت اشقیاء گمراہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے والا نہیں جبکہ میں جانتا ہوں کہ سیدھی راہ سے بہکانے والے ہیں مطلب یہ ہے کہ کیا یہ شیاطین و کفار اور کیا آفرینش میں مددگار ہیں خالق مطلق کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت اور جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ان کی حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی اس دن خدا تعالیٰ بالواسطہ فرشتوں کے مشرکین سے کہے گا کہ جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے بلند آواز سے ان کو اپنی امداد کے لیے پکارو تاکہ تمہارے زعم کے مطابق وہ تمہاری مدد اور سفارش کریں پس وہ ان کو اپنی مدد کے لیے پکاریں گے سو وہ شرکاء ان کی بات کا کوئی جواب بھی نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے اور اس وقت ان گمراہوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ بالکل عاجز ہیں اور ان کو سفارش وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں اور عیسیٰ جیسے مقبولان خداوندی بجائے سفارش کرنے کے ان کا قول سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار فرمائیں گے کہ ہم ان گمراہوں کے عمل سے بالکل بے خبر ہیں اور نہ ہم کبھی ان کے شرک پر راضی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اہل محشر کے سامنے ان گمراہوں کو بطور ملامت و توبیخ یہ حکم دے گا کہ جن کو تم شریک گمان کرتے تھے ان کو پکارو تاکہ تم کو اس عذاب سے چھڑا دیں اور تمہاری کچھ مدد کریں یہ لوگ پکاریں گے وہ جواب نہ پائیں گے تو خوار اور ناامید ہو کر رہ جائیں گے۔ اور ہم ان عابدوں اور معبودوں کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے جس سے ان کے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا اور ایک فریق دوسرے فریق سے مل نہ سکے گا اور دوزخ کے پاس

جانے کا کام آنا تو درکنار درمیان میں ایک عظیم خندق حائل ہوگی اور موبق کے معنی جائے ہلاکت کے ہیں اس سے مراد آگ کی خندق ہے یا جہنم کی کسی وادی کا نام ہے جب درمیان میں یہ آڑ حائل ہو جائے گی تو انکی امداد سے بالکل مایوسی ہو جائے گی اور بجائے مدد اور شفاعت کے کافروں کو یہ سڑک نظر آئے گی جو جہنم کی راہ ہے اور اس وقت مجرم لوگ دور سے آگ کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی یقین کر لیں گے کہ وہ خود اس آگ میں گرنے والے ہیں اور اس سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ آگ انکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے وہ ایسے عاجز ہیں کہ اس مصیبت کے وقت میں انکی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر جہنم کو چالیس سال کی مسافت میں دیکھے گا مطلب یہ ہے کہ شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی کچھ امید ہو لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائیگا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں اب اس کے بعد قرآن کریم کی جامعیت کو بیان فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت اور نصیحت کے لیے ہر قسم کی مثال تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر دی ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ بھٹکیں مگر باوجود اس تفصیل اور واضح بیان کے لوگ حق سے جھگڑا لگاتے ہیں اور ہے انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر انسان کی فطرت اور جبلت میں مجادلہ اور مخاصمہ ایسا رکھ دیا ہے کہ حق کے مقابلہ میں مجادلہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور یہ جدال کبھی تو ایمانیات اور اعتقادیات میں ہوتا ہے مثلاً توحید اور رسالت کے بارہ میں یا قیامت کے بارہ میں مجادلہ کرے تو یہ کفر ہے اور کبھی عبادات اور اعمال صالحہ میں ہوتا ہے تو یہ جدال معصیت یعنی گناہ ہے مثلاً کوئی شخص ایمانیات یعنی توحید و رسالت میں تو نہیں جھگڑا کرتا مگر کسی حق بات میں اور عمل کے بارہ میں جھگڑا کرتا ہے تو یہ جدال کفر نہ ہوگا بلکہ معصیت اور گناہ ہوگا اور کبھی یہ جدال قربات اور مستحبات میں ہوتا ہے تو یہ جدال بے ادبی ہے مثلاً صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت انکے اور فاطمۃ الزہراءؓ کے پاس آئے تو فرمایا کہ تم دونوں نماز کیوں نہیں پڑھتے (یعنی صلاۃ اللیل اور رات کے نوافل کیوں نہیں پڑھتے) علیؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے نفوس یعنی ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہم کو رات کو نماز کے لیے اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے جب میں نے یہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیر کر واپس ہوئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جواب طاعات اور قربات یعنی مستحبات میں مجادلہ تھا کہ اپنی غفلت کی پردہ پوشی کے لیے خدا کی قدرت اور اس کی قضاء و قدر کو بہانہ بنایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس آیت کی تلاوت سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علیؓ کا یہ جواب درحقیقت ایک قسم کا جدال ہے جو
خلاف ادب ہے اور مطلب یہ تھا کہ اولیٰ یہ تھا کہ بے التفاتی برتی تاکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہو جائے اور جب لوگوں کے پاس
ہدایت قرآنی آپہنچی تو انکو اس ہدایت ایمانی پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ
ضلالت سے توبہ اور استغفار کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر یہ بات مانع ہوئی کہ انکو اس بات کا انتظار
اور طلب ہے کہ ان پر بھی وہی سنت الٰہی جاری ہو کر جو گزشتہ جہال اور مقابلہ کرنے والوں پر جاری ہوئی
تھی اس بات کے منتظر ہیں کہ عذاب الٰہی انکے سامنے آکھڑا ہو حاصل یہ کہ ان مجادلین اور معاندین پر یہ امر
بخوبی منکشف ہو گیا ہے کہ قرآن حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں جدال اور عناد
کے عادی ہیں یہ لوگ ایمان لانے والے اور حق کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے منتظر ہیں کہ اگلے
مجادلین کی طرح ہلاک کئے جائیں یا عذاب الٰہی انکی آنکھوں کے سامنے آجائے تب مانیں حالانکہ اس
وقت کا ماننا قابل قبول نہیں اور نہ مفید ہے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر صرف اہل ایمان کو بشارت
دینے کے لیے اور اہل ضلالت کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے ان پر یہ لازم نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں
کو حق منوا لیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے
حق کو پھسلا دیں اور ڈگمگا دیں یعنی اس قسم کی مہمل اور بیہودہ باتوں سے مجادلین کی یہ غرض ہوتی ہے
کہ حق کو باطل اور باطل کو حق اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیں اور ان لوگوں نے بنا لیا ہے میری آیات
کو اور اس عذاب کو جس سے انکو ڈرایا گیا مسخرہ یعنی انکو مذاق اور ٹھٹھا بنا لیا ہے یعنی ان لوگوں نے
آیات الٰہیہ کو اور مواعید خداوندی کو مسخرہ بنا لیا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون
ظالم ہوگا جسکو اس کے پروردگار کے کلام سے نصیحت کی گئی اور اسکو ہوشیار کر دیا گیا پھر اس نے انکی
طرف سے منہ موڑا اور فراموش کر دیا جو اسکے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے یعنی اپنے گناہوں اور بدکاریوں
کے انجام کو بھول گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو کفر اور گناہ اپنے ہاتھوں سے کر کے آگے بھیج رہا ہوں اس کا نتیجہ
کیا ہوگا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے نفس پر ظلم کر کے اسکو تباہ اور
برباد کر ڈالا اور ہر چند کہ اسکو آیات خداوندی سے نصیحت کی گئی مگر ایک نہ سنی اصل وجہ اسکی یہ ہے
کہ تحقیق ہم نے ایسے مجادلین اور معاندین کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ قرآنی ہدایت
کو نہ سمجھ سکیں اور انکے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے تاکہ حق کو نہ سن سکیں اور اے نبیؐ اگر آپ انکو
راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ کبھی بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے اس آیت سے
معلوم ہوا کہ کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ ہی کیطرف سے ہے مگر اس کا علم سوائے
خدا کے کسی کو نہیں بندہ کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر چلتا رہے امر کہ اللہ کے علم میں کیا ہے سوا اس کا
علم کسی کو نہیں بندہ کو حکم یہ ہے کہ کسب معاش کے لیے تجارت کرے یا زراعت کرے باقی اس تحقیق
میں پڑنا کہ بندہ کے مقدر میں کتنا رزق لکھا ہے یہ جہالت اور حماقت ہے اور اسے [illegible]

بخشنے والا ہے صاحب رحمت ہے اسی لئے وہ ان مجرمین اور معاندین اللہ پر بالفعل اور فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا اگر وہ ان کو ان کے اعمال پر پکڑنے لگے تو ان کی بداعمالیوں کا مقتضی یہ ہے کہ دنیا ہی میں فوراً ان پر جلد عذاب نازل کرے مگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ بڑا حلیم اور کریم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کی سزا کے لیے ایک وقت مقرر ہے یعنی روز قیامت جس سے پناہ اور مفر نہیں ہرگز نہ پاویں گے اس وعدہ سے پناہ اور بھاگنے کی جگہ کہ اس کے آنے سے پہلے ہی کہیں جا چھپیں اور اس سے محفوظ ہو جائیں اور یہ اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں یعنی قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے کفر اور شرک کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا ایک لمحہ اور ایک لحظہ کا بھی فرق نہ ہوا اسی طرح آپ کے زمانہ کے سرکشوں اور جدال کرنے والوں کے لیے بھی علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے یہ لوگ بھی اپنے وقت پر ہلاک ہوں گے آپ تسلی رکھیے اور ان کی تکذیب اور جدال کی پروا نہ کیجئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں ابلیس کا غرور اور تکبر کی وجہ سے خراب اور برباد ہونا بیان کیا اب آگے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں جانتے تواضع کا انجام بہتر ہے اور تکبر کا انجام برا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک

أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک یا چلا جاؤں قرنوں

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ

پھر جب پہنچے دونوں دو دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے

سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ

بنا لیا اپنا راہ دریا میں سرنگ بنا کر پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے

آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ

بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر پاس، سو میں بھول گیا

الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ

مچھلی اور یہ مجھ کو بھلایا شیطان ہی نے کہ اسکا مذکور کروں

وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا

اور وہ کر گئی اپنی راہ دریا میں عجیب طرح کہا یہی ہے جو ہم چاہتے

نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا

تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے پھر پایا ایک بندہ

مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

ہمارے بندوں میں کا جسکو دی تھی ہم نے اپنی مہر اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا

مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ

اپنے پاس سے ایک علم کہا اسکو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ

عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ

رہوں اس پر کہ مجھ کو سکھلادے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ بولا تو نہ سکے گا

لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا

میرے ساتھ ٹھہرنا اور کیونکر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز

لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ

کہ جو تیرے قابو میں نہیں اسکی سمجھ کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو

صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي

ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا چاہے

فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ
تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا

ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ
ذکر پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے ناؤ میں اس کو پھاڑ ڈالا

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿٧١﴾
موسیٰ بولا کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبو دے اس کے لوگوں کو تو نے کی ایک چیز انوکھی

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ
بولا میں نے نہ کہا تھا کہ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا کہا

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ
مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور نہ ڈال مجھ پر میرا کام

عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ
مشکل پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے اس کو مار ڈالا موسیٰ بولا کیا تو نے

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾
مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے تو نے کی ایک چیز نامعقول

قصہ حضرت موسیٰ با خضر علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا

ربط: چونکہ قریش نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لیے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو سوالات کیے تھے وہ یہود کے بتلانے اور سکھلانے سے کیے تھے کہ اگر آنحضرت ان باتوں کا جواب دے دیں تو جانو کہ وہ نبی ہیں ورنہ نہیں اس لیے یہود کے سنانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہوں اور

ملنے کی کیا صورت ہے؟ ارشاد ہوا کہ مجمع البحرین یعنی روم اور فارس کے دو سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں پتھر کے پاس میرا ایک نیک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے ہم نے اسکو ایک خاص علم دیا ہے جا کر اس سے ملو اور ناشتہ کے لیے ایک مچھلی تل کر اپنے زنبیل میں رکھ لو اور روانہ ہو جاؤ تو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں تم کو ہمارا وہ بندہ ملے گا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی بھون کر زنبیل میں رکھ لی اور یوشع بن نون کو ساتھ لے کر مجمع البحرین روانہ ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور قابل ذکر ہے وہ وقت جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم سے جس کا نام یوشع بن نون تھا یہ کہا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا مطلب یہ کہ مدتوں چلتا رہوں یعنی جب تک خدا کے اس نیک بندہ سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر کو ختم نہ کروں گا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ۔ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

چنانچہ بھنی ہوئی مچھلی ساتھ لے کر دونوں سفر کے لیے روانہ ہوئے پس جب یہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی مچھلی دونوں بھول گئے یعنی وہاں پہنچ کر وہ مچھلی باذن الہی زندہ ہو گئی اور دریا میں جا داخل ہوئی اور دریا میں ایک سرنگ کی طرح راستہ بنا لیا جہاں مچھلی جاتی وہاں دریا کا پانی دونوں طرف کھڑا ہو جاتا اور بیچ میں ایک طاق سا بن جاتا جب یہ دونوں حضرات اس پتھر پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون جاگتے رہے وہاں ایک چشمہ تھا یوشع بن نون اس چشمہ سے وضو کرنے لگے انکے ہاتھ سے ایک دو قطرہ پانی کا اس بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا اس سے وہ مچھلی تڑپ کر زندہ ہو گئی یا کسی طریقہ سے وہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو گئی۔ واللہ اعلم

(تفصیل کے لیے فتح الباری کتاب الانبیاء دیکھئے)

اور دریا میں چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی اور وہاں اس کے لیے مثل دریچوں کے ایک راستہ بن گیا۔ یوشع بن نون علیہ السلام کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور قصد کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام جاگیں گے تب ان سے اسکا ذکر کروں گا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے تو یوشع علیہ السلام اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں حضرات وہاں سے آگے چل کھڑے ہوئے۔

پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو اگلے روز دن چڑھے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ تحقیق ہم سفر کی اس منزل میں تعب اور مشقت کو پہنچے ہیں یعنی تھک گئے ہیں۔ مجمع البحرین تک موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہیں ہوئی جب منزل مقصود سے آگے بڑھے تب تھکن محسوس ہوئی اور بھوک بھی لگی اور کھانا طلب کیا اور دیکھا تو مچھلی ندارد تب اس وقت یوشع بن نون کو مچھلی کا حال یاد آیا اور بولے کہ بھلا آپ کو معلوم بھی ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے اور آپ تو وہاں سو گئے تھے اور مچھلی یکایک زندہ ہو کر دریا میں داخل ہو گئی

اور اس کے بیچ ایک طاق سا بن گیا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو آپ سے اس واقعہ کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو تحقیق میں آپ سے اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ پتھر جس کے پاس جا کر ٹھہرے تھے مجمع البحرین پر تھا اور یہی مقام اگلی منزل مطلوب و مقصود تھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلا دیا تھا کہ خضرؑ کے ملنے کی جگہ کی نشانی یہ ہے کہ جہاں وہ مچھلی زندہ ہو جائے تو مجھے مطلع فرمادیں اب یہ ارشاد کہ میں یہ ذکر کرنا بھول گیا کہ ایک گھڑی بھول گیا شیطان نے مجھے بھلا دیا کہ میں اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرتا تو معلوم کیفیت شیطان نے مجھ کو کسی دھیان میں لگا دیا کہ میں آپ سے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کرنا بھول گیا جس منزل مقصود پر پہنچ کر اصل مقصود سے دوری اور غفلت شیطان ہی کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے جس نے قدرت الٰہیہ کے ایسے کرشمہ کو بھلا دیا ورنہ یہ عجیب و غریب کرشمہ قدرت بھولنے کے لائق نہ تھا بظاہر سفر کی بلندی کے بارے اس کا ذکر کرنا بھول گئے یوشع بن نون نے یعنی اس بھول نسیان کو تواضعاً شیطان کی طرف منسوب کیا شیطان کا عمل زور تو اس کے دوستوں ہی پر چلتا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ لیکن بھول چوک اور وسوسہ شیطانی کبھی کبھی خدا کے نیک بندوں کو بھی پیش آجاتی ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ مگر یہ بھول چوک جاوہ صالحین کے حق میں مضر نہیں ہوتی بلکہ ان کے حق میں مزید ترقی مدارج کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ یہاں سفر کی مزید مشقت سے ان کو زیادہ عروج ہوا اور مظہر کرامت یہ تھے کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون سے کھانا طلب کیا تو دیکھا کہ مچھلی غائب ہے تو یوشع بن نون نے معذرت کی اور عرض کیا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی یہاں مفقود ہو گئی تھی اور میں آپ سے اس قصہ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور وہ قصہ یہ ہوا کہ اس مچھلی نے زندہ ہونے کے بعد دریا میں عجیب طرح سے راستہ بنایا ایک عجیب بات تو یہ ہوئی کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو گئی اور دوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ زندہ ہو کر دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی وہیں طاق سا کھلا رہ گیا موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصہ سن کر فرمایا یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہم تلاش میں لگے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندہ کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہوگی۔ پس پہلے ہم کو پھر اسی جگہ واپس لوٹنا چاہیے پس لوٹ پڑے دونوں اپنے نشان قدم پر کھوج لگاتے ہوئے اور پھر اسی پتھر کے پاس واپس آگئے جہاں مچھلی بھولے تھے سو وہاں پہنچ کر ان دونوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق یوشع بن نون نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ کو پایا یہ جمہور علماء کے نزدیک خضر ہیں جن کی ملاقات کے لئے یہ سفر کیا اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص بندہ کے دو وصف بیان کئے۔

اول: اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یعنی ہم نے اس کو اپنی خاص رحمت اور خاص عنایت سے سرفراز کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رحمت سے نبوت اور ہدایت مراد ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک رحمت سے

ولایت اور مقبولیت مراد ہے اور لفظ رحمت مجمل ہے جس میں دونوں معنی کا احتمال ہے اسی لئے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ولی تھے نبی نہ تھے۔

(دوسرا وصف) اللہ تعالیٰ نے انکا یہ بیان فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور انکو ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا جو نظر و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا ہم نے اپنے پاس سے ان کو باطنی علم سکھایا وہ علم ہمارے ساتھ خاص ہے بغیر ہمارے سکھائے کوئی اس علم کو نہیں جان سکتا صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایسے ہی علم کو علم لدنی کہتے ہیں جس میں اسباب ظاہری کا دخل اور واسطہ نہ ہو اور عالم غیب سے براہ راست علم اس کے قلب میں داخل ہو حالانکہ یہ جو منجانب اللہ علوم فائض ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے ہوتے ہیں قلب میں عام طور پر جو علم داخل ہوتا ہے وہ حواس ظاہری کے دروازوں سے داخل ہوتا ہے ایسے علم کو علم منقولی اور علم اکتسابی کہتے ہیں اور جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جاتے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جاتے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازہ سے داخل اور حاصل ہو وہ علم منقولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ علم لدنی اور علم وہبی اور علم منقولی کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرار غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ وانت علی علم من علم اللہ علمکہ اللہ لا اعلمہ یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے، جس کا تعلق اسرار کونیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اسکو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاح امت سے ہے یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے میں اس علم کو نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور وہاں ایک چڑیا دکھائی دی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ لگا ہے اور یہ بھی محض تفہیم کے لیے تھا ورنہ درحقیقت یہ نسبت بھی نہیں اس لیے کہ ساری دنیا کا علم بھی متناہی ہے اور اسکو خدا تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کیا نسبت خدا تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا وہ اسی کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور ایک قطرہ آپ پر ناز کرنا مناسب نہیں اس دریا پر نظر کرو جہاں سے یہ قطرہ ملا ہے خضر علیہ السلام کی اس بے مثال تمثیل وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کی خوب تفسیر ہو گئی اور مشرکین مکہ نے جو اہل کتاب کے مشورہ سے آپ کے امتحان کے لیے تین سوال

سکتے تھے انکے ساتھ اس قصہ کا ربط خوب ظاہر ہوگیا کہ نبی کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے

موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر انکو سلام کیا بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کا اتباع کروں اس غرض پر یا اس امید پر کہ جو خیر اور بھلائی کی باتیں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہیں ان میں سے آپ کچھ مجھ کو بھی تعلیم کریں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت سے پورے واقف اور باخبر تھے لیکن جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور امور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی سے نہ ہو نبی کا غیر نبی سے ایسے علم کا سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم بامور دنیاکم اس کی مؤید ہے معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے امور کو سیکھنا کہ جن کا اصول دین اور فروع دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر صبر نہیں کر سکو گے کیونکہ تم شریعت کے پابند ہو اور احکام شریعت کا دارومدار ظاہر پر ہے اور مجھ سے ایسے امور صادر اور سرزد ہوں گے کہ جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کے اصل راز اور اندرونی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی آپ انکو دیکھ کر حیران ہوں گے آپ کی نظر صرف ظاہر پر ہوگی اور اس قصے کی باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا آپ کو علم نہ ہوگا اس لئے آپ ایسے امور کو دیکھ کر صبر نہ کرسکیں گے میں جانتا ہوں کہ آپ میری باتوں کا انکار کریں گے اور آپ اس انکار میں بلاشبہ معذور ہوں گے اس لیے کہ از روئے شریعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور آپ نبی ہیں اور نبی سے امور منکرہ پر صبر نہیں ہوسکتا لیکن میں بھی ان امور کے کرنے میں معذور ہوں گا اس لیے کہ میں منجانب اللہ اس کا مامور ہوں گا اور من جانب اللہ میں انکی باطنی حکمت و مصلحت پر مطلع ہوں گا اور آپ ان مصالح سے آگاہ نہ ہوں گے اس لئے آپ میری باتوں پر صبر نہ کرسکیں گے بہرحال آپ کے لیے میری باتوں پر صبر کرنا اور سکوت اور خاموشی اختیار کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر سوالات اور مواخذہ اور روک ٹوک کا سلسلہ جاری رہا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ کیسے جاری رہ سکے گا اور بے شک آپ اس چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جو آپ کے احاطہ علم سے باہر ہو آپ کی نظر اس امر کی ظاہری قباحت پر تو ہوگی مگر اس کے باطنی محاسن آپ کے علم سے پوشیدہ ہوں گے موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اگرچہ میں ظاہر شریعت کا مکلف ہوں باطن سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مخالفت نہ کروں گا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور حتی الوسع میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جو امر آپ سے صادر ہوگا اگرچہ وہ بظاہر میری نظر میں قبیح ہوگا مگر درحقیقت قبیح نہ ہوگا اسلئے کہ جب اللہ رب العالمین نے آپکی معیت اور مصاحبت کا حکم دیا ہے تو یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے

اس لیے اصل متبوع یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا اور تابع یعنی یوشع بن نون کا ذکر چھوڑ دیا اور مفسرین لکھتے ہیں
کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی ملاقات کے بعد حضرت یوشع کو واپس کر دیا۔ واللہ اعلم۔

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ایسے مقام پر
پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ ملاحوں نے حضرت خضر کو پہچان کر بلا معاوضہ تعظیم و تکریم کشتی
میں مفت سوار کر لیا یہاں تک کہ جب دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے تو کچھ دور چل کر حضرت خضر نے کشتی کا
ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرائے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور
کشتی غرق ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھبرا کر کہا اے خضر کیا تو نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی والوں کو
غرق کر دے اور یہ سب کی جانیں ضائع ہوں اور احسان کا بدلہ نقصان سے دیں مال بھی برباد اور جانیں بھی برباد
البتہ تحقیق تم نے عجیب بری کام کیا ہے ایک تختہ نکال کر کشتی والوں پر آفت برپا کر دی۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے
کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول
گیا تھا لہذا مجھے میری اس بھول چوک پر نہ پکڑو اور میرے معاملہ پر سختی نہ کرو تاکہ میرے لیے آپ کی صحبت اور رفاقت
میں دشواری نہ ہو بھول چوک میں نرمی اور چشم پوشی چاہیے درگزر فرمائیے اور سخت گیری نہ کیجیے فعل نسیان اللہ تعالیٰ کے
نزدیک عدم کے حکم میں ہے پھر کشتی سے اتر کر دونوں آگے روانہ ہوئے اور ایک بستی میں پہنچے اور چند لڑکوں کے
پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کمسن لڑکے سے ملے جو ان کھیلنے والوں میں
سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا تو حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا قتل کر دیا یا زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا
یا اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دیا یا اس کا سر دیوار سے مار دیا اور مار کر چل کھڑے ہوئے ایک کمسن بچے کے اس
بے رحمانہ قتل کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جوش آگیا اور کہا اے خضر کیا تو نے ایک پاک اور بے گناہ جان کو بغیر
کسی جان کے عوض اور بدلے کے یونہی مار ڈالا یہ تو معلوم ہی تھا اس نے کسی کا خون بھی نہیں کیا تھا ایسا معصوم بچہ
اگر کسی کا خون بھی کر ڈالے تو اس پر قصاص نہیں آپ نے اس کو کیسے مار ڈالا بیشک آپ نے بہت ہی
ناپسندیدہ اور برا کام کیا جس کا عقل اور فطرت اور شریعت سب ہی انکار کرتی ہیں آپ کا یہ فعل پہلے فعل سے
زیادہ سخت ہے آپ نے ایسا برا کام کیا جس کا تدارک بھی ممکن نہیں کشتی کے شگاف کا تو فوراً تدارک ممکن ہے
مگر قتل کا تدارک ممکن نہیں مار ڈالنے کے بعد جان ڈالنا کسی کے اختیار میں نہیں نیز قتل سے جان کا نقصان یقینی
ہے اور شگاف سے کشتی کا غرق ہونا یقینی نہیں ممکن ہے کہ کشتی باوجود شگاف کے غرق نہ ہو یا لوگ کسی اور
طرح سے بچ جاتے۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۳ ذی الحجۃ الحرام یوم شنبہ [illegible]ھ عصر اور مغرب کے درمیان پندرھویں پارہ کی تفسیر سے
فراغت ہوئی فلله الحمد اولاً و آخراً

[illegible]

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن
مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
کی جلد چہارم پارہ ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا،
تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم
میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

مجلس القرآن شہداد پور
۱۱ محرم [illegible]